نظامِ عفت و عصمت کی جامعیت و اہمیت پر پہلی محققانہ کتاب

اسلام کا نظامِ عفت و عصمت

جسمیں

عفت و عصمت اور ان کے لوازم کے لیے ایک ایک گوشہ پر بصیرت افروز، دلپذیر بحث کی گئی ہے اور اس نظام کی اسلامی خصوصیتوں کو اعتدال اور احتیاط کے ساتھ اُجاگر کیا گیا ہے۔!

تالیف

مولانا محمد ظفیر الدین صاحب پورہ نوڈیہاوی

رفیق ندوۃ المصنفین

مکتبہ نذیریہ، منیر شہید روڈ بالمقابل جاوید مارکیٹ

اچھرہ - لاہور

ملنے کا پتہ

مکتب الدعوة الاسلامیة

۵۸- ابوبکر بلاک ـــــ نیوگارڈن ٹاؤن

لاہور : پاکستان

طبع فی المطبعة العربیة

۳۰- لیک روڈ، بالمقابل منشی چیمبر، پرانی انارکلی، لاہور- پاکستان

فہرست مضامین

اسلام کا نظامِ عفّت وعِصمت

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ
۱	تمہید	
۲	نظام عفّت وعصمت	۲۳
۳	رحمتِ الٰہی	۲۷
۴	نظامِ نسلِ انسانی	۲۸
۵	اسلام سے پہلے عورتوں کی حیثیت اوران کی عفّت وعصمت کی بربادی	۲۹
۶	عورتوں کی مظلومیت	۲۹
۷	بچیوں کی پیدائش کا باپ پر اثر	۳۰
۸	بچیوں کا بے رحمانہ قتل	۳۲
۹	عفت وعصمت کی بربادی	۳۳
۱۰	جاہلیت کے نکاح	۳۴
۱۰	نسوانی ناموس کا حشر غیر اقوام میں	۳۶
۱۱	یہودی قانون	۳۷
۱۲	ہندو قانون	۳۸
۱۳	مسیحی قانون	۴۱
۱۴	عورتوں سے متعلق مثالی فقرے	۴۲
۱۵	غیر مذاہب میں ازدواجی تعلقات	۴۲

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ
١٦	اسلام کی اصلاحی جدوجہد عورتوں کے حق میں	۴۴
١٧	عورتوں کی حیثیت کا اعلان	۴۴
١٨	عورتوں کا مقصد	۴۷
١٩	قتل کی روک تھام	۴۹
٢٠	لڑکیوں سے حسن سلوک کی ترغیب	۵۰
٢١	میراث میں عورتوں کا حصہ	۵۳
٢٢	ماں کی حیثیت سے	۵۴
٢٣	بیوی کی حیثیت سے	۵۵
٢۴	عورت خسارے میں نہیں	۵٦
٢۵	ماں کے روپ میں عورت کا احترام	۵٦
٢٦	عورتوں کی عصمت وعفت کا تحفظ اسلام میں	۵٨
٢٧	انسانیت سوز رواج	۵٨
٢٨	زنا اور اس کے مفاسد	۵٩
٢٩	ایک نوجوان کو آنحضرت کی نصیحت	٦١
٣٠	زنا کائنات کی مرکزی طاقت سے متصادم ہے	٦٣
٣١	عفت پر بیعت	٦۵
٣٢	زنا جرم عظیم ہے	٦۵
٣٣	شرک کے بعد بڑا گناہ زنا ہے	٦٦
٣۴	بوقت زنا ایمان کی حالت	٦٦
٣۵	غیرت حق	٦٧

نمبر صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۶۹	یوسف علیہ السلام کا اعلانِ حق	۳۶
۷۱	زنا مظالم کی جڑ	۳۷
۷۳	زنا پر کال کوٹھڑی کو ترجیح	۳۸
۷۴	زنا کے سلسلے میں ارشاداتِ نبوی	۳۹
۷۵	زنا کی بلاکتیں	۴۰
۷۶	مصیبت	۴۱
۷۶	کثرتِ موت اور طاعون	۴۲
۷۷	خشک سالی	۴۳
۷۸	**اِسلامی تعلیم سے روگردانی کا انجام**	۴۴
۷۸	امریکہ میں زنا اور اس کے نتیجے	۴۵
۷۹	آتشک، سوزاک اور دُوسری برائیاں	۴۶
۸۰	کنسے رپورٹ	۴۷
۸۱	اِنگلستان میں زنا کی وبا	۴۸
۸۲	فرانس میں بدکاری	۴۹
۸۴	**تحفظِ عفت وعصمت اور شادی**	۵۰
۸۴	نکاح کا حکم	۵۱
۸۶	نکاح فقہا کی نگاہ میں	۵۲
۸۶	نکاح میں تحفظِ عصمت	۵۳
۸۷	نکاح اور افزائشِ نسل	۵۴
۸۸	نکاح اور پاک دامنی	۵۵

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ
۵۶	نکاح رسولوں کی سُنّت ہے	۸۹
۵۷	غیر شادی شدہ آنحضرت صلعم کی نظر میں	۹۰
۵۸	رہبانیت پیغمبرِ اسلام کی نظر میں	۹۱
۵۹	پاکیزہ نفس عورت رسول اللہ کی نظر میں	۹۴
۶۰	ترغیب نکاح کے ساتھ وعدہ غنا	۹۵
۶۱	فقر و فاقہ کے شبہات و شکوک کا حل	۹۷
۶۲	صحابۂ کرام کا تأثر	۹۸
۶۳	حالتِ فقر میں اجازتِ نکاح	۹۹
۶۴	نکاح سے بالکل مجبوری میں عفت کی تاکید	۱۰۰
۶۵	**شادی سے اجتناب اور اس کے نقصانات**	۱۰۲
۶۶	مقاصدِ نکاح	۱۰۲
۶۷	مادۂ تولید اور اسکا اخراج	۱۰۳
۶۸	مادۂ تولید کا حبس اور اس کے نقصانات	۱۰۴
۶۹	آوارگی اور زنا کا راستہ	۱۰۶
۷۰	ہم بستری کے فائدے	۱۰۶
۷۱	جائز ہمبستری اور تزکیۂ قلب	۱۰۷
۷۲	ہم بستری میں اعتدال	۱۰۸
۷۳	جائز راستوں کا ترک اور اسکا عبرت ناک انجام	۱۰۹
۷۴	غیر فطری طریقوں میں نقصانات	۱۰۹
۷۵	غیر فطری طریقوں سے تکمیلِ شہوت	۱۱۱

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ
۷۶	اسلام کی نظر میں اجتماعی حیثیت سے نکاح کی افادیت	۱۱۳
۷۷	شادی روشن خیال مفکرین کی نظر میں	۱۱۴
۷۸	بھارتی مفکرین کا بیان	۱۱۴
۷۹	ایک انگریز عورت کی رائے	۱۱۴
۸۰	مغربی مفکر کا مشورہ	۱۱۵
۸۱	**مقاصد نکاح اور عصمت و عفت**	۱۱۶
۸۲	نکاح میں چار ضروری شرطیں	۱۱۶
۸۳	نکاح سے حصول عفت	۱۱۷
۸۴	عفت و عصمت کی اہمیت	۱۱۹
۸۵	محبت و رحمت	۱۲۱
۸۶	ہیجانی کیفیت کا علاج	۱۲۲
۸۷	یارانہ شادی	۱۲۳
۸۸	**عفت و عصمت کی اہمیت اسلام میں**	۱۲۵
۸۹	فلاح کامل کی بشارت	۱۲۵
۹۰	عفت جزو نبوت کی حیثیت میں	۱۲۶
۹۱	پاکیزہ نفس کا مرتبہ	۱۲۸
۹۲	عورتوں سے عفت و عصمت پر بیعت	۱۲۹
۹۳	آنحضرت کے اقوال بسلسلۂ عفت	۱۳۰
۹۴	پاکدامنی کی تبلیغ	۱۳۱
۹۵	عفیف پر ظل رحمانی	۱۳۱

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ
۹۶	عفیف کے لئے جنت کی ضمانت	۱۳۱
۹۷	روداد عفت اور اسکا اثر	۱۳۲
۹۸	عفت کی نیت سے بیوی کے پاس جانا	۱۳۴
۹۹	صحابۂ کرام کا جذبۂ عفت	۱۳۴
۱۰۰	سرورِ کائنات اور دعائے عفت	۱۳۶
۱۰۱	دشمن عفت پر عذاب الٰہی	۱۳۷
۱۰۲	**عفت وعصمت اور تعددِ ازواج**	۱۳۸
۱۰۳	تعدد ازدواج کی اجازت عدل کی شرط کے ساتھ	۱۳۸
۱۰۴	عدل ومساوات	۱۳۹
۱۰۵	عدل میں اندیشہ کے وقت صرف ایک کا حکم	۱۴۰
۱۰۶	اسلام کا قانون تعدد ازدواج اور مخالفین	۱۴۱
۱۰۷	اہل یورپ کا اعتراف حق	۱۴۲
۱۰۸	ایک بصیرت افروز واقعہ	۱۴۴
۱۰۹	قانون اسلام سے روگردانی کا نتیجہ	۱۴۴
۱۱۰	ہندوؤں کا اعتراف حق	۱۴۶
۱۱۱	تعدد ازدواج میں عدل ومساوات	۱۴۶
۱۱۲	اختیاری شئے میں عدل	۱۴۷
۱۱۳	حضورؐ کا آخری لمحات حیات میں عدل ومساوات	۱۴۸
۱۱۴	مانوس کرنے کے لئے نئی بیوی کے ساتھ رعایت	۱۴۹
۱۱۵	سفر میں لے جانے کے لئے قرعہ	۱۴۹

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ
۱۱۶	اپنے حصہ کا ہبہ اور ملنے کی آزادی	۱۵۰
۱۱۷	بیوی کی خوشنودی	۱۵۱
۱۱۸	عدمِ مساوات کا نتیجہ	۱۵۲
۱۱۹	سارے قوانین کا ماحصل عفت وعصمت	۱۵۳
۱۲۰	بیک وقت چار بیبیوں سے	۱۵۳
۱۲۱	زیادہ کی اجازت نہیں	
۱۲۲	شادی کرنے والوں کے اختیارات وفرائض	۱۵۵
۱۲۳	حقِ انتخاب	۱۵۵
۱۲۴	ظلم وجور کی بیخ کنی	۱۵۶
۱۲۵	ولی کو مشورہ کا حق	۱۵۷
۱۲۶	عورتوں کو شوہر کے انتخاب میں اختیار	۱۵۷
۱۲۶	ولی کا فریضہ	۱۵۹
۱۲۷	عورت کی عدم رضا سے نکاح کا رُدّ عہدنبوی میں	۱۵۹
۱۲۸	باپ کو بھی جبر کا اختیار نہیں	۱۶۰
۱۲۹	ولی کو حقِ مشورہ اور اُسکا لحاظ	۱۶۱
۱۳۰	اختلاف کے وقت عورت کی پسند کو ترجیح	۱۶۲
۱۳۱	مولانا کشمیری رح کا اصول اور فیصلہ	۱۶۳
۱۳۲	شاہ ولی اللہ رح کی تائید	۱۶۶
۱۳۳	امام نووی کی رائے	۱۶۷
۱۳۴	ہر حال میں بالغہ لڑکی کی رائے قابل ترجیح	۱۶۷

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ
۱۳۵	مردوں کو اختیارات	۱۶۸
۱۳۶	عورت کے انتخاب میں ہدایت نبوی	۱۶۹
۱۳۷	محض دولت پرستی	۱۶۹
۱۳۸	نسل ونسب کے بت پر جان دینا	۱۷۰
۱۳۹	حسن پرستی	۱۷۱
۱۴۰	معیار دینداری اور ذاتی صلاحیت ہو	۱۷۲
۱۴۱	اخلاق واعمال سے صرف نظر اور اسکا نتیجہ	۱۷۳
۱۴۲	بیوی کا انتخاب اور فقہاء کرام	۱۷۴
۱۴۳	شوہر کا انتخاب	۱۷۶
۱۴۴	ہم عمری کا لحاظ	۱۷۶
۱۴۵	سیرت کے ساتھ صورت کا لحاظ	۱۷۷
۱۴۶	نوجوان عورت	۱۷۸
۱۴۷	نوجوان عورت کی خصوصیات	۱۷۹
۱۴۸	دین اور حسن کا اجتماع	۱۸۰
۱۴۹	خوب صورتی کا معیار	۱۸۱
۱۵۰	بیوہ عورت سے شادی	۱۸۲
۱۵۱	بیوہ سے شادی عہد نبوی اور عہد صحابہ میں	۱۸۲
۱۵۲	شادی سے پہلے عورت کو دیکھنا	۱۸۳
۱۵۳	دیکھنے کے لئے مشورۂ نبوی	۱۸۴
۱۵۴	امام نووی کی تشریح	۱۸۵

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ
۱۵۵	دیکھنے میں اعتدال و اخلاص	۱۸۶
۱۵۶	شادی سے پہلے دیکھنا مستحب ہے	۱۸۷
۱۵۷	دیکھنے کا شرعی طریقہ	۱۸۹
۱۵۸	عشق و محبت علامہ رشید رضا مصری کے تجربہ کی روشنی میں	۱۹۱
۱۵۹	**بلوغ کے بعد شادی کا حکم اور دیگر ہدایات**	۱۹۲
۱۶۰	بلوغ کے بعد شادی کی تاکید	۱۹۲
۱۶۱	لڑکے اور لڑکی کی شادی کا بار والدین پر	۱۹۴
۱۶۲	شادی کی اہمیت	۱۹۶
۱۶۳	رشتۂ ازدواج پر استواری	۱۹۶
۱۶۴	مسئلہ کفالت	۱۹۷
۱۶۵	نسبی کفو زیادہ قابلِ اعتماد نہیں	۱۹۸
۱۶۶	نسبی کفو کے متعلق حضور کا ارشاد اور آپکے عہد کا عمل	۱۹۹
۱۶۷	نکاح کا اعلان	۲۰۰
۱۶۸	اعلان کی ضرورت	۲۰۱
۱۶۹	نکاح کی شہرت بذریعہ دعوتِ ولیمہ	۲۰۲
۱۷۰	دعوت ولیمہ کا قبول کرنا	۲۰۳
۱۷۱	مفلس کو بھی دعوت دی جائے	۲۰۳
۱۷۲	**جائز لطف اندوزی کی آزادی**	۲۰۵
	صرف سال کے کچھ حصوں میں ممانعت	۲۰۵

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ
۱۷۴	حیض و نفاس	۲۰۶
۱۷۵	عورت سے تمتع کا بلیغ بیان	۲۰۷
۱۷۶	لواطت کی حرمت	۲۰۸
۱۷۷	محبت اور پیار	۲۱۰
۱۷۸	بیوی بچوں کی محبت اور اس پر تنبیہہ	۲۱۱
۱۷۹	شوہر کے اختیارات اور فرائض	۲۱۲
۱۸۰	صبر و تحمل	۲۱۲
۱۸۱	سرورِ کائنات کی وصیت	۲۱۴
۱۸۲	رفق و ملاطفت	۲۱۵
۱۸۳	عورت کی تلون مزاجی	۲۱۶
۱۸۴	جدید تحقیقات اور عورت	۲۱۷
۱۸۵	عورت کے عضلات	۲۱۸
۱۸۶	عورت میں خوبیاں	۲۱۹
۱۸۷	ظلم و تعدی کی ممانعت	۲۲۰
۱۸۸	عورت میں ہیجان	۲۲۱
۱۸۹	زد و کوب کی ممانعت	۲۲۱
۱۹۰	سرزنش کی اجازت اور اسکا مطلب	۲۲۲
۱۹۱	خطبہ حجۃ الوداع میں عورتوں کے متعلق ارشادات نبوی	۲۲۳
۱۹۲	عورتوں سے حسنِ اخلاق کا برتاؤ نگاہ نبوی میں	۲۲۶

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ
۱۹۳	حضور اپنی ازواج مطہرات میں	۲۲۷
۱۹۴	سرور کائنات کی محبت بیویوں سے	۲۲۸
۱۹۵	صحابہ کرام کی بیویوں سے محبت	۲۲۹
۱۹۶	بیویوں کے حقوق کی اہمیت	۲۳۱
۱۹۷	بیویوں کے لئے نظافت کا انتظام	۲۳۲
۱۹۸	بیوی کے لئے سامان طہارت و نفاست	۲۳۳
۱۹۹	عورت کی محبت میں اظہار وفاداری	۲۳۴
۲۰۰	بیوی کے جذبات کا پاس	۲۳۶
۲۰۱	بیوی پر اعتماد	۲۳۷
۲۰۲	بیوی کی رازداری	۲۳۸
۲۰۳	بیوی کا نفقہ	۲۳۹
۲۰۴	مقدار نفقہ	۲۴۰
۲۰۵	آنحضرت صلعم کا نظام نفقہ	۲۴۱
۲۰۶	بیوی کو والدین سے ملنے کی اجازت	۲۴۲
۲۰۷	زن وشوہر میں اختلاف کے وقت حکم	۲۴۲
۲۰۸	بیوی کے فرائض و اختیارات	۲۴۴
۲۰۹	قانون کا کمال	۲۴۴
۲۱۰	نظام منزلی کی صورت	۲۴۵
۲۱۱	مرد کی صدارت کی وجہ	۲۴۶
۲۱۲	جدید تحقیق میں مرد کی حیثیت	۲۴۶

نمبر صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۴۷	عورت کا دماغ	۲۱۳
۲۴۹	مرد کی صدارت کے باوجود دونوں کے حقوق برابر ہیں	۲۱۴
۲۵۰	ایک فلاسفر کا قول	۲۱۵
۲۵۰	صدارت کے باوجود عورت سے مشورہ کا حکم	۲۱۶
۲۵۱	موجودہ دور میں تعطل	۲۱۷
۲۵۲	عورت صالحہ اور اس کا فریضہ	۲۱۸
۲۵۳	شوہر کی تعظیم و تکریم	۲۱۹
۲۵۴	اطاعت و فرمانبرداری	۲۲۰
۲۵۵	شوہر کی ناجائز بات میں اطاعت نہیں	۲۲۱
۲۵۶	شوہر کی خوشنودی	۲۲۲
۲۵۸	جنسی میلان میں حکم کی بجا آوری	۲۲۳
۲۵۸	جنسی میلان میں بیوی کی صحت کا لحاظ	۲۲۴
۲۵۹	شوہر کی خوشنودی خیر القرون میں	۲۲۵
۲۶۰	ازواج مطہرات کی آنحضرتؐ سے محبت	۲۲۶
۲۶۱	صحابیات کی اپنے شوہروں سے محبت	۲۲۷
۲۶۲	شوہر کا خیر مقدم خندہ روئی سے	۲۲۸
۲۶۳	شوہر اور گھر کی خدمت	۲۲۹
۲۶۴	ضد اور ہٹ سے پرہیز	۲۳۰
	عفت و عصمت کے تحفظ کے لئے چند ضروری قوانین	۲۳۱
۲۶۶	میاں اور بیوی میں حائل ہونے کی مذمت	۲۳۲

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ
۲۳۳	میاں بیوی میں تفریق سے شیطان کی مسرت	۲۶۶
۲۳۴	زن و شوہر کے تعلقات بگاڑنے کی مذمت	۲۶۷
۲۳۵	رشتۂ نکاح ختم کرنے کی اجازت	۲۶۸
۲۳۶	ناگہانی مصائب	۲۶۹
۲۳۷	شوہر کا نامرد ہونا	۲۶۹
۲۳۸	شوہر کا مجنون ہونا	۲۷۰
۲۳۹	شوہر خصی کا حکم	۲۷۱
۲۴۰	حافظ ابن القیم کا ارشاد	۲۷۲
۲۴۱	اسلام کا قانونِ خلع	۲۷۲
۲۴۲	عہدِ نبوی میں خلع	۲۷۳
۲۴۳	مفقود الخبر کی بیوی کا حکم	۲۷۵
۲۴۴	اسلام کا قانون طلاق اور عفت و عصمت کی حفاظت	۲۷۷
۲۴۵	طلاق کا قانون یہود میں	۲۷۷
۲۴۶	طلاق کا قانون عیسائیوں میں	۲۷۸
۲۴۷	قانونِ طلاق کی اصلاح	۲۷۹
۲۴۸	رپورٹ شاہی کمشن	۲۸۰
۲۴۹	انسانی قانون کا انجام	۲۸۱
۲۵۰	جاہلیت کا قانون طلاق	۲۸۲
۲۵۱	اسلام کا قانونِ طلاق	۲۸۲
۲۵۲	طلاق فقہائے کرام کی نظر میں	۲۸۳

نمبر صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۸۴	طلاق کی باگ ڈور مرد کے ہاتھ میں	۲۵۳
۲۸۴	طلاق رجعی اور مسئلہ عدت	۲۵۴
۲۸۶	لعان	۲۵۵
۲۸۷	عفت وعصمت کے لوازمات	۲۵۶
۲۸۸	شرم وحیا	۲۵۷
۲۸۹	شرم وحیا اسلام میں	۲۵۸
۲۹۱	بیباک نگاہ اور اس کے متعلق ہدایات	۲۵۹
۲۹۴	عورتوں کو ہدایت	۲۶۰
۲۹۵	نگاہ کی حفاظت کا حکم	۲۶۱
۲۹۷	نگاہ کے فتنے	۲۶۲
۲۹۹	پست نگاہی کی تاکید	۲۶۳
۳۰۳	نگاہ پست رکھنے کے فائدے	۲۶۴
۳۰۴	جاہلی بے پردگی کی ممانعت	۲۶۵
۳۰۵	نزولِ حکمِ حجاب	۲۶۶
۳۰۶	عورتوں سے استفادہ پردہ کی اوٹ سے ہو	۲۶۷
۳۰۷	مخلوط سوسائٹی مضر ہے	۲۶۸
۳۰۸	مخلوط تعلیم کا اثر عفت وعصمت پر	۲۶۹
۳۰۹	پاکدامن عورتوں کے امتیاز کی ضرورت	۲۷۰
۳۱۱	لباس کا حکم	۲۷۱
۳۱۲	شرعی آداب	۲۷۲

نمبر صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۳۱۳	دوپٹہ ڈالنے کا طریقہ	۲۷۳
۳۱۴	اظہارِ زینت وغیرہ کی ممانعت	۲۷۴
۳۱۶	خوشبو مَل کر نکلنے کی ممانعت	۲۷۵
۳۱۷	عام گزرگاہ سے اجتناب کا حکم	۲۷۶
۳۱۸	اسلام میں احترامِ عفت	۲۷۷
۳۱۹	بات کرنے میں لوچ نہ ہو	۲۷۸
۳۲۰	محرم کے لئے رعایت	۲۷۹
۳۲۲	مخنث عورتوں میں نہ آوے	۲۸۰
۳۲۲	مراہق کے لئے ہدایت	۲۸۱
۳۲۳	شوہر کے عزیز و اقارب سے اجتناب	۲۸۲
۳۲۳	کسی مرد سے تنہائی میں نہ ملے	۲۸۳
۳۲۴	جن کے شوہر گھر میں نہیں اُن سے بچو	۲۸۴
۳۲۶	جدید تحقیقات ہماری تائید میں	۲۸۵
۳۲۷	عورتوں کی بے پردگی کا نتیجہ	۲۸۶
۳۲۸	میل جول کا انجام	۲۸۷
۳۳۰	عورت اپنے جنسی فرائض سے آگے	۲۸۸
۳۳۱	سماج کا فریضہ	۲۸۹
۳۳۲	عورتوں کی آزادی خود اس کے حق میں	۲۹۰
۳۳۲	عورتوں کی آزادی مردوں کے حق میں	۲۹۱
۳۳۳	عورت کہاں سے کہاں پہنچتی ہے	۲۹۲

نمبر صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۳۳۳	پردہ میں ضعفِ اعصاب کا شکوہ غلط	۲۹۳
۳۳۴	عورت کی حالت مرد سے بیان نہ کی جائے	۲۹۴
۳۳۵	مرد اپنی بیوی کا راز ظاہر نہ کرے	۲۹۵
۳۳۶	ہیجانی کیفیت پیدا کرنے والی باتوں سے اجتناب	۲۹۶
۳۳۷	ایک ساتھ دو مرد یا دو عورتیں نہ لیٹیں	۲۹۷
۳۳۸	ستر اور اس کی پردہ پوشی	۲۹۸
۳۳۹	عورت تنہا سفر نہ کرے	۲۹۹
۳۴۱	سفر میں جاتے ہوئے گھر کی حفاظت	۳۰۰
۳۴۲	مجاہدین کے گھروں کی عفت کا خیال	۳۰۱
۳۴۴	**قوانین استیذان**	۳۰۲
۳۴۴	گھر میں داخلہ	۳۰۳
۳۴۵	طلبِ اجازت کا شرعی طریقہ	۳۰۴
۳۴۷	طلبِ اذن کی حکمت	۳۰۵
۳۴۸	طلبِ اذن کی صحابہ کرام کو تعلیم	۳۰۶
۳۴۹	صحابہ کرام کا عمل	۳۰۷
۳۵۰	دروازہ پر تاک جھانک کی ممانعت	۳۰۸
۳۵۲	طلبِ اذن پر اپنا مشہور نام بتائے	۳۰۹
۳۵۲	محرم بھی اجازت حاصل کرے	۳۱۰
۳۵۳	ماں سے بھی طلبِ اذن	۳۱۱
۳۵۴	سلف صالحین کا طریقہ	۳۱۲

نمبر صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۳۵۵	عفت کا اسلام میں لحاظ	۳۱۳
〃	موجودہ دور میں غفلت	۳۱۴
۳۵۶	خاص اوقات میں سب کے لئے استیذان	۳۱۵
۳۶۰	نابالغ بعد بلوغ اجازت لیں	۳۱۶
۳۶۲	مَاظَہَر کی تفسیر	۳۱۷
۳۶۳	چہرہ چھپانے کا حکم	۳۱۸
۳۶۵	باریک کپڑے کا استعمال مشکوٰۃ نبوت کی روشنی میں	۳۱۹
۳۶۸	دشمنانِ عفت وعصمت، اسلام کی نظر میں	۳۲۰
〃	اتہام لگانا	۳۲۱
۳۶۹	اتہام لگانے کی سزا	۳۲۲
۳۷۰	مسلمان کی عزت اسلام کی نظر میں	۳۲۳
۳۷۱	اسلام میں سزا کی نوعیت	۳۲۴
۳۷۲	سزائے زنا اور جرم کی نوعیت	۳۲۵
۳۷۴	زناکار کی سزا	۳۲۶
۳۷۵	زناکار کی سزا کی تشہیر	۳۲۷
۳۷۶	بے حیا عورت پر پابندی	۳۲۸
۳۷۸	اسلام کا قانونِ رجم	۳۲۹
۳۷۹	رجم کی حقانیت	۳۳۰
۳۸۰	رجم کا طریقہ	۳۳۱
〃	زبردستی زنا اور اسکا حکم	۳۳۲

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ
۳۳۳	پاگل کا حکم	۳۸۲
۳۳۴	قومِ لوط کا عمل	۳۸۳
۳۳۵	وطی فی الدبر	۳۸۳
۳۳۶	استلذاذ بالمثل	۳۸۵
۳۳۷	قوم لوط اور اسکا انجام	۳۸۶
۳۳۸	قوم لوط کے بعد	۳۸۶
۳۳۹	استلذاذ بالمثل اسلام کی نظر میں	۳۸۸
۳۴۰	لوطی نقل وعقل کی روشنی میں	۳۸۹
۳۴۱	لوطی کی سزا	۳۹۰
۳۴۲	سزا عقل کی روشنی میں	۳۹۱
۳۴۳	عہدِ صحابہ کا ایک واقعہ	۳۹۲
۳۴۴	بچنے کی تدبیر	۳۹۲
۳۴۵	امرد سے پرہیز	۳۹۳
۳۴۶	امرد کا چہرہ دیکھنا	۳۹۴
۳۴۷	دو مردوں کا ایک ساتھ لیٹنا یا سونا	۳۹۵

تعارُف

عفت وعصمت وہ گوہر گراں مایہ ہے جس سے انسانیت کے تاج کی زیب و زینت ہے۔ یہ وہ جوہر ہے جس کی قیمت پہچاننے اور قدر کرنے سے انسانیت کو چار چاند لگتے ہیں اور اس کی بے قدری کرنے سے انسانیت پامال ہوتی ہے۔

اِسلام نے دوسرے اخلاق وملکاتِ فاضلہ کی طرح عفت و عصمت کی بھی قدر و قیمت پہچان کرانے کی سعی بلیغ کی ہے۔ مختلف دلنشیں پیرایوں سے اس کو ذہن نشین کرایا۔ پھر ایک مکمل قانون انسانوں کے سامنے رکھا۔ جس کی پابندی عصمت کے تحفظ کی ضامن وکفیل ہو سکے اور عفت مجروح نہ ہونے پائے۔

لیکن آج مادّی ترقیات نے انسانوں کو روحانیت سے اس قدر دور کر دیا ہے کہ اخلاق و ملکاتِ فاضلہ کی آج کوئی قدر وقیمت نہیں رہ گئی ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج کی دنیا فسق وفجور کی دنیا بن کر رہ گئی ہے۔

اِن حالات میں بڑی ضرورت تھی کہ اسلام کا قانونِ عفت وعصمت مرتب و مجموع شکل میں پیش کیا جائے۔ ممکن ہے غفلت کا پردہ چاک ہو اور فسق وفجور کی شناعت اور اسکی بدانجامی معلوم کر کے کچھ تنبیہ ہو۔

عزیزم مولوی محمد ظفر الدین صاحب سلمہٗ مدرس مدرسہ معینیہ سانخہ ضلع مونگیر کو حق تعالےٰ جزائے خیر دے کہ اُنھوں نے وقت کی اس ضرورت کا احساس

کیا اور اسلامی قانونِ عفت و عصمت پر انھوں نے ایک مبسوط اور نہایت قیمتی کتاب تصنیف کی۔

مصنف نے اس کتاب میں اسلام سے پہلے عورت کی زبوں حالی کا نقشہ کھینچنے اور عورت کا جو اخلاقی معیار مختلف مذاہب و ملل میں تھا، اس کو مستند حوالوں سے بیان کرنے کے بعد، اسلام نے اس سلسلہ میں جو اصلاحی جدوجہد کی ہے اور عفت کے معیار کو جس جس طرح بلند کیا ہے، اس کو نہایت تفصیل سے، اور بہت دل نشیں انداز میں بیان کیا ہے اور اسی ضمن میں تاہل، کثرت ازدواج کفاءت کے مسائل پر سیر حاصل اور بہت شافی بحث کی ہے۔

کتاب کے تعارف کے لئے میں اِنہی چند اشارات پر اکتفا کرتا ہوں، اور اس تعارف نامہ کو دراز کرنے کے بجائے اس کو بہتر سمجھتا ہوں کہ آپ خود اصل کتاب کا مطالعہ فرما کر مصنف کی کاوش و محنت کی داد دیں۔

آخر میں ندوۃ المصنفین کا شکریہ ادا کرنا بھی میں اس لئے ضروری خیال کرتا ہوں کہ اسی مجلس کی قدر دانی اور توجہ کی بدولت ہم کو اس مفید تصنیف سے استفادہ کا موقع مل رہا ہے۔

ابوالمآثر حبیب الرحمٰن الاعظمی

مئو۔ اعظم گڑھ

۲۴؍جون ۱۹۵۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظامِ عفّت و عصمت

دو سال گزرے کہ میں نے اس عنوان سے ایک مقالہ لکھنا شروع کیا تھا، جو رسالہ "برھان" دہلی میں چھپتا رہا۔ اس وقت میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ مقالہ اہلِ علم میں اتنا پسند کیا جائے گا۔ مگر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے اسے شرفِ قبول بخشا اور اربابِ فضل و کمال نے اس کو پسند کیا، اس وقت میری مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب بزرگوں اور اساتذہ کرام نے اپنے خطوط میں اس مقالہ کو سراہا، اور مقالہ نویس کو حوصلہ افزا کلمات سے یاد فرمایا۔

اس سلسلہ میں حضرت علامہ مولانا سید مناظر حسن گیلانی، حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی اور حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی (مدظلہم) کے نام نامی خصوصیت سے پیش کئے جا سکتے ہیں بلکہ مفتی صاحب نے یہ بھی اطلاع دی کہ ناظرینِ برہان نے اس مقالہ کو پسند کیا۔

ان بزرگوں کی حوصلہ افزائی کے صدقہ میں ہمت بندھی اور ارادہ کیا گیا کہ اللہ تعالےٰ نے توفیق دی تو اس مقالہ کو کتابی شکل دینے کی سعی کی جائے گی۔ مگر مدرسہ کی پُرشور زندگی میں اطمینان و سکون کا نصیب ہونا بڑا پیچیدہ سوال تھا۔ اس زندگی کی تلخیوں اور حد سے بڑھی ہوئی پریشانیوں کا اندازہ وہی حضرات لگا

سکتے ہیں جن کو اس مصیبت سے کبھی دوچار ہونا پڑا ہے، پھر اس وقت اور بھی، جب وہ کسی دیہاتی مدرسہ کا مدرسِ اوّل ہو۔ اللہ تعالےٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ میں نے اطمینان و سکون کے حصول کی کتنی کوشش کی اور کیسی ناکامیابی ہوئی ۔ بایں ہمہ مایوس نہ ہوا، اور برابر فکر میں رہا۔

اسی اثنار میں حضرت علامہ گیلانی (دامت فیوضہم کا گرامی نامہ ملا۔ جس میں اور باتوں کے ساتھ یہ بھی تحریر فرمایا گیا تھا:

"برہان میں آپ کے مضمون کا نیا شمارہ بھی نظر سے گزرا، جزاکم اللہ عنا و عن جمیع المسلمین خیر الجزا وقت کی ایک بڑی ضرورت آپ اپنے اس محققانہ، اور دلیرانہ مقالہ سے پوری فرما رہے ہیں انشاء اللہ کسی مستقل رسالہ کی شکل میں آئندہ شائع ہو کر زیادہ مفید ثابت ہوگا"

اس تحریر کو نیک شگون سمجھا اور ارادہ کر لیا گیا کہ جسطرح زندگی گزر رہی ہے اسی حال میں کام شروع کر دیا جائے کیونکہ ایک عالمِ ربانی اور خدا رسیدہ بزرگ کی زبان قلم سے جو بات نکلی ہے، اللہ تعالےٰ کی مشیت ہوئی تو پوری ہو کر رہیگی۔

میرے اس ارادہ کو اس وقت اور تقویت پہنچی جب حضرت العلامہ مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خط ملا، جو حقیقت پر مبنی ہے۔

ف سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت اس ناچیز پر برابر رہی۔ افسوس ۲۲ اور ۲۳ نومبر ۵۳ء کی درمیانی شب میں آپ کا بمقام کراچی وصال ہوگیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اللہ تعالےٰ بال بال آپ کی مغفرت فرمائیں اور قیامت تک رحمتِ الٰہی کی بارش آپ کی تربت کو سیراب کرتی رہے ۔ ۱۲ منہ

"آپ کا مضمون "نظام عفت"۔ برہان میں نہیں پڑھا یہ پرچہ میرے پاس نہیں آتا۔ بہرحال جو کچھ ہو سکے موجب اجر ہے۔ آجکل ایمان کے بعد جو چیز برباد ہوتی نظر آتی ہے وہ عصمت ہی ہے اس لئے اس کی حفاظت کی خاطر جو کچھ کیا جاوے وہ عین مطلوب و ماجور ہے۔"

بہرحال خدا پر بھروسہ کر کے میں نے کام شروع کر دیا، اس سلسلہ میں مجھے کافی محنت کرنی پڑی۔ بڑی مصیبت یہ پیش آئی کہ یہاں کتابیں نہیں — گنی چنی کتابوں سے کیا ہوتا ہے، مگر اللہ کا شکر ہے اِدھر اُدھر سے کچھ کتابیں فراہم ہوگئیں اور کام جاری رہا۔ اور اس طرح الحمدللہ وہ دن بھی آیا کہ جو کام نہایت پریشانی اور کس مپرسی کے عالم میں شروع کیا گیا تھا، حسن و خوبی کے ساتھ اختتام کو پہنچا۔

تکمیل کے بعد پہلے یہ مسودہ اپنے صوبہ کے نائب امیر شریعت حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی مدظلہ، کی خدمت میں پیش کیا، مولانا موصوف پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور بعض ضروری مشوروں سے مستفید فرمایا۔ وہاں سے آکر میں نے یہ پورا مسودہ اپنے مربی خاص حضرت علامہ گیلانی مدظلہ، کی خدمت میں اصلاح کی غرض سے بھیج دیا۔

للہ الحمد! کہ علامہ محترم نے اسے نوازا اور مسودہ کے دو تہائی حصہ کا ایک ایک لفظ پڑھا اور اپنے قلم سے اصلاح فرمائی اور بقیہ تہائی حصہ کو سرسری پڑھا اور جگہ جگہ اپنا مشورہ لکھ کر واپس کر دیا۔ خود تحریر فرماتے ہیں:

"میں نے خاص طور پر مسلسل تین چار دن آپ کے مسودہ

کو بخود دیکھا، اور مناسب مقامات پر کچھ ضرورت اگر
محسوس ہوئی تو حسبِ اجازت ردّ و بدل بھی کر دیا۔"

اس ساری تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ ان مراحل سے گزرنے کے بعد اطمینان سے کہا جا سکتا ہے کہ حقیر مؤلف نے اپنی کدو کاوش کی حد تک کوئی کوتاہی نہیں کی ہے۔ ہاں اس کا اعتراف ہے کہ کتاب کسی کتب خانہ میں بیٹھ کر مرتب نہیں کی گئی ہے۔ کامیابی رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔

دُعا ہے اللہ تعالٰے یہ حقیر خدمت قبول فرمائیں اور مؤلف کے لئے زادِ آخرت بنائیں، خدا کرے مسلمان اور دوسرے حضرات اس کتاب کو پڑھیں، اور مستفید ہوں۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ؕ

اخیر میں اخی المکرم حضرت الاستاذ مولانا عبد الرحمٰن صاحب مدظلہ کی خدمت میں حسنِ عقیدت پیش کرتا ہوں جن کی تعلیم و تربیت اور دعا نے آدمی بنایا۔

۶ر دسمبر ۱۹۵۳ء

محمد ظفیر الدین غفرلہ
صالح منزل
دار العلوم معینیہ، سانحہ ضلع مونگیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

انسان مجموعہ اضداد ہے۔ خیر و شر، محبت و عداوت اور ملکیت و شیطنت دونوں پہلوؤں کا حامل ہے۔ انسانی صلاحیتوں کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ اسے خلیفۃ اللہ فی الارض کا شرف بھی حاصل ہے اور انسانوں میں سے ہی وہ برگزیدہ ہستیاں منصۂ شہود پر آئیں، جنہیں ہم انبیاء و رسل (علیہم السلام) کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور وہ بھی آدم ہی کے گھرانے کے بچے تھے جو ہامان و شداد، فرعون و نمرود بن کر وہ سب کچھ کرتے رہے جس کے خیال سے آج بھی ہم کانپ اٹھتے ہیں۔

رحمتِ الٰہی

مگر رب العالمین کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اسکی رحمت کا ہاتھ ہمیشہ بڑھتا رہا اور ہر زمانہ میں غیب سے کچھ ایسے ساز و سامان مہیا ہوتے رہے جن سے بگاڑ، سنوار اور فساد، صلاح کی شکل اختیار کرتا رہا۔ اس سلسلہ میں خاتم المرسلین رسول رب العالمین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو رحمۃ اللعالمین بنا کر ارحم الراحمین نے انسانی نسلوں کے درمیان لا کھڑا کیا، اور خالقِ کائنات کیطرف سے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔" کا اعلان کر کے قرآن آخری دستور العمل کی حیثیت سے

بنی آدم کے سپرد کیا گیا۔ جو انسانی زندگی کے لئے ہمہ گیر جامع نظامِ حیات پر مشتمل ہے۔ کوئی شعبہ آدمی کی زندگی کا ایسا نہیں جس کے متعلق اس کتاب میں راہ نمائی نہ کی گئی ہو۔ دوسرے مسائل ومباحث سے اس وقت بحث نہیں ہے، بلکہ کہنا چاہتا ہوں:

نظامِ نسلِ انسانی

کہ کائنات انسانی کی بقا اور اس کے تحفظ کے لئے رب العزت نے توالد و تناسل کا سلسلہ جو جاری کیا، مرد اور عورت کے نام سے دو جنس پیدا کیں، باہم دونوں میں جذب وکشش کے فطری جذبات ودیعت کئے گئے۔ ہر صنف میں دوسری صنف کی طلب کا تقاضا محفوظ کیا گیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان میں ہر ایک دوسرے کو اپنی تسکین کا ذریعہ سمجھنے پر مجبور ہے اور یہ ایک واقعہ ہے۔ ہر ایک کی زندگی دوسرے کے بغیر نامکمل اور ادھوری بن کر رہ جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مرد، کامل مرد رہتے ہوئے، عورت سے بے نیاز نہیں ہوسکتا اسی طرح، عورت، عورت کے لباس میں رہتے ہوئے، مرد کے بغیر زندگی مطمئن نہیں گزار سکتی۔ مگر انسان جلد باز اور عجلت پسند واقع ہوا ہے۔ اس نے زندگی کے اس اجتماعی شعبہ میں بھی افراط وتفریط پیدا کی اور جنسی خواہشوں کی راہوں میں بھی ان قدرتی نشان زدہ حدود سے ہٹتا رہا۔ جن سے تجاوز میں خود انسانیت اور انسانی نسلوں کی بربادی تھی۔

پس اسلام نے جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں میں فطرت کے حدود پر انسانیت کو کھینچ کھینچ کر پہنچایا، وہیں جنسی میلان کی راہوں میں بھی اعتدال کا جو فطری وطبعی نقطہ ہوسکتا تھا اس پر چاہا کہ حدود سے ہٹنے والوں کو واپس کیا جائے۔ آئین وقوانین کا ایک مستقل ضابطہ ہی اس سلسلہ میں عطا کیا گیا ہے۔

ہم ایک خاص رنگ میں اسی "ضابطہ حیات" کو آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں کہ جن دلوں میں اللہ تعالیٰ کا ڈر، اپنے رسول کی عظمت اور آخرت کا خوف ہوگا، ان کی اصلاح کا ذریعہ یہ معروضات بن جائیں

اسلام سے پہلے عورتوں کی حیثیت
اور اُن کی
عفت و عصمت کی بربادی!

واقعہ یہ ہے کہ اسلام" کے جس زمانہ میں اس شعبۂ زندگی کے آئینی دفعات کو لوگوں کے سامنے رکھا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ رشتہ ازدواج کا جو بنیادی مقصد تھا، وہ بھلایا جا چکا تھا۔ سکون اور آسودگی کی اس کیفیت سے قلوب خالی ہو چکے تھے جو زن و شو کو ایک حقیقت بنا دیتی ہے۔ باہمی محبت و رافت کا وہ حال ختم ہو چکا تھا۔ جس سے دو خاندانوں اور دو جانوں میں یگانگت اور تعاون کا جذبہ پروان چڑھتا ہے اور نہ کوئی اور نیک اثر اس رشتہ کا باقی رہ گیا تھا۔ اللہ اللہ ازدواجی ہنگامہ آرائیوں کی "روح" عفت و عصمت" تک ایک بے قیمت چیز ہو چکی تھی۔ چھلکے رہ گئے تھے، مغز غائب ہو چکا تھا۔

عورتوں کی مظلومیّت!

ہر جگہ صنف نازک (عورتیں)، مردوں کے ظلم و جور کی شکار بنی ہوئی تھیں۔ مرد، مرد نہیں۔ بلکہ نازک و کمزور صنف کے مقابلہ میں جنگل کا درندہ تھا۔ کرۂ

زمین کی انسانی بستیوں کا یہ عام حادثہ تھا۔ اس سلسلہ میں شائستہ وناشائستہ متمدن وغیر متمدن اقوام وافراد میں سچ پوچھئے تو چنداں فرق باقی نہ رہا تھا — چوپاؤں اور گھر کے دوسرے سامانوں کی طرح عورتیں خریدی اور بیچی جانے لگیں۔ مرد عورت پر اپنی نفسانی خواہشوں کے لئے جبر وتشدد پر اتر آیا۔ حد یہ ہے — کہ عورتوں کو بدکاری کے پیشہ تک اختیار کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا، یعنی اپنی ہوس رانیوں کا ذریعہ بنانے کے ساتھ زر کشی کا ذریعہ بھی مردوں نے ان غریب عورتوں کو بنالیا تھا۔

جاہلیت میں عورتیں انسان اور حیوانات کے درمیان ایک مخلوق سمجھی جانے لگی تھی، جن کا مقصد نسلِ انسانی کی ترقی اور مرد کی خدمت کرنا تھا، اور یہی وجہ تھی کہ لڑکیوں کی پیدائش باعث ننگ وعار تھی، پیدا ہونے کے ساتھ ان کو زندہ درگور کر دینا، اسی کو بعضوں نے اپنی شرافت وافتخار کا اقتضاء قرار دے رکھا تھا، جاہلیت کی تاریخ کے اس خاص حصہ کے متعلق قرآن ہی سے جو معلومات حاصل ہوتے ہیں عبرت کے لئے تو وہی کافی ووافی ہیں۔

بچیوں کی پیدائش کا باپ پر اثر

باپ کے دل میں لڑکی کی ولادت کی خبر جس اثر کو پیدا کرتی تھی۔ قرآن میں اسی کی اطلاع ان الفاظ میں دی گئی ہے :-

اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ	ان میں سے جب کسی کو بیٹی پیدا
بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ	ہونے کی خبر دی جائے تو سارے
مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ	دن اسکا چہرہ بے رونق رہے،
يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ	اور دل ہی دل میں گھٹتا رہے۔

مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ	جس (تولد دختر) کی خبر دی گئی ہے اسکی
بِهٖ أَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ	عار سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرے
اَمْ يَدُسُّهٗ فِي	(اور اس سوچ میں پڑ جائے کہ) ذلت
التُّرَابِ.	برداشت کر کے اسکو رکھے یا مٹی میں
(النحل - ۷)	گاڑ دے (تاکہ ذلت سے نجات ملے)

اجمالاً اسی کا اعادہ دوسری جگہ باین الفاظ کیا گیا ہے :

اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ	"ان میں سے جب کسی کو اس چیز کی
بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ	خبر دی جائے جسکو وہ اللہ تعالےٰ
مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ	سے مخصوص کرتا ہے تو سارے دن
مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ	اسکا چہرہ بے رونق رہے اور دل ہی
(زخرف - ۲)	دل میں گھٹتا رہے۔"

جاہلی ذہنیت کی بوالعجبیوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن ہی میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک طرف فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بھی جاہلیت والے مانتے تھے۔ یعنی مقدس دیویوں" کا عقیدہ بھی ان میں پایا جاتا تھا، اور دوسری طرف ان میں ہر ایک لڑکیوں کے باپ بننے کی ذلت کو برداشت کرنے کے لئے بھی تیار نہ تھا۔

اسی "فرضی تضاد" کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن میں پوچھا گیا ہے :

اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ	"کیا تمہارے رب نے تم کو
بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ	بیٹوں کے ساتھ خاص کیا ہے
الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا اِنَّكُمْ	اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنایا ہے
لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا	بے شک تم بڑی سخت بات کہتے
(بنی اسرائیل - ۴)	ہو۔"

اور خبر کے رنگ میں اسی کو ان الفاظ میں بھی بیان کیا گیا ہے:

یَجْعَلُوْنَ لِلّٰہِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَہٗ وَلَھُمْ مَّا یَشْتَھُوْنَ۔	"اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اپنے لئے چاہتی چیز" (النحل — ۷)

بچیوں کا بے رحمانہ قتل!

یہ احساس تھا جاہلیت میں غریب لڑکیوں کے متعلق، پھر کون سا تعجب ہے اگر اکثر لوگ اس ذلت سے بچنے کے لئے بچیوں کو مار ڈالتے ہوں — انہی سنگ دلوں کیطرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَۃُ سُئِلَتْ، بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ۔ (التکویر — ۱)	"اور جسوقت لڑکی سے جو زندہ درگور کر دی گئی تھی، پوچھا جائیگا کہ وہ کس قصور کے بدلے مار ڈالی گئی"۔

علاوہ ذلت و رسوائی کے قرآن ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے — کہ معاشی دشواریوں کا غلط احساس بھی "قتلِ اولاد" کے جرم کا لوگوں کو مجرم بنائے ہوئے تھا۔ اسی کیطرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن میں حکم دیا گیا:

لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَ اِیَّاھُمْ۔ (الانعام — ۱۹)	"اپنی اولاد کو ناداری کی وجہ سے قتل نہ کرو، ہم تم کو بھی رزق دیتے ہیں، اور ان کو بھی"۔
وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُھُمْ وَاِیَّاکُمْ اِنَّ قَتْلَھُمْ کَانَ	"اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل نہ کرو کیونکہ ہم اُن کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۔ بیشک

خطئاً کبیراً۔ (بنی اسرائیل) ان کا قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے"

کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہی غیر فطری حرکات کی وجہ سے عورتوں کی تعداد جاہلیت میں گھٹتے ہوئے اس حد کو پہنچ گئی تھی، جو حال ہندوستان کی بعض قوموں میں "دختر کشی" کی ظالمانہ رسم نے پیدا کر دی ہے یعنی بھاری بھاری قیمتیں ایک ایک عورت کی ان کو ادا کرنی پڑتی ہیں، اور یوں "نسوانی وجود" کو ان میں بھی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے، جیسے عرب جاہلیت کی بعض روایتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ "بیوی" کو بڑی قدر کی نگاہ سے وہ دیکھتے تھے لیکن اس کا مطلب وہی تھا کہ اس کے حاصل کرنے میں کافی قیمت صرف کرنی پڑتی تھی۔

عفت وعصمت کی بربادی

مگر جاہلیت کے جس دور کے لوگوں پر قرآن میں اس حکم کے نافذ کرنیکی ضرورت ہوئی یعنی:

لَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى	اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو،
الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا	بالخصوص اس وقت جبکہ وہ
لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ	پاک دامن رہنا چاہیں (سوچو تو یہ
الدُّنْيَا۔	صرف اس لئے کہ) تم کو دنیوی
(نور۔۴)	زندگی کا کچھ فائدہ حاصل ہو جائے"

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ "نسوانیت" کا مقام ان کی نظروں میں کیا تھا ؟
بخاری کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت میں عورتیں رہن بھی رکھی جاتی تھیں۔ محمد بن مسلمہؓ کہتے ہیں کہ میں جب کعب بن الاشرف کے یہاں گیا

اور غلّہ قرض دینے کی درخواست کی۔ تو اس نے کہا:

قال ارھنونی نساءکم	"اس نے کہا تم اپنی عورتیں میرے
قالوا کیف نرھنک	پاس گروی کردو، ان (قرض طلب
نساءنا وانت اجمل	کرنیوالوں) نے کہا، آپکے یہاں ہم
العرب۔	اپنی عورتیں کیسے گروی کرسکتے ہیں جبکہ
(بخاری باب قتل کعب بن الاشرف)	آپ عرب میں سب سے خوبصورت ہیں"

اس واقعہ سے بھی اندازہ لگائیے کہ عورتیں کتنی مظلوم تھیں، اور ان کی عصمت کتنی سستی خیال کی جاتی تھی۔ جاہلیت میں نکاح کا نام تو ضرور تھا، مگر اس کی حالت کیا تھی، کہنا چاہیئے، اس کی اکثر صورتیں زنا کی تھیں — ورنہ اتنی بات تو بہرحال ہے کہ عورت کی عصمت و عفت کی کوئی قدر نہ تھی۔

جاہلیت کے نکاح

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ بیان کرتی ہیں کہ جاہلیت میں نکاح کی چار صورتیں ہیں:

۱۔ ایک طریقہ تو یہی تھا جو آجکل رائج ہے۔

۲۔ اپنی منکوحہ بیوی سے مرد کہتا کہ حیض کا خون جب تر ابند ہو جائے تو پاکی حاصل کرنے کے بعد تو فلاں مرد کے پاس چلی جا، اور اس سے فائدہ حاصل کر، یعنی اس غیر مرد سے ہم بستر ہو اور اتنی مدت شوہر اپنی اس عورت سے علیحدہ رہتا، جب تک اس کی عورت کو غیر مرد کا حمل ظاہر نہ ہو جاتا، چنانچہ جب غیر مرد کا حمل نمودار ہو جاتا۔ اب اگر شوہر کی خواہش ہوتی تو اپنی بیوی کے پاس جاتا، ایسا جاہلیت میں اس لئے کرتے تھے کہ لڑکا نجیب ہو، اس کو

اس کو "نکاح استبضاع" کہا جاتا تھا - گویا تخم حاصل کرنے کا یہ ایک طریقہ تھا

۳- تیسری شکل یہ تھی کہ ایک عورت کے پاس متعدد مرد آتے اور لطف اندوز ہوتے - مگر ان کی تعداد دس سے کم ہوتی - عورت کو جب حمل ظاہر ہوتا، بچہ پیدا ہوتا اور پیدا ہوتے کچھ دن گزر جاتے، تو یہ عورت ان تمام مردوں کو قاصد کے ذریعہ بلا بھیجتی، کوئی انکار کی جرأت نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ جب سب جمع ہو جاتے — یہ عورت کہتی، تم اپنے معاملہ سے واقف ہو کہ میرے پاس وطی کے لئے آیا کرتے تھے — میرے بچہ پیدا ہوا ہے! یہ تمہارا بچہ ہے تم اپنی پسند سے اس کا کوئی نام رکھو، چنانچہ یہ لڑکا اس شخص کا ہو جاتا جس کا عورت نام لیتی - مرد انکار نہیں کر سکتا تھا -

۴- کچھ عورتیں ایسی تھیں جنکے دروازوں پر جھنڈے گڑے رہتے — یہ بازاری پیشہ ور عورتیں تھیں - جسکا جی چاہتا — ان کے پاس جاتا - جب ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا، تو تمام لطف اندوز ہونے والے جمع ہوتے اور قیافہ شناس بلایا جاتا اور وہ اپنے علم پر جانچ کر اس بچہ کو ان مردوں میں جس کا کہہ دیتا - وہ بچہ اسی کا ہو جاتا — مرد انکار نہیں کر سکتا تھا -

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ ان صورتوں کو بیان کر کے فرماتی ہیں کہ تمام ناجائز صورتوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بند کیا -

فلما بعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالحق ھدم نکاح الجاھلیۃ کلہ الا نکاح الناس الیوم -	"محمد رسول اللہ صلعم جب حق لیکر مبعوث ہوئے تو آپ نے جاہلی نکاحوں کو بند کیا - صرف اس نکاح کو باقی رکھا جو آج رائج ہے"

(بخاری مصری کتاب النکاح ج ۴ ص ۱۶۵)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت میں عورتوں کی عصمت وعفت اپنی قدرتی قدروقیمت سے محروم ہو چکی تھی، جہاں اپنی رضامندی سے شوہر ہی اپنی بیویوں کو اجنبی مردوں سے تخم حاصل کرنے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ اسی سے اندازہ کیجئے کہ عورت اور اس کی عفت وعصمت کے متعلق جاہلی احساسات — دنارت و رذالت کے کن حدود تک پہنچ چکے تھے۔ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد یہ سمجھتا تھا کہ عورت مہر کے عوض میرے ہاتھ بک گئی اور یہی وجہ تھی کہ شوہر کے مرنے کے بعد وہ مال متروکہ بن جاتی تھی۔

نسوانی ناموس کا حشر غیر اقوام میں

یہ تو آپ نے جاہلیت کی ظلمت میں عرب کا حال دیکھا، اب بتانا یہ ہے۔ کہ عرب سے باہر عورتوں کے ساتھ اور ان کی عفت وعصمت کے ساتھ کیا سلوک برتا جاتا تھا، اس سلسلہ میں ایک مشہور غیر مسلم ڈاکٹر گستاؤلی بان کی شہادت ملاحظہ فرمائیے:

"یونانی عموماً عورتوں کو ایک کم درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے ..... اگر کسی عورت کا بچہ خلافِ فطرت پیدا ہوتا تو اس کو مار ڈالتے تھے" [1]

"اسپارٹا میں اس بدنصیب عورت کو جس سے کسی قومی سپاہی کے پیدا ہونے کی امید نہ ہوتی، مار ڈالتے تھے، جب وقت کسی عورت کے بچہ ہو چکتا تھا — تو فوائد ملکی کی غرض سے اُسے (عورت کو) دوسرے

[1] تمدن عرب صـ ۳۶۲

شخص کی نسل لینے کے لئے اس کے خاوند سے عاریتاً

لے لینے"۔ [۲]

یونانی اپنے اعلیٰ سے اعلیٰ تمدن کے زمانہ میں بھی

بجز طواف کے کسی عورت کی قدر نہیں کرتے تھے"[۳]

"عہدِ قدیم" کے باب واعظ میں لکھا ہے :

" جو کوئی خدا کا پیارا ہے وہ اپنے کو عورت سے بچائے

گا - ہزار آدمیوں میں سے میں نے ایک پیارا پایا

ہے ۔ لیکن تمام عالم کی عورتوں میں ایک عورت

بھی ایسی نہیں پائی جو خدا کی پیاری ہوتی"[۴]

روم میں :

" مرد کی حکومت اپنی بیوی پر جابرانہ تھی .... جس کا

معاشرت میں کوئی حصہ نہ تھا اور شوہر کو پورا حق

اس کی جان پر بھی حاصل تھا ، اور یہی حال یونان

کا تھا"[۵]

یہودی قانون

توریت استثناء باب ۲۵ نمبر ۵ تا ۱۰ میں ہے :-

" اگر دو بھائی یکجا رہتے ہوں اور ان میں سے ایک

بے اولاد مر جائے تو اس متوفی کی بیوی کا بیاہ

کسی اجنبی سے نہ کیا جائے بلکہ اس کے شوہر کا

[۲] ایضاً ص ۳۷۳ [۳] ایضاً [۴] ایضاً [۵] ایضاً -

بھائی اس سے خلوت کرے اور اسے اپنی بیوی بنائے اور بھاوج کا حق اُسے ادا کرے اور یوں ہوگا کہ پہلوٹھا جو اس سے پیدا ہو، تو اس کے متوفی بھائی کے نام کا شمار ہوگا، تاکہ اس کا نام اسرائیل سے نہ مٹ جائے۔ اگر یہ شوہر بننے سے انکار کرے تو اس کے بھائی کی بیوی ججوں کے سامنے۔ اس کے نزدیک اپنے پاؤں کی جوتی نکالے اور اس کے منہ پر تھوک دے اور جواب دے اور کہے کہ اس شخص کے ساتھ جو اپنے بھائی کا گھر نہ بنائے گا، یہی کیا جائے گا، اور اسرائیل میں اس کا نام یہ رکھا جائے کہ یہ اس شخص کا گھر ہے جس کا جوتا نکالا گیا۔"[1]

کتاب مقدس میں لکھا ہے:

"عورت موت سے زیادہ تلخ ہے"[2]

ہندو قانون

ہندوؤں کے قانون میں عورت اور اس کی عصمت وعفت کی کیا قدر تھی۔ اس سلسلہ میں پہلے "ستیارتھ پرکاش" مصنفہ سوامی دیانند سرسوتی جی مہاراج کے یہ اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

" بیاہ آٹھ قسم کا ہوتا ہے: ایک براہم، دوسرا دیو،

---

[1] حاشیہ اسلام کے سیاسی نظریئے ج ا ص ۲۱۸ [2] تمدن عرب ص ۳۰۳

تیسرا آرش، چوتھا پرجاپت، پانچواں آسُر، چھٹا گاندھرب،
ساتواں راکشش، آٹھواں پیشاچ۔

ان بیاہوں کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ دولہا دلہن کامل برہمچاری، پورے فاضل دھارمک اور نیک سیرت ہوں ان کا باہم رضامندی سے بیاہ ہونا "براہم" کہا جاتا ہے۔

۲۔ بڑے یگ میں عمدہ طور پر یگیہ کرتے ہوئے داماد کو زیور پہنی ہوئی لڑکی دینا "دیو"۔

۳۔ دولہا سے کچھ لے کر وواہ ہونا "آرش"

۴۔ دونوں کا وواہ دھرم کی ترقی کے لئے ہونا "پرجاپت"

۵۔ دولہا دلہن کو کچھ دے کر بیاہ کرنا "آسُر"

۶۔ بے قاعدہ، بے موقع کسی وجہ سے دولہا دلہن کا باہمرضی میل ہونا "گاندھرب"

۷۔ لڑائی کر کے جبراً یعنی چھین جھپٹ کر یا فریب سے لڑکی حاصل کرنا — "راکشش"

۸۔ سوئی ہوئی یا شراب وغیرہ پی کر بے ہوش ہوئی، یا پاگل لڑکی سے بالجبر ہمبستر ہونا "پیشاچ" بیاہ کہلاتا ہے۔[۱]

خاندان کی یا چند بھائیوں کی مشترکہ بیوی کا رواج ہندوستان قدیم کا ایک جانا پہچانا رواج ہے[۲] منوسمرتی ادھیائے ۹ نمبر ۵۹ کا خلاصہ یہ ہے:

برہمنوں کے یہاں نیوگ کا رواج ہے کہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں خسر وغیرہ کے حکم کو پاکر عورت رشتہ دار سے، یا دیور سے اولاد حسب دلخواہ حاصل کرے۔[۳]

۱؎ ستیارتھ پرکاش باب ۴ ص ۱۱۷/۱۱۸ ۲؎ تمدن عرب صفحہ ۳۶۸ ۳؎ حاشیہ اسلام کے معاشی نظریے صفحہ ۲۱۸

"ستیارتھ پرکاش" میں ہے:

"بانجھ عورت ہو تو آٹھویں برس (بیاہ سے آٹھ برس تک عورت کو حمل نہ ٹھہرے) اور ہو کر مر جائے تو دسویں برس جب جب اولاد ہو، تب تب لڑکیاں ہی ہوں لڑکے نہ ہوں تو گیارھویں برس تک اور جو بدکلام ہونے والی ہو تو جلدی ہی اس عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کرے۔"[1]

"ایسے ہی اگر مرد نہایت تکلیف دہندہ ہو تو عورت کو چاہئے کہ اس کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کر کے اسی بیاہے خاوند کی وارث اولاد کرے۔"[2]

جب خاوند اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو، تب اپنی عورت کو اجازت دے کہ:

"اے نیک بخت اولاد کی خواہش کرنے والی عورت! تو مجھ سے علاوہ دوسرے خاوند کی خواہش کر، کیونکہ اب مجھ سے اولاد نہ ہو سکے گی۔ تب عورت دوسرے کے ساتھ نیوگ کر کے اولاد پیدا کرے، لیکن اس بیاہے عالی حوصلہ خاوند کی خدمت میں کمربستہ رہے — ویسے ہی عورت بھی جب بیماری وغیرہ میں پھنس کر اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو تب اپنے خاوند کو اجازت دے

---

[1] ستیارتھ پرکاش باب۴ ص ۱۵۲، ۱۵۳ [2] ایضاً

"..... کسی دوسری بیوہ عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کیجئے"[1]

نیوگ کے اور بھی بیسیوں مواقع اس کتاب میں مذکور ہیں — یہ تو شادی بیاہ کا حال تھا۔ اب عورت کی ذات کے متعلق بھی سنیئے:

"ہندوؤں کا قانون کہتا ہے: تقدیر، طوفان، موت، جہنم زہر، زہریلے سانپ ان میں سے کوئی اس قدر خراب نہیں جتنی عورت"[2]

"منو کا قانون کہتا ہے: عورت صغر سنی میں باپ کی مطیع ہے۔ جوانی میں شوہر کی اور شوہر کے بعد اپنے بیٹوں کی اور اگر بیٹے نہ ہوں تو اپنے اقربا کی، کیونکہ کوئی عورت ہرگز اس لائق نہیں کہ خود مختار طور پر زندگی بسر کر سکے"[3]

ظہورِ اسلام سے پہلے ہندوستانی مقنن قدیم نے اس بے اعتباری کو صاف ظاہر کیا ہے کہ کسی عورت کو زانیہ کہنے کے لئے اس قدر کافی ہے کہ وہ کسی مرد کے ساتھ اتنی دیر علیحدہ رہی ہو، جتنی دیر میں انڈا تلا جا سکتا ہے۔[4]

مسیحی قانون

ترتولیان مسیحیت کے ابتدائی دور کا امام ہے، وہ مسیحی تصور کی ترجمانی ان لفظوں میں کرتا ہے:

"وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے۔ وہ شجرِ ممنوع کی طرف لے جانے والی، خدا کے قانون کو توڑنے والی۔

---

[1] ستیارتھ پرکاش باب ۴ ص ۱۵۲-۱۵۳ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] تمدن عرب ص ۲۷۲

اور خدا کی تصویر، مرد کو غارت کرنے والی ہے[۱]"

کرائی سوسٹم جو ایک بڑا مسیحی امام شمار کیا جاتا ہے، عورت کے حق میں کہتا ہے :

" ایک ناگزیر برائی، ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت، ایک خانگی خطرہ، ایک غارت گر دلربائی اور ایک آراستہ مصیبت ہے[۲]"

عورتوں سے متعلق مروجہ فقرے

عورتوں کے متعلق مختلف ملکوں میں جو مروجہ مثالی فقرے ہیں ان سے بھی عورتوں کی قدر و منزلت پر روشنی پڑتی ہے :

روسی مثل ہے : " دس عورتوں میں ایک روح ہوتی ہے "

اطالیوں کا قول ہے :

" گھوڑا اچھا ہو یا برا — اسے مہمیز کی ضرورت ہے۔
عورت اچھی ہو یا بری اسے مار کی ضرورت ہے "

اسپینی زبان میں مثل ہے :

" بری عورت سے بچنا چاہیئے، مگر اچھی صورت پر کبھی بھروسہ نہ کرنا چاہیئے "۔[۳]

غیر مذاہب میں ازدواجی تعلقات

اسلام سے پہلے مرد اور عورت کے ازدواجی تعلق کو اخلاق و روح اور اسکی

---

[۱] پردہ از مولانا مودودی ص ۱۲ [۲] ایضاً [۳] دیکھیے تمدن عرب ص ۳۷۳

ترقی کے لئے رکاوٹ تسلیم کیا جاتا تھا۔ علامہ سیّد سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں اور حوالہ کے ساتھ لکھتے ہیں۔

"اسلام سے پہلے جو اخلاقی مذاہب تھے، ان سب میں عورت کو اور عورت و مرد کے ازدواجی تعلق کو بہت حد تک اخلاق و روح کی ترقی مدارج کے لئے لائق و مانع تسلیم کیا گیا تھا، ہندوستان میں بودھ، جین، ویدانت جوگ اور سادھوپن کے تمام پیرو اسی نظریئے کے پابند تھے، عیسائی مذہب میں تجرد اور عورت سے بے تعلقی ہی کمالِ روحانی کا ذریعہ تھا" [۱]

یہ سارے اقتباسات اس لئے نقل کرنے کی زحمت برداشت کی گئی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ عورتوں کی عزت و عصمت اور خود اُن کی ذات کے متعلق مذاہب وادیان کی ماننے والی امتوں کا حال کیا ہو گیا تھا۔

---

[۱] سیرت النبی جلد ششم صہ ۱۷۱

اِسلام کی اصلاحی جدوجہد

عورتوں کے حق میں

ان ہی گھنگھور گھٹاؤں میں اسلام کا آفتاب عالمتاب طلوع ہوا، اور اس نے اپنی نورانی کرنوں سے اس "ظلمت کدہ" دنیا کو "صبح سعادت" سے ہم آغوش کیا، پچھڑی ہوئی انسانیت خاک دھول سے اٹھائی گئی، سینہ سے لگائی گئی اور مظلوموں کو سر اٹھانے کا موقع ملا۔

افراط و تفریط ختم ہوئی، اعتدال کے فطری نقطہ پر اسلام نے انسانوں کو لاکر کھڑا کر دیا، جسکا جو حق تھا، وہی اسکو دیا گیا — جور و ستم کی چکیوں میں پسنے والی صنفِ نازک (عورت) کو بھی پوری قوت کے ساتھ اسلام نے اپنے دامن حمایت کے سایہ میں لیا، ناموسِ نسوانی کی قدر و قیمت کے سوال کو زندہ کیا گیا، اس راہ میں کسی قسم کی چشم پوشی روا نہ رکھی گئی، بدکاری اور بے آبروئی کے جتنے سر چشمے تھے، ایک ایک کر کے بند کیے گئے، ازدواجی تعلقات کے آئین و قانون حدود میں لاکر جنسی مَیلانات کو اعتدال و ضابطہ کا پابند بنایا گیا، اور نسلِ انسانی کے اضافہ کی صحت بخش طریقے نافذ کیے گئے، عائلی زندگی کو خوشگوار ماحول کے قالب میں ڈھالا گیا۔ بجائے لعنت کے عورت رحمت و سکینت کا مظہر ٹھہرائی گئی، ترکِ نکاح کی راہبانہ نظریہ کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے ازدواجی زندگی پر زور دیا گیا، اور اسے ضروری قرار دیا گیا۔

عورتوں کی حیثیت کا اعلان

پہلا "قرآنی مشورہ" نسوانی حقوق کے

سلسلہ میں جس کا اعلان کیا گیا، یہ تھا :

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ	"اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو،
الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ	جس نے تم سب کو ایک جاندار
نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا	سے پیدا کیا اور اسی جاندار سے
زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا	اس کا جوڑا پیدا کیا، اور ان دونوں
کَثِیْرًا وَّنِسَآءً (النساء:۱)	سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں"

حاصل جسکا یہی ہوا کہ مرد اور عورت ایک ہی سرچشمہ کی دو موجیں ہیں — "انسانیت" کی حد تک دونوں میں کمی و بیشی کے خیالات کا تعلق واقعہ سے نہیں بلکہ صرف وسوسہ سے ہے۔

اس آیت میں بھی حقیقت واشگاف کی گئی ہے کہ عورت جسکو مرد انسانیت سے خارج سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے از سرتاپا غلط ہے۔ ان دونوں کی ایک ہی جان سے پیدائش ہے اور پھر انہی سے مرد و عورت کی یہ بہتات ہے، عورت کوئی جداگانہ، الگ مخلوق نہیں۔ وہ بھی انسان ہی ہے جیسے مرد انسان ہیں — عورت و مرد دونوں کا منبع و مخرج ایک ہی ہے۔ پھر ان دونوں میں تفاوت ذاتی کیونکر ہو سکتا ہے، بلکہ اس نسبت سے ہر ایک کو دوسرے کی قربت پر فخر کرنا چاہیئے اور اپنے لئے باعث فخر و عزت سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ مشہور قرآنی آیت :

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ	"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک
مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَ	عورت سے پیدا کیا اور تمہاری
جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ	ذاتیں، برادریاں بنائیں۔ تاکہ تم
قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ	ایک دوسرے کو پہچان سکو، ورنہ

اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ   اللہ کے نزدیک تم میں بڑا شریف

(الحجرات۔ ۲۰)   وہی ہے جو تم میں بڑا پرہیز گار ہے۔"

سے جہاں دوسرے نتائج پیدا ہوتے ہیں، وہیں اس واقعہ کیطرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ کوئی مرد ایسا نہیں ہے جس کی پیدائش میں عورت کی شرکت نہ ہو، ایسا مرد جو صرف مرد ہی سے پیدا ہوا ہو۔ اُسکا دعوٰے کون کر سکتا ہے؟ پھر مرد کو کیا حق ہے کہ مردوں کو تو باعزت اور عورت کو حقیر و ذلیل سمجھے۔ انسانی جسم کی بناوٹ میں مرد کے ساتھ عورت کا حصہ بھی شریک ہے، بلکہ طبی تحقیقات سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ عورت ہی کا حصہ اس کی تعمیر میں زیادہ خرچ ہوتا ہے ۔ اللہ، اللہ۔! عورت جب ماں بنکر بچے کو اپنے پیٹ میں رکھتی ہے، پھر اُسے جنتی ہے پرورش کرتی ہے، دُودھ پلاتی ہے۔ ذرا سوچئے بھی تو کہ مرد اسکے مقابلہ میں "بچے" کے لئے کچھ بھی کرتا ہے؟ عورت ہی کے پیٹ میں ہم شکل و صورت پاتے ہیں، اس میں ہماری جان کا تعلق ہمارے جسد کے ساتھ قائم ہوا، بھلا اسی عورت کا وجود ننگ و عار بن جائے؟ کوئی بات ہو، عورت نے ہی اسوقت ہماری تربیت و پرداخت کی ہے۔ جب ہم میں چلنے پھرنے کی سکت نہ تھی، بولنے اور اپنی تکلیف و ضرورت بتانے کی طاقت نہ تھی، اسی نے ہمیں چلنے کی قوت عطا کی، بولنے کی صلاحیت بخشی اور اسی جنس نے سنِ شعور تک ہماری خدمات کیں۔ بایں ہمہ عورت ذلیل و حقیر ہوگئی؟ تف ہے اس عقل پر جو یہ سوچے، پھٹکار ہے اس زبان پر جو اس خیال کو ظاہر کرے، اور ملعون ہے جو اپنے دل میں اس قسم کے بے ہودہ وسوسوں کو پکارے۔

بہرحال یہ اور اسطرح کی دوسری قرآنی آیتوں میں اللہ تعالےٰ نے انسان کو یہی بتایا ہے کہ عورت باعث حقارت ہرگز نہیں ہے، ذاتی شرف و مکرمت

میں مرد سے کسی درجہ میں کم نہیں۔ لہذا عورتوں کو جانور کی طرح ناجائز استعمال کرنا، اور ان کے ناموس کو زرکشی کا آلہ بنالینا، انسانیت کی توہین اور آدمیت کی تحقیر کی بدترین شکل ہے۔

عورتوں کا مقصد

انسانیت میں کلی اشتراک کے باوجود، دونوں صنفی جنسوں کے اندر بعض عضوی اختلافات میں حکیم کی جو حکمتیں پوشیدہ ہیں، یوں بھی ان سے کوئی ناواقف نہیں ہے۔ ماسوا اس کے اپنی کاریگریوں کے بھید کو کاریگر جتنا زیادہ جانتا ہے جو کاریگر نہیں ہے وہ اس کی تہوں تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ صدق مولٰنا الکریم

لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	"آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ
یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ یَھَبُ لِمَنْ	تعالٰے ہی کی ہے جو چاہتا ہے پیدا
یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَھَبُ لِمَنْ	کرتا ہے۔ جسکو چاہتا ہے بیٹیاں
یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ ــــ اَوْ	عنایت کرتا ہے اور جسکو چاہتا ہے
یُزَوِّجُھُمْ ذُکْرَانًا وَّ	بیٹے عنایت کرتا ہے یا بیٹے، اور
اِنَاثًا وَیَجْعَلُ مَنْ	بیٹیاں دونوں قسم کی اولاد دیتا ہے
یَّشَآءُ عَقِیْمًا اِنَّہٗ عَلِیْمٌ	اور جس کو چاہتا ہے بانجھ بناتا ہے۔
قَدِیْرٌ۔ (شوریٰ - ۵)	بے شک وہ جاننے والا قدرت والا ہے"

پھر بچی کی پیدائش پر ناک بھوں چڑھانے کی ضرورت اور منہ بگاڑنے کا حاصل ــــ یہ تو انسان کی خام عقلی ہے کہ رحمت کو اس نے اپنے لئے زحمت خیال کر رکھا ہے۔ اگر یہ بچیاں بڑھ کر عورت نہ بنیں اور تمہاری شادیاں نہ ہوں ــــ تو بتایئے یہ بچے یہ تنومند لڑنے والے جوان کہاں سے آئیں۔ حضرت مریم علیہا

السّلام کی ماں نے جب منت مانی اور ان کے خلافِ توقع لڑکے کی جگہ بچی پیدا ہوئی تو حسرت سے کہنے لگیں :

قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰى "اے پروردگار! میں نے تو وہ حمل لڑکی جنی" (آل عمران - ۴۰)

پروردگار! یہ تو میرے بچی ہوئی ــــ میری مراد بر نہ آئی۔ جس مقدس کام کی منت مانی تھی اس میں تو لڑکے کا کام تھا، لڑکی قبول نہیں کی جاتی۔ رب العالمین نے ام مریم کی یہ حسرت بھری آواز سنی تو فرمایا :

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ "اس کو اللہ تعالٰے زیادہ جانتے ہیں
وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى۔ جو انھوں نے جنی، اور لڑکا اس لڑکی کے برابر نہیں ہو سکتا تھا" (آل عمران - ۴۰)

اللہ تعالٰے تم سے زیادہ علم رکھتا ہے اور وہ اپنے علم کے مطابق جانتا ہے کہ اس لڑکی کے برابر لڑکا نہیں ہو سکتا ہے۔ جو خیر و برکت اور جو خاندانی اعزاز اس لڑکی سے حاصل ہوگا، لڑکے سے نہیں ہو سکتا تھا۔ تم نے اپنی انسانی روش سے سوچا ــــ اور گھبرا گئیں۔ رب العالمین جو کام اس لڑکی کے ذریعہ لینے والا ہے، وہاں تک تمہاری رسائی نہ ہو سکی۔

مستقبل نے بتایا کہ مریم علیہا السلام کا وجود خود ام مریم کے اعزاز کے لئے اور دنیا کی فلاح و نجات کے لئے کتنا مبارک وجود ثابت ہوا۔ انہی مریم علیہا السلام سے عیسٰی رُوح اللہ (علیہ السلام) نے جنم لیا، اور بالآخر دنیا کو حق کا پیغام سنایا اور کتنوں کی نجات کا باعث ہوئے۔ حیرت ہوتی ہے کہ مسیح علیہ السلام کو جنم دینے والی عورت مسیح پر ایمان لانے والوں کی نگاہوں میں شیطان کے آنے کا راستہ، ناگزیر برائی وغیرہ وغیرہ کیسے ہو گئی؟

قتل کی روک تھام

پھر اسلام نے اگر لڑکیوں کے قتل سے روکا فقر و فاقہ کا خوف ان کے دل سے نکالا۔ "الرزاق" کی "قوت متین" پر اعتماد کا جذبہ پیدا کیا، اور اعلان کر دیا گیا کہ:

لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ (الانعام ۱۹)

"تم اپنی اولاد کو افلاس کے سبب سے قتل نہ کیا کرو، ہم ان کو اور تم کو رزق دیں گے۔"

لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيْرًا (اسراء ۴)

"تم اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل نہ کرو، ہم ان کو رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی، بے شک ان کا قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے۔"

ان آیتوں میں اللہ تعالےٰ نے قتل اولاد سے بالکلیہ روک دیا۔ لڑکا ہو، یا لڑکی کسی کا قتل شریعت نے جائز نہیں رکھا اور انسان کی اس جرأت کو برداشت نہ کیا۔ فقر و فاقہ کا موہوم خیال ان کے دل سے نکالا، اور یقین دلایا کہ رزق — اور روزی دینے کی ذمہ داری اللہ تعالےٰ پر ہے۔ موجودہ غربت میں تم سوچتے نہیں کہ کہاں سے کھاتے ہو، کس طرح تم کو روزی ملتی ہے؟ رب العزت روزی کا انتظام کر کے آئندہ نسلوں کو پیدا کرتے ہیں۔ علم و قدیر کے بجٹ (میزانیہ) میں گنجائش نہ ہو، اور لوگوں کو پیدا کرتا چلا جائے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ خدا، خدا نہیں — بلکہ کوئی بگڑا امیر، نواب یا راجہ ہے۔ جسکے خزانہ میں تنخواہ دینے کے لئے روپیہ نہیں مگر لوگوں کو نوکر رکھتا چلا جاتا ہے، براہِ راست "رزقی ضمانت" کا یہ لاہوتی وثیقہ جب نازل ہو چکا ہے کہ:

وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا۔ (ھود۔۱)

"جتنے زمین میں چلتے پھرتے ہیں، سب کی روزی اللہ تعالےٰ کے ذمہ ہے"

تواب اسکے بعد سوچنے والے جو کچھ سوچتے ہیں، خدا کا انکار ہی کر کے سوچتے ہیں!

لڑکیوں سے حسن سلوک کی ترغیب!

اسلام نے اتنا ہی کر کے نہیں چھوڑ دیا کہ عورت کو اسکا صحیح مقام عطا کیا لڑکیوں کا قتل بند کر دیا، اور رزق کا اندیشہ جو انسان کو کھائے جا رہا تھا، اللہ تعالےٰ پر بھروسہ کا سبق دے کر اس فکر سے کنارہ کش کر دیا، بلکہ جہاں موقعہ ہوتا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دیتے رہتے تھے!

رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:——

"جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے، یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ قیامت میں میرے ساتھ ہوگا اور اتنا قریب ہوگا جتنی آپس میں یہ انگلیاں نزدیک ہیں" اور آپ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر اشارہ فرمایا[1]"

حضرت عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہیں کہ:——

"ایک دن میرے پاس ایک عورت آئی جو اپنے ساتھ دو لڑکیوں کو بھی لئے ہوئے تھی۔ بے زیب و بے کس تھی، اس نے مجھ سے سوال کیا۔ میرے پاس صرف ایک چھوارا تھا، وہی مانگنے والی عورت کو دے دیا، اس نے چھوارے کے دو حصے کئے اور

---

[1] ریاض الصالحین للنووی عن المسلم ص ۱۴۶

آدھا آدھا دونوں بچیوں کو دے دیا۔ خود کچھ نہ کھایا، پھر وہ اٹھی اور چلی گئی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب اندر تشریف لائے تو مَیں نے یہ واقعہ آپؐ سے بیان کیا۔ سُنکر فرمایا: جو بھی ان لڑکیوں کیلئے تکلیف جھیلتا ہے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے ان کے لئے یہ لڑکیاں دوزخ کی آگ سے ڈھال بن جائینگی ۔[1]

یعنی دوزخ کی آگ لڑکیوں کی پرورش کرنے والوں کو نہ جلائے گی ———

مندرجہ بالا دلنشیں اندازِ بیان کو پڑھئے اور غور کیجئے: اسلام نے ان بچیوں کی پرورش اور اچھی پرورش و پرداخت کی کتنی ترغیب دی ہے اور انسان کو کتنے اچھے پیرائے میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضہ ایک دفعہ کا اور واقعہ بیان کرتی ہیں کہ ایک غریب عورت آئی اس کے ساتھ اس کی دو بچیاں بھی تھیں۔ اس مرتبہ مَیں نے اس عورت کو تین کھجوریں دیں۔ اس ماتا بھری ماں نے ایک ایک کھجور دونوں لڑکیوں کو دی، اور تیسری خود کھانے کے لئے اٹھائی۔ منہ تک لا چکی تھی کہ دونوں لڑکیوں نے پھر مانگا۔ اس عورت نے خود نہ کھائی اور اس کھجور کے دو ٹکڑے کئے جسے خود کھانا چاہ رہی تھی اور آدھی آدھی دونوں لڑکیوں کو دے دی،

حضرت عائشہ رضہ کہتی ہیں کہ اس کی یہ ادا مجھ کو بہت بھائی۔ رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو مَیں نے ممتا کی ماری ماں کا یہ اثر انگیز قصہ آپ سے بیان کیا، آپؐ نے فرمایا:

ان اللہ قد اوجب لھا   "ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے

---

[1] ریاض الصالحین عن البخاری و مسلم

بها الجنۃ واعتقہا بہا — اس عورت کے لئے جنت واجب
من النار۔ رواہ مسلم — کر دی اور ان بچیوں کی وجہ سے اسے
(ریاض الصالحین ص۱۴۷) — دوزخ سے آزاد کر دیا"

یہ شان تھی رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی — اور اسلام کی نظر میں، یہ عزت افزائی تھی عورتوں کی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اخیر اخیر تک یہ فرمایا: لوگو! خبردار ہو جاؤ، میں تم کو دو کمزوروں کے حقوق کی تاکید کرتا ہوں، اور اس میں کوتاہی کرنے سے ڈراتا ہوں — ایک یتیم دوسرے عورت[1]!

یہ سارا اہتمام اس لئے تھا کہ عورت کا ناموس، ان کی عزت و عفت محفوظ رہ سکے، سماج میں وہی مقام ان کو دلایا جائے جس کی قدرتی طور پر عورتوں کی صنفِ نازک مستحق تھی — لوگ ان کو گری پڑی چیز خیال نہ کریں۔ پھر خود رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے آکر بیان کیا تھا کہ

"جاہلیت میں میں نے دس لڑکیاں اپنے ہاتھوں سے زندہ دفن کی ہیں"

کسی نے کہا کہ:

"میں نے اپنی بچی کو بلایا۔ وہ ہنستی دوڑتی میرے ساتھ آئی اور جب ایک کوئیں کے پاس پہنچی تو میں نے ہاتھ پکڑ کر کنوئیں میں ڈال دیا وہ میرے ابا میرے ابا پکارتی رہی"

یہ سُنکر رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم اتنا روئے کہ ریشِ مبارک تر ہو گئی[2]

---

[1] ریاض الصالحین ص۱۴۷

[2] یہ دونوں واقعے تفصیل سے سیرۃ النبی جلد ششم میں بعنوان "اولاد کا حق" دیکھئے!

یہی وہ گواہیاں ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ جہان کے ہادی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مردوں ہی کے نہیں، بلکہ عورتوں کے بھی پیغمبر اور رسول ہیں۔ مردوں ہی کے لیے نہیں روتے تھے بلکہ عورتوں کی مظلومیت بھی آپ کو رلا دیتی تھی۔

میراث میں عورتوں کا حصہ

اور سچ تو یہ ہے کہ قرآن میں یہ اعلان کر کے:—

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔ (النساء۔ ۲)

"اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے میراث کے بارے میں کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں گو دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا اس مال کا جو مورث چھوڑ کر مرا ہے اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو نصف ملیگا۔"

عورت کو شاید پہلی دفعہ اس کا موقع دیا گیا کہ اپنے مملوکہ مال وجائیداد کی بدولت چاہے تو مردوں کی دستگیری کے بغیر ہی راحت و آرام کی زندگی بسر کر سکتی ہے۔

لڑکیاں جو اب تک میراث سے محروم تھیں ان کو اسلام نے میراث دی۔ غور فرمایئے: "للذکر مثل حظ الانثیین" لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر، محور لڑکی کو قرار دیا جا رہا ہے۔ پیمانہ لڑکے کا حصہ نہیں — لڑکی کا حصہ بن رہا ہے۔ اسلام نے لڑکیوں کو جب یہ حق دیا تو بہت لوگوں کو تعجب ہوا کہ ان لڑکیوں کو بھی حصہ ملیگا

جو جنگ نہیں کر سکتیں اور حصہ بھی اتنا زیادہ۔

مگر اسلام آیا ہی تھا دنیا میں حقداروں تک ان کے حقوق کو پہنچانے کے لئے — ظلم وجور کے قصروں کو ڈھانے کے لئے، اور اس دین کا منشا ہی تھا کہ — "ملکیت کا اقتدار مردوں ہی کا مخصوص امتیاز نہیں ہے بلکہ اس اقتدار میں عورت بھی — مرد کی شریک ہے۔

اس حقیقت کا اظہار قرآن میں بایں الفاظ بھی کیا گیا ہے :۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَ الْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا۔ (النسار - ۱)

"اس چیز میں جسکو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ کر مرجائیں مردوں کے لئے بھی حصہ ہے اور عورتوں کے لئے بھی - جو حصہ قطعی طور پر مقرر ہے، خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر !"

ماں کی حیثیت سے

عورت کسی قالب میں ہو : ماں ہو — بیٹی ہو — بیوی ہو — محض عورت ہونے کی وجہ سے ملکی اقتدار سے محروم نہیں ہوسکتی — ماں کا ذکر کر کے فرمایا گیا :

وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ وَلَدٌ وَّوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ

"میت کے ترکہ میں اگر میت کے کچھ اولاد ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا چھٹا ہے اور اگر اس میت کے کچھ اولاد نہ ہو اور اسکے ماں باپ ہی اسکے وارث ہوں، تو

اَلثُّلُثُ فَاِنْ كَانَ لَهٗ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ۔ (النساء-۲)	اس کی ماں کا ایک تہائی ہے اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہن ہوں تو اسکی ماں کو چھٹا حصہ ملیگا۔"

اس آیت میں جہاں باپ کو وارث قرار دیا گیا ہے، وہیں ماں بھی وارث قرار دی گئی ہے۔ کہیں تہائی حصہ اور کہیں چھٹا حصہ۔ مگر ایسا نہیں کیا کہ ماں چونکہ عورت ہے اس لئے وہ محروم الارث ہے اور حصہ پانے کی حقدار نہیں!

بیوی کی حیثیت سے

عورت نے لڑکی ہونے کی حیثیت سے بھی حصہ لیا۔ اور ماں ہونیکی حیثیت سے بھی حقدار ٹھہری — اب ملاحظہ کیجئے بیوی ہو کر بھی وہ حصہ پاتی ہے، یہاں بھی وہ محروم نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ	"اس ترکہ میں سے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اور ان کے کچھ اولاد نہ ہو تو تم کو آدھا ملیگا، اور اگر ان کے کچھ اولاد ہو تو تم کو ان کے ترکہ سے ایک چوتھائی ملے گا، بہرحال یہ میراث؛ وصیت کر گئی ہوں تو وصیت اور دین کی ادائیگی کے بعد ملے گی اور جبکو تم چھوڑ جاؤ اور تمہارے کوئی اولاد نہ ہو تو ان بیبیوں کو ترکہ کا چوتھائی ملے گا اور اگر تمہارے کچھ اولاد ہو تو ان کو تمہارے ترکہ میں

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ۔ (النسآء ۔ ۲)

آٹھواں حصہ ملے گا، مگر یہ میراث تمہاری وصیت پوری کرنے، اور دَین کی ادائیگی کے بعد ملے گی۔"

دیکھ رہے ہیں جیسے شوہر بیوی کا وارث گردانا گیا ہے ٹھیک اسی طرح بیوی کو بھی شوہر کا وارث قرار دیا گیا ہے ۔ کوئی نہیں ہے جو بیوی کو اس کے شوہر کے مال سے محروم کر دے ۔

عورت خسارہ میں نہیں !

اب رہا حصہ کی مقدار کا مسئلہ ، سو اگر غور کیا جائے تو حالات کے لحاظ سے بہ نسبت مرد کے عورتیں ہی نفع میں نظر آئیں گی ۔ میرا مطلب یہ ہے کہ بیوی بنکر کسی کے گھر جب جاتی ہے خواہ باپ کے گھر سے کچھ بھی لائی ہو — بڑی سے بڑی جائیداد کی مالکہ بنکر ہی شوہر کے گھر کیوں نہ آئی ہو ، لیکن باوجود اس کے بیوی اور بیوی سے پیدا ہونے والے بچوں کے سارے مصارف کا قانوناً و شرعاً شوہر ہی ذمہ دار ہے — ایسی صورت میں عورت کو جو بھی حصہ ملا اس کام کے لئے کافی ہے کہ خدانخواستہ کوئی صورت ایسی پیش آجائے کہ شوہر کی امداد سے وہ محروم ہو جائے ، تو اتفاقی حوادث کی ان صورتوں میں اپنے مال سے مستفید ہو سکتی ہے ۔ اگر غور کیا جائے تو روپیہ کی جگہ آٹھ آنے بھی اس نقطۂ نظر سے عورت کے لئے کافی و وافی ہیں — اور اسی قسم کی عمیق مصلحتیں آپ کو عورتوں کے دوسرے حصوں کے متعلق نظر آئینگی ۔

ماں کے رُوپ میں عورت کا احترام !

پھر ایک طریقہ سے اور عورتوں کی حرمت و عزت بڑھائی کہ اللہ تعالےٰ نے

ماں کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا اور اس کی محبت جو اولاد کے ساتھ ہوتی ہے اسکو جتایا اور قرآن پاک میں ماں باپ کے ساتھ صراحتہً یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ کبھی "ہوں اور اُف" تک نہ کہو۔ ظاہر اور باطن دونوں طرح ماں کی عزت کرو۔ زبان بھی نرم ہو اور قلب میں بھی جھکاؤ ہو[1]۔

رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً قرآنی اجمال کی تفصیل کر کر کے بتایا کرتے تھے، کبھی فرماتے کہ تمہاری ماں سب سے زیادہ تمہاری تعظیم و تکریم کی مستحق ہے[2]۔ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے، بغیر ماں باپ کی خوشنودی، جنت کا دروازہ تم پر واہ نہ ہوگا[3]۔ یہ اور اس طرح کی بیسیوں حدیثوں میں ماں کی غیر معمولی احترام و تکریم پر زور دیا گیا ہے۔

الغرض اسلام میں عورتوں کا صحیح مقام جب متعین کر دیا گیا اور گذشتہ غلط احساسات کی جگہ یہ ذہن نشین کرا دیا گیا کہ عورتوں کا کام صرف نسل افزائی اور مردوں کی فقط خدمت گزاری ہی نہیں ہے، بلکہ وہ بھی دنیا میں عروج اور قدر و منزلت کی اسی طرح مستحق ہے جیسے مرد، جس کی پوری تفصیل آپ کو فقہ کی کتابوں میں مل سکتی ہے میں نے صرف چند کلیاتی اشاروں کا بطور ضروری تمہید کے ذکر کر دیا۔ اصل مقصود جسے اس کتاب میں پیش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ "نسوانی ناموس" اور "عفت و عصمت" کی حفاظت و نگرانی کے سلسلہ میں جو ضوابط اسلام میں مقرر کئے گئے ہیں اور آئینی حدود میں لاکر مسلمانوں کی زندگی پر ان کی پابندی لازم کی گئی ہے، اسی مسئلہ پر تبصرہ کروں۔

---

[1] بنی اسرائیل : ۳ لا تقل لهما اف ولا تنهرهما وقل لهما قولاً کریما ۔ اس میں والدین کی عظمت کا بیان ہے [2] بخاری کتاب الآداب [3] ترمذی کتاب البر والصلہ

عورتوں کی عفت و عصمت کا تحفّظ اِسلام میں

اس نقطۂ نگاہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہ عورتوں کی عصمت اتنی اہم چیز ہے جس کا بدل دنیا کی بڑی سے بڑی دولت بھی نہیں بن سکتی۔ عفت و عصمت کی حفاظت کے لئے دولت صَرف ہو سکتی ہے نہ کہ حصولِ دولت کے لئے عورتوں کے ناموس کا فروخت کرنا جائز ہو سکتا ہے۔ الغرض جو ہماری "ماں"، "ہماری بیٹی" اور ہماری "بیوی" ہے العیاذ باللہ! اس کو بیسوا اور بازاری عورت بنا کر رسوا اور ذلیل ہونے پر وہی راضی ہو سکتا ہے۔ جو اپنی "انسانیت" اور انسانی حمیت و غیرت کا دیوالہ نکال چکا ہو۔

اِنسانیّت سوز رواج کا خاتمہ

جاہلیت کا یہ دستور کہ شوہر اپنی بیوی کو غیر مرد کے پاس عمدہ نسل لینے کے لئے بھیج دے۔ ایک عورت نو نو مردوں کو بیک وقت اپنے آپ کو استعمال کرنے کا موقع دے، اِن انسانیت سوز، حمیت گداز رواج کا خاتمہ جیسا کہ سن چکے — اسلام نے ہمیشہ کے لئے کر دیا۔ صدیقہ عائشہ رض کا بیان گزر ہی چکا ہے کہ:

فلما بعث محمد رسول	"محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	جب حق لے کر مبعوث ہوئے۔ تو
بالحق ھدم نکاح الجاھلیة	آپ نے جاہلیت کے کل نکاحوں
کلہ اِلا نکاح الناس	کی بنیاد ڈھا دی سوائے اس کے

نکاح الیوم ۔ (بخاری کتاب النکاح)   جو آجکل رائج ہے۔"

صرف انہی طریقوں کو نہیں روکا، بلکہ دوسرے ان تمام طریقوں کو بھی حرام قرار دے دیا جس سے عفت وعصمت پر زد پڑ سکتی تھی ــــ جس سے نسل اور میراث میں گڑبڑ پیدا ہوتی تھی، جس سے صلہ رحمی اور مروّت کی شہ رگ کٹتی تھی ــــ اور ان کو زنا کا نام دے کر لوگوں کو آگاہ کر دیا گیا اور قرآن ہی میں اعلان کیا گیا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ   "اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو،
كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ   بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے
سَبِيلًا۔ (اسراء ۔ ۴)   اور برا راستہ ہے"

زنا اور اُسکے مفاسد

یہ نہیں فرمایا کہ زنا نہ کرو، بلکہ فرمایا گیا:ــ زنا کے قریب بھی مت جانا ــ جسکا مطلب یہی ہے کہ زنا ہی نہیں بلکہ ہر وہ کام یا طریقہ جو زنا کے پہنچے تک پہنچانے والا ہو، سب ہی سے بچنے کا مطالبہ کیا گیا ہے اور اگر غور کیا جائے تو قرآن کے ان اجمالی الفاظ میں بعض لطیف اشارے بھی آپ کو مل سکتے ہیں۔ یعنی فطرت انسانی میں جو نفرت اور برائی کا احساس زنا کے متعلق پایا جاتا ہے اس کی طرف "فاحشۃ" کے لفظ سے ایما فرماتے ہوئے "ساء سبیلا" (برا ہے راہ کے اعتبار سے) کے الفاظ سے اگر سمجھا جائے تو یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اس سے نسب میں اختلاط اور گڑبڑ پیدا ہو جاتی ہے اور اسکا اثر میراث، مسائل حرمت، حقوق کی پامالی اور اخلاق پر پڑتا ہے اور سلسلہ بسلسلہ نہ معلوم یہ کہاں تک پہنچتا ہے ــ امام رازیؒ اس آیت کے ضمن میں زنا کے مفاسد کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

(۱) زنا سے نسب مختلط اور مشتبہ ہو جاتا ہے، آدمی یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا کہ زانیہ کی یہ اولاد کس مرد سے ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بچہ کی پرورش کا کوئی مرد بھی ذمہ دار نہیں بنتا، بچہ ضائع ہو جاتا ہے (یا خود ماں ایسے بچہ کو مار کر پھینک دیتی ہے) یا وہ غریب بچہ سرپرست نہ ہونے کی وجہ سے نتیجتاً تباہ و برباد ہو جاتا ہے — جو عالم کی ویرانی اور انقطاع نسل کا ذریعہ ہوتا ہے۔

(۲) زانیہ پر دسترس شرعی قانون میں کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی ہے، کیونکہ کسی کے ساتھ باضابطہ اس نے نکاح نہیں کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اس عورت پر قبضہ کرنے کی سعی ہر شخص کی جانب سے ہو سکتی ہے اور وجہ ترجیح کسی کو بھی حاصل نہ ہوگی — پھر اس راہ میں تباہیوں اور بربادیوں کے جو طوفان اُٹھتے رہتے ہیں۔ "معاشقہ" اور آوارگی کی تاریخوں میں اسکا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

(۳) زناکار عورت کو زنا کی لت پڑ جاتی ہے، طبع سلیم رکھنے والے مرد کو ایسی عورت سے گھن معلوم ہوتی ہے — پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی سلیم الطبع اس سے شادی کرنے کے لئے اپنے کو آمادہ نہیں کر سکتا، محبت و اُلفت تو خیر دُور کی بات ہے — اور یہی وجہ ہے کہ جو عورت زنا میں مشہور ہو جاتی ہے۔ اس سے لوگ عموماً نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور سوسائٹی میں وہ حقیر اور ذلّت آمیز نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

(۴) زنا کا جب دروازہ کھل گیا، کوئی مستقل قاعدہ و قانون باقی نہ رہا تو پھر کسی خاص مرد کو کسی خاص عورت سے کوئی خاص لگاؤ نہ رہیگا، جس کو جہاں موقع مل گیا اور جس نے جس کو بلایا، وہاں دونوں مل گئے اور جو کچھ کرنا ہو کر گزریں اور یہی حال حیوانات کا ہے پھر انسان و حیوان میں فرق ہی کیا رہ جائیگا،

(۵) عورت سے صرف یہی مقصد نہیں ہے کہ اس کے پاس پہنچکر جنسی تقاضے پورے کئے جائیں ــــ بلکہ مقصد یہ بھی ہے کہ دو جان مل کر ایک دوسرے کے رفیق و شریک ہوں، گھر کے کاموں میں بھی، کھانے پینے میں بھی، بچوں کی تربیت و تعلیم میں بھی ــــ اور زندگی کی دوسری ضروریات میں بھی۔ پھر غم میں بھی اور خوشی میں بھی۔ تنگ حالی میں بھی ــــ اور یہ ساری باتیں اس وقت قطعاً پیدا نہیں ہو سکتیں جب تک عورت کسی ایک کی جائز طریقہ پر ہو کر نہ رہے اور اسکی شکل یہی ہو سکتی ہے کہ زنا کو بالکلیہ حرام قرار دے دیا جائے اور نکاح کے قانونی دائرہ میں عورت و مرد کے تعلقات کو محدود کیا جائے۔

(۶) ہمبستری پردہ کی بات ہے ــــ یہی وجہ ہے کہ اس کا تذکرہ اشارتاً کیا جاتا ہے اور کوئی اس کام کو کرتا ہے تو پردہ کی اوٹ میں کہ کسی کی نگاہ نہ پڑنے پائے پس معلوم ہوا کہ اس کو کم سے کم کرنا قرین عقل و قیاس ہے اور اسکی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ جائز طور پر ایک عورت ایک مرد کی ہو کر رہے، ورنہ پھر یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی۔

یہ چھ خرابیاں وہ ہیں جو بالکل عیاں ہیں۔[1]

ایک نوجوان کو آنحضرت صلعم کی نصیحت

امام احمد رحمتہ اللہ نے اپنی مسند میں ایک روایت نقل کی ہے۔ جس کے راوی حضرت ابو امامہ (صحابی) رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ایک نوجوان

---

[1] تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۹۴

خدمت نبوی میں حاضر ہوا، اور اس نے درخواست کی: یارسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت دی جائے ـــ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی گستاخی بہت بری معلوم ہوئی چنانچہ اس کو سبھوں نے ڈانٹا، اور اس کے اس سوال پر نفرت کا اظہار کیا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس جوان سے فرمایا: "قریب آجاؤ" ـــ وہ قریب آگیا، آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ ـــ وہ بیٹھ گیا۔ اب آپ نے اس کو سمجھانے کے لئے سوال وجواب شروع کر دیئے:

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم: کیا تم اس (زنا کے) کام کو اپنی ماں کے لئے پسند کرتے ہو؟

نوجوان: نہیں یارسول اللہ!

آنحضرت صلعم: دوسرے لوگ بھی اس برائی کو اپنی ماں کے لئے پسند نہیں کرتے

" ": اس زنا کو تم اپنی لڑکی کے حق میں اچھا جانتے ہو؟

نوجوان: میں آپ پر نثار ہوں۔ نہیں یارسول اللہ!

آنحضرت صلعم: دوسرے لوگ بھی اس بدکاری کو اپنی لڑکیوں کے لئے اچھا نہیں جانتے۔

" ": اس برے کام کو اپنی بہنوں کے حق میں برداشت کر سکتے ہو؟

نوجوان: ہرگز نہیں یارسول اللہ!

آنحضرت صلعم: دوسرے لوگ بھی اس گندگی کو اپنی بہنوں کے حق میں برداشت نہیں کر سکتے۔

" ": اچھا اس برے کام کو تم اپنی پھوپھی کے لئے پسند کرو گے؟

نوجوان: نہیں یارسول اللہ!

آنحضرت صلعم: دوسرے لوگ بھی اپنی پھوپھی کے لئے زناکاری کو پسند نہیں

کرتے۔

یہ بتاؤ تم زنا کو اپنی خالہ کے ساتھ گوارا کر لو گے؟

نوجوان: نہیں یا رسول اللہ!

آنحضرت صلعم: دوسرے لوگ بھی زنا کو اپنی خالہ کے ساتھ گوارا نہیں کر سکتے۔

اس طرح اس مسئلہ کو جب اسکے ذہن نشین کر چکے تو آپ نے اپنا دستِ مبارک اس پر رکھا، اور دعا فرمائی:

اللّٰھم اغفر ذنبہ وطھر قلبہ واحصن فرجہ (ابن کثیر ج ۳ ص ۳۸)	"اے اللہ اس کے گناہ معاف کر دے، اسکا دل پاک فرما دے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما"

راوی کا بیان ہے کہ اس تقریر اور دعائے نبوی کا یہ اثر ہوا کہ اس شخص کو کبھی بھی اس کے بعد زنا کا خیال نہ گزرا۔ بات بھی کتنے پتہ کی بیان فرمائی گئی — غور کیجئے! کوئی ایسی عورت ہے جو کسی کی ماں نہ ہو — بہن نہ ہو — پھوپھی نہ ہو — خالہ نہ ہو؟ پھر یہ کیا انسانیت ہے کہ کسی کی ماں، بہن، لڑکی اور پھوپھی وغیرہ سے ناجائز ہمبستری کرے۔

زنا کائنات کی مرکزی طاقت سے تصادم ہے

ایک اور مقام میں قرآن نے زنا کی برائی کا تذکرہ کیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

لَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَّمَقْتًا وَّسَآءَ سَبِیْلًا (النساء ۳۰)	"تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو۔ مگر جو بات گزر گئی، بیشک یہ بڑی بےحیائی ہے اور نہایت نفرت کی بات ہے

اور بہت بُرا طریقہ ہے۔"

اس آیت میں بھی زنا کو "فاحشہ" اور "ساء سبیلا" سے تعبیر کیا ہے ــــ اور ایک لفظ اور بڑھایا یعنی "مقتا" جو لفظ ایک ہے لیکن کائنات کی مرکزی طاقت سے تصادم کی تعبیر یہ ہے۔ اس سے اندازہ کرنا چاہیئے کہ زنا کے انجام کو قرآن نے کہاں تک پہنچا دیا ــــ اسی تصادم ہی کے آثار ہیں جنھیں آئے دن ہم دیکھے رہتے ہیں

عفت پر بیعت

اس سے بھی اس جرم کی اہمیت کا احساس چاہیئے کہ عورتوں سے بیعت جن الفاظ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لیتے تھے ــــ قرآن میں ان کو محفوظ بھی کر دیا گیا ہے، یعنی عورتوں سے عہد لیا جاتا تھا کہ

لَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ	"وہ بدکاری نہ کرینگی اور نہ دُختر کشی
اَوْلَادَھُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ	کرینگی اور نہ ایسا افترا باندھینگی
بِبُھْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَہٗ بَیْنَ	جسکو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان
اَیْدِیْھِنَّ وَاَرْجُلِھِنَّ	تراشا ہوگا" (ممتحنہ ـ ۲)

زنا کی برائیوں کی انتہا نہیں مثلاً زنا کے شیوع کے بعد شر و فتن کے چشمے اُبل پڑتے ہیں ــــ قوم میں کشت و خون کی گرم بازاری ہوتی ہے، اعمال و اخلاق کی مٹی پلید ہو جاتی ہے۔ ملک کا معیار اخلاق گر جاتا ہے ــــ زنا کار قوم کی عظمت و وقعت کا قصر رفیع زمین پر آجاتا ہے، عزت و شوکت ملیامیٹ ہو جاتی ہے۔ پھر انسانیت میں جونہی ضعف آیا امن و امان خطرہ میں گھر جاتا ہے۔ غریبوں کی جان لب پر آجاتی ہے ملک صحت کے اعتبار سے نیچے آجاتا ہے اور جوانِ قوم خصوصاً اور عام افراد عموماً متعدی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

زنا جرمِ عظیم ہے!

زنا کے ان ہی مفاسد کے پیش نظر اللہ تعالےٰ نے زنا کو قتل کے بعد ہی رکھا ہے کہ یہ بھی گو قتل نہ سہی لیکن انجام کے اعتبار سے قتل سے کم بھی نہیں ہے قرآن نے جہاں اللہ کے نیک بندوں کی صفات کا تذکرہ کیا ہے —— وہاں یہ بھی ذکر کیا ہے

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا (الفرقان-۶)

"اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر اور زنا بھی نہیں کرتے اور جو شخص ایسے بُرے کام کرے گا تو اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا"

آیت مذکور کا فحویٰ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک کفر و شرک اور قتلِ ناحق کی طرح زنا بھی عظیم جرم ہے، ایسا گناہ ہے جو سوائے توبہ، ایمان اور عملِ صالح کے معاف نہیں ہوتا — خود اس آیت کے متصل یہ بیان ہے:

يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا (الفرقان — ۶)

کہ قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا چلا جاویگا، اور وہ ہمیشہ اس میں ذلیل ہو کر رہے گا۔"

قرآن کے ان الفاظ پر غور کیجئے اور سوچیے کہ سزا کے ان ہولناک حالات سے دوچار کرنے والے جرائم میں ایک جرم زنا بھی ہے۔

شرک کے بعد بڑا گناہ زنا ہے!

بات بھی کچھ ایسی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مامن ذنب بعد الشرک	"شرک کے بعد کوئی گناہ اس نطفہ
اعظم عند اللہ من نطفۃ	سے بڑھ کر گناہ نہیں ہے، جس
وضعھا رجل فی رحم لا	کو کوئی شخص کسی ایسے رحم میں رکھے
یحل لہ (ابن کثیر ص۲۸ ج ۳)	جو شرعاً اس کے لئے حلال نہ تھا"

شاید اسی بنیاد پر مسلمانوں میں مشہور بھی ہو گیا کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ زنا ہے ۔۔۔ ایک اور حدیث میں زنا ہی کے متعلق رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لا یزنی الزانی حین یزنی وھو	زنا کار جس وقت زنا کرتا ہے اس وقت
مومن ۔ ایاکم ایاکم (مشکوٰۃ)	مومن نہیں ہوتا۔ بچو بچو!

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہیں تو کم از کم زنا کے وقت ایمان زانی کو چھوڑ کر جدا ہو جاتا ہے۔ گویا مومن مومن رہتے ہوئے اس جرم کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔

بوقت زنا ایمان کی حالت

ایک دوسری حدیث میں اس حدیث کی وضاحت بھی موجود ہے۔ رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا زنی العبد خرج منہ الایمان	بندہ جب زنا کرتا ہے اس وقت ایمان
فکان فوق راسہ کالظلۃ	اس سے نکل جاتا ہے اور اس کے
فاذا خرج من ذالک العمل	سر پر سایہ بنکر ہوتا ہے اور زانی جب

یرجع الیہ الایمان	فعلِ زنا سے فارغ ہوتا ہے تو ایمان
(مشکوٰۃ باب الکبائر)	اسکی طرف پلٹ آتا ہے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زنا اتنی بُری چیز ہے اور اس قدر معیوب فعل ہے کہ اس کے ارتکاب کے وقت ایمان کانپ اٹھتا ہے — اور گھبرا کر قالب چھوڑ دیتا ہے اس کی غیرت برداشت نہیں کرتی کہ اس حالت میں اس سے چمٹا رہے — ہاں جب وہ فارغ ہوتا ہے اس کا قلب اس کو ملامت کرتا ہے اور قلب منفعل ہوتا ہے تو پھر وہ ترس کھا کر پلٹ آتا ہے اور ایمان کو غیرت کیوں نہ آئے؟ کہ خود رب العزت کو ایسے فعل پر غیرت ہوتی ہے، اور اسی وجہ سے اس نے فحش امور کو حرام قرار دے دیا — ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَيْرِ الْحَقِّ (الاعراف ع۴)	آپ فرمایئے کہ صرف تمام فواحش باتوں کو البتہ میرے رب نے حرام کیا ہے ان میں جو علانیہ ہوں ان کو بھی اور جو پوشیدہ ہوں ان کو بھی، اور ہر گناہ کی بات کو، اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو (بھی حرام کیا ہے)

غیرتِ حق

حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا — کہ اگر کوئی اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھ لے تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا: چار عینی گواہ پیش کرے — مگر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو فطرتاً غیر معمولی غیور تھے — وہ بولے: "اگر میں اپنی عورت کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھ لوں" تو میری غیرت برداشت نہ کر سکیگی

مَیں اسی وقت تلوار اٹھاؤں گا اور دو ٹکڑے کر دوں گا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی، آپ نے فرمایا: سعد کی غیرت پر تعجب کیوں کرتے ہو — خدا گواہ ہے میں خود ان سے بہت زیادہ باغیرت ہوں — اور میری غیرت سے بڑھ کر خود رب العزت کی غیرت ہے، اور اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے ظاہر و باطن تمام فواحش کو حرام قرار دے دیا۔ یہ کھل کر ہو یا پردہ پوشی کے ساتھ[1]۔

آپ کے زمانہ میں سورج گہن ہوا تھا — اس موقع سے آپ نے ایک بلیغ خطبہ دیا تھا اور اسی خطبۂ کسوف میں آپ نے فرمایا تھا:

یا امۃ محمد واللہ انہ لا احد اغیر من اللہ ان یزنی او تزنی امتہ واللہ لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا و لبکیتم کثیرا (بخاری)	"اے امت محمد! خدا کی قسم اس بات سے اللہ تعالےٰ سے بڑھ کر کسی کو غیرت نہیں ہوتی کہ کوئی مرد یا عورت زنا کرے، اور بخدا جو کچھ مَیں جانتا ہوں تم جانتے تو بہت کم ہنستے اور بکثرت روتے"

اور اہمیت جتانے کے لئے اسکے بعد ہاتھ اٹھایا اور فرمایا: اے اللہ! کیا مَیں نے پہنچا نہیں دیا؟ یعنی منشا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ضروری حکم اسکے بندوں تک مَیں نے پہنچا دیا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کو بار بار پڑھیئے — اور زنا کی قباحت اور خروجِ ایمان والی حدیث پر غور کیجئے، ایک اور آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فواحش سے روکا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

---

[1] الجواب الکافی لابن القیم۔ ص ۲۱۹

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ	بیشک اللہ تعالےٰ اعتدال اور احسان
الْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى	اور اہلِ قرابت کو دینے کا حکم فرماتے
الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ	ہیں اور کھلی بُرائی اور مطلق برائی اور
وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ	ظلم کرنے سے منع کرتے ہیں۔ اللہ
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۔	تعالےٰ تم کو اس لئے نصیحت فرماتے
(النحل ۔ ۱۳)	ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔"

یہ وہ آیت ہے جو ہر جمعہ کو عموماً خطبہ میں پڑھی جاتی ہے، اور اس طرح اس آیت میں جو احکام درج ہیں ــــ ان کی اہمیت بیان کی جاتی ہے، زنا سے اس شد ومد کیساتھ اللہ تعالیٰ نے جو روکا ہے اس کی یہی وجہ ہے یہ اپنے انجام اور نتیجہ کے اعتبار سے اتنا مہلک جرم ہے، جس کی دنیوی و اُخروی تباہ کاریوں کا احاطہ آسان نہیں!

یوسف علیہ السلام کا اعلانِ حق

یوسف علیہ السلام کا واقعہ جسے قرآن پاک نے نقل کیا ہے ــــ اس سے بھی زنا کی برائی اور اسکے مفاسد پر روشنی پڑتی ہے۔ یوسف علیہ السلام کو خرید کر جب عزیز مصر نے اپنی بیوی زلیخا کے سپرد کیا کہ اس غلام کی نگہداشت کرو، تو زلیخا نے اپنے شوہر کے حکم کی تعمیل میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ــــ مگر کچھ ہی عرصہ گزرا تھا ــــ اور یوسف علیہ السلام نے جوانی کے میدان میں قدم رکھا ہی تھا کہ زلیخا یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر مفتون ہوگئی اور دل کشی اور ہوش ربائی کے سارے سامان جمع کر کے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کو اس کام پر آمادہ کرلے، جس کی تعلیم زلیخا کو اس کے نفس نے دی تھی ــــ عیش ونشاط کے سارے سامان فراہم، نفسانی جذبات اپنے شباب پر ــــ محبت اور پیار کی مسلح فوج سامنے ــــ تنہائی کا عالم، سارے دروازے

اور کھڑکیاں بند — تمام خطروں اور کل اندیشوں سے بظاہر اطمینان — پھر جوانی قیامت کا روپ بھرے کھڑی، شبابی قوت وطاقت کا سمندر موجزن، تجرد کی زندگی میں جنسی میلان کا صبر آزما تلاطم — اور ایسے وقت میں ایک غارت گر ہوش وخرد اپنے آپ کو خود حضرت یوسف علیہ السلام پر پیش کرتی ہے الغرض:

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِی هُوَ فِی بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَیْتَ لَكَ. (یوسف-۳)

اور جس عورت کے گھر میں یوسف علیہ السلام رہتے تھے، وہ عورت ان سے اپنا مطلب نکالنے کے لئے ان کو پھسلانے لگی اور سارے دروازے بند کر دیئے اور کہنے لگی: آجاؤ تم ہی سے کہتی ہوں"

کی صورت پیش آئی — آسمان دیکھ رہا تھا، زمین دیکھ رہی تھی، ملائکہ دیکھ رہے تھے کہ یعقوبؑ کا چشم وچراغ اب کدھر جاتا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے — بلانے میں شیطانی قوت کیطرف سے کوشش کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا گیا تھا۔ مگر اللہ کے بندے یوسف علیہ السلام سب کچھ دیکھتے ہیں اور چاہتے تو جو کچھ امراۃ عزیز چاہتی تھی اسے کر گزرتے لیکن جیسا کہ قرآن ہی میں اطلاع دی گئی ہے:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (یوسف-۳)

یوسف نے کہا: اللہ بچائے وہ میرا مربّی ہے اس نے مجھ کو کیسی اچھی طرح رکھا اسے حق فراموشوں کو فلاح نہیں ہوا کرتی"

زانی ظالم ہے اور ظالم کو دنیا اور آخرت میں فلاح نصیب نہیں ہوگی، اور اگر میں زنا کا ارتکاب کروں تو خود میں بھی ظالم بن جاؤں گا — پھر کیسے جرأت کی

جائے۔ رب کا احسان بھول جانا — اور اس کی دی ہوئی قوت کو اس کے ہی حکم کے خلاف استعمال کرنا، اسی کا نام تو شیطنت ہے۔ شیطان کا قصور ہی اس کے سوا کیا ہے کہ توانائیوں کا جو ذخیرہ خالقِ کائنات کی طرف سے اس کو ملا ہے بجائے مرضیِ حق کے ان کو خدا کی مرضی کے خلاف استعمال کرتا ہے۔

زنا مظالم کی جڑ

اس آیت میں زانی کو جو ظالم قرار دیا گیا ہے — یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں سوچئے تو یقین کرنا پڑے کہ زنا دنیا کے سارے مظالم کی جڑ ہے — دنیا کی ساری برائی زناکاری میں پائی جاتی ہے — پھر زانی کے ظالم ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

زانی کا فعلِ زنا خود اپنے اُوپر بھی ظلم ہے کہ اس سے اخلاق و اعمال کی مٹی پلید ہوتی ہے، خون اور روپیہ بے فائدہ ضائع ہوتا ہے — مادۂ تولید جو باعث فزائشِ نسلِ انسانی ہے ناحق برباد ہوتا ہے، صحت پر ناخوشگوار اثر پڑتا ہے — ذلّت اور رسوائی ہوتی ہے — زانی خوف و ہراس میں مبتلا رہتا ہے۔ حزن و ملال سے دوچار ہوتا ہے، مرض متعدّی سوزاک و آتشک وغیرہ کے خطرے میں اپنے کو گرفتار کرنا پڑتا ہے۔ بے حیائی، فریب کاری، جھوٹ، بدنیتی، خود غرضی، نفسانی خواہش کی غلامی، ضبط نفس کی کمی، خیالات کی آوارگی اور دوسری بیسیوں جسمانی، ذہنی اور روحانی امراض ہیں زنا آدمی کو مبتلا کر دیتا ہے۔

(۲) زنا اپنے خاندان پر بھی ظلم ہے کہ زناکار خاندان کی عزت کو داغ لگاتا ہے اور پھر خاندان کے لئے برائی کا ایک نمونہ قائم کرتا ہے — اہلِ خاندان، اور بال بچوں کے لئے زنا کی شاہراہ بناتا ہے۔

(۳) زنا نسوانی عفت و عصمت کی لوٹ ہے — زانی ڈاکو ہے — ایک کمزور

ارادے والی ذات کو اپنی ہوسناکیوں کا تختۂ مشق بنانا ہے، شرم وحیا کی چٹانوں کے نیچے عورت کی فطرت جو قدرتاً دبی ہوئی ہے — ان چٹانوں کو یہی پاجی زانی اٹھا لیتا ہے جس کے بعد عورت جس کے لئے کسی مرد سے خواہ اس کا باپ اور بھائی کیوں نہ ہو — خطاب میں حیا دامنگیر ہوتی تھی، اب وہ ایک بیباک، فتنہ پرداز عورت کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ آنکھوں کا پانی اسکے ڈھل جاتا ہے، بے حیائی کے کاموں پر دلیر ہو جاتی ہے۔

اور آج عصمت فروشیوں کے سارے بازار جو شہروں میں نظر آتے ہیں — درحقیقت زانی مردوں ہی کے کھولے ہوئے بازار تو ہیں — یہ سب انہی کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔

(۴) عورت بہرحال کسی خاندان ہی کی عورت ہوتی ہے۔ کسی کی بیٹی — کسی کی بہن — کسی کی بیوی یا ماں ہوگی — سوچیے تو سہی کہ زانی مرد کن رسوائیوں کی سیاہی عورت کے خاندان والوں کے چہروں پر پھیرتا ہے کہ بسا اوقات خودکشی تک، ان ہی رسوائیوں کے غیر معمولی احساس نے لوگوں کو پہنچا دیا۔

(۵) اور عورت کسی مرد کی اگر باضابطہ منکوحہ ہے تو دوسرے مفاسد کے ساتھ غیر کے حق ناموس پر یہ کیسی شرمناک مداخلت اور بے جا اور ظالمانہ حملہ ہے۔

(۶) زنا بچہ پر بھی ظلم ہے — کیونکہ یا تو اسے ضائع کر دیا جائے گا — اور بے قصور قتل کیا جائے گا، یا باپ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نگرانی و تربیت اور تعلیم کی ذمہ داری کا کوئی مرکز باقی نہیں رہتا، اور کسی طرح بچہ کو پروان چڑھنے کا موقع بھی مل جائے تو سیاہی کے اس داغ کو اس غریب کی پیشانی سے کون دھو سکتا ہے جو خود اسکے ناجائز باپ کے ہاتھوں اس کی پیشانی پر لگا ہے۔ سوسائٹی

میں ذلیل نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، بسا اوقات زنا سے پیدا ہونے والے بچے امراض خبیثہ کو اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ دنیا میں عموماً گونگے، بہرے، لنگڑے لڑکے جو پیدا ہوتے ہیں — یعنی نوعی کمالات میں سے کسی کمال سے محروم ہوکر پیدا ہوتے ہیں۔ بظاہر قدرت کی طرف ان کوتاہیوں کو منسوب کرنے والے منسوب کر دیا کرتے ہیں، لیکن موجودہ طبی تحقیقات کی روشنی میں پتہ چل رہا ہے کہ ان کوتاہیوں کی زیادہ تر ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے — جن سے گزر کر بچے دنیا میں قدم رکھتے ہیں —— آئندہ نسلوں کی امانت جن کے سپرد ہوتی ہے —————— وہ امانت میں خیانت سے کام لیتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ آئندہ نسلوں کے پھلنے پھولنے کا دار و مدار ہی "جذبۂ امانت" کے اسی احساس پر مبنی ہے، اس کی ذمہ داریوں میں ہلکی سی غفلت قوم کی قوم کو جسمانی، دماغی اور روحانی بربادیوں کی آندھیوں کے سامنے لے آتی ہے۔

اس مسئلہ کی ہمہ گیری کے لئے "طبیات" کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ "زنا" کا لفظ تو ایک بسیط مختصر سا لفظ ہے، لیکن اس کے مفاسد کا دائرہ خاندانوں، اور قوموں کو اپنے احاطہ میں عموماً لے آتا ہے۔

زنا پر کال کوٹھڑی کو ترجیح

کچھ بھی ہو، اسی سے اندازہ کیجئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل کی کال کوٹھڑی میں قید کی زندگی کو اس جرم کے اقدام پر ترجیح دی، اور دعا مانگی:

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ وَاِلَّا تَصْرِفْ

"اے میرے رب جس کام کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں اس سے

عَنِّیْ کَیْدَھُنَّ اَصْبُ اِلَیْھِنَّ وَاَکُنْ مِّنَ الْجَاھِلِیْنَ۔ (یوسف - ۴)

تو جیل خانہ میں جانا ہی مجھ کو زیادہ پسند ہے، اور اگر آپ ان کے داؤ پیچ کو مجھ سے دفع نہ کریں گے تو ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانی کا کام کر بیٹھوں گا"

حدیثوں میں بھی اس "جرم" کی اہمیت کے مختلف پہلوؤں پر جو اشارے کئے گئے ہیں غور کرنے والے سوچیں گے تو عبرت و بصیرت کے مسلسل اسباق ان ہی حدیثوں میں ان کو ملتے چلے جائیں گے، مثلاً چند حدیثوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے

زنا کے سلسلہ میں ارشاداتِ نبوی

ایک دفعہ یہودیوں کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور دریافت کیا کہ "آیات بینات" کیا ہیں؟ جواب میں ارشاد فرما گیا تھا:-

لَا تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ شَیْئًا وَلَا تسرقوا وَلَا تزنوا وَ لاتقذفوا محصنۃ (مشکوٰۃ باب الکبائر)

"اللہ تعالیٰ کا نہ کسی کو شریک ٹھہراؤ نہ چوری کرو، نہ زنا کرو اور نہ کسی پاک دامن کو زنا سے متہم کرو"

جس سے معلوم ہوا کہ جن جرائم کی برائیاں فطرت انسانی کے لئے واضح او کھلی ہوئی ہیں — ان میں ایک زنا بھی ہے۔

اسی طرح ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:- اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ یعنی اکبر الکبائر کون ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک بنانا — حالانکہ اس نے ہی پیدا کیا۔ اس شخص

نے پوچھا: اس کے بعد پھر کونسا کام؟ آپ نے فرمایا: اپنے بچے کو اس خوف سے مار ڈالنا کہ وہ ساتھ کھائے گا — اس نے پوچھا: پھر کون سا یا رسول اللہ —؟ آپ نے فرمایا:

ان تزنی حلیلۃ جارک (بخاری باب اثم الزناۃ)	"تیرا اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کی برائی مختلف پیرایہ میں بیان کی اور چاہا کہ لوگ اچھی طرح اس کی برائی سے واقف ہو جائیں، اور اس بدترین کام سے باز آجائیں، ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ دوزخ میں لوگ زیادہ تر اپنے منہ اور اپنی شہوت کی جگہ کی بدولت ڈالے جائیں گے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ سب قیامت کی علامتیں ہیں: علم کا اٹھ جانا[1]، جہالت کا عام ہونا[2]، شراب کا پینا[3]، زنا کاری کا پھیل پڑنا[4]۔ اور یہ کہ مردوں کی تعداد کم پڑ جائے تا آنکہ پچاس عورتوں کا ذمہ دار صرف ایک مرد باقی رہ جائے[5]۔

زنا کی ہلاکتیں

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود (صحابی) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما ظھر الربا والزنا فی قریۃ الا اذن اللہ باھلا کھا۔ (الجواب الکافی صفہ ۲۲)	"کسی بستی میں سود اور زنا جب پھیل پڑتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس بستی کی ہلاکت کی اجازت مرحمت فرما دیتا ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ زناکاری کبھی آبادی کی ویرانی کا موجب بن جاتی ہے

اور پوری آبادی کو برباد کر ڈالتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کا غضب اس آبادی پر مسلط ہو جاتا ہے جس میں زناکاری پھیل پڑتی ہے۔

مصیبت

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب خلیفۃ المسلمین ہوئے اور بیعت عامہ ہو چکی جس میں تمام مسلمان شریک ہوئے تو آپ ممبر پر تشریف لائے اور بحیثیت خلیفہ پہلا خطبہ ارشاد فرمایا

" دیکھو جس قوم نے بھی اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا چھوڑ دیا، اللہ نے اسے ذلیل کر دیا ہے، اور جس قوم میں بھی بدکاری پھیل جاتی ہے خدا اس میں مصیبت کو پھیلا دیتا ہے۔ [1]

پہلے خلیفۂ رسول نے اپنے پہلے خطبۂ خلافت میں ان کلمات کو فرما کر ـــ "عصمت و عفت" کے متعلق اسلام کے جس نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے۔ اس سے مسلمانوں کو سمجھنا چاہیئے کہ عروج و اقبال کی زندگی کے تباہ کرنے میں ... سیہ کاریوں کو کس حد تک دخل ہے۔ گویا جو کچھ اب پیش آیا اسی کی پیشنگوئی مسلمانوں کے سب سے پہلے خلیفہ نے کر دی تھی۔

کثرتِ موت اور طاعون

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد تھا:-

ولا فشا الزنا فی قوم الا کثر فیھم الموت (مشکوٰۃ ۵۹۴ عن مالک)	"زنا کسی قوم میں عام نہیں ہوتا مگر ان میں بکثرت موت ہوتی ہے"

[1] تاریخ ملت ج ۲ ص ۷۰

ایک لمبی حدیث ہے جس میں آپ نے پانچ عیوب اور اس کے اثرات کو بتایا ہے، منجملہ اور باتوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس قوم میں زنا کاری پھیل جاتی ہے اور کھلم کھلا ہونے لگتی ہے تو اللہ تعالٰے ان لوگوں کو طاعون (پلیگ) کی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے، اور ایسے دکھ درد میں ڈالتا ہے جس سے ان کے اسلاف نا آشنا تھے[1]

خشک سالی

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مامن قوم یظھر فیھم الزنا الا اخذوا بالسنة ومامن قوم یظھر فیھم الرشا الا اخذوا بالرعب رواہ احمد	"کسی قوم میں جب زنا پھیل پڑتا ہے تو اسے قحط سالی کی مصیبت میں مبتلا کیا جاتا ہے اور رشوت کی گرم بازاری ہوتی ہے تو اس پر خوف طاری کر دیا جاتا ہے
(مشکوٰۃ کتاب الحدود ص ۳۱۳)	

انسان جب "عفت و عصمت" کے چہرہ کو داغدار بناتا ہے، شرعی و دینی حدود کی اس راہ میں پرواہ نہیں کرتا اور جائز و ناجائز کی تفریق مٹا دیتا ہے، تو اس وقت پوری قوم فتنہ میں ڈال دی جاتی ہے. بنی اسرائیل جو دنیا کی چنی ہوئی اُمتوں میں ایک خاص تاریخی اُمت ہے اس میں بھی فتنہ عورتوں ہی کی راہ سے آیا، اور فتنہ جب آیا تو پوری کی پوری امت ہی تہس نہس ہو کر رہ گئی — نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اشارہ کر کے فرمایا:۔

فاتقوا الدنیا واتقوا النساء فان اول فتنة بنی اسرائیل کانت فی النساء (مشکوٰۃ کتاب النکاح)	"دنیا اور عورتوں سے بچو، اس لئے — کہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں سے میں تھا"

[1] الجواب الکافی ص ۷۵ عن ابن ماجہ

اِسلامی تعلیم سے رُوگردانی کا انجام

اسلامی نقطۂ نظر کا اجمالی نقشہ بقدر ضرورت آپ کے سامنے پیش ہو ہوچکا، اب آیئے ذرا اپنے زمانہ کی کچھ روداد سن لیجئے:
امریکہ جو اس وقت دنیا میں ممتاز ملک مانا جاتا ہے، وہاں زناکاری کی وبا کا نتیجہ یہ ہے:

"تیس چالیس ہزار کے درمیان بچوں کی اموات صرف موروثی آتشک کی بدولت ہوتی ہیں ۔ سوزاک میں نوجوان کم از کم ساٹھ فیصدی مبتلا ہیں، اس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں ہیں ــــ شادی شدہ عورتوں کے اعضائے جنسی پر جتنے آپریشن کئے جاتے ہیں، ان میں چھتّر فیصدی ایسی نکلتی ہیں جن میں سوزاک کا اثر پایا جاتا ہے[1]"۔

امریکہ میں زنا اور اس کے نتیجے

جج "لنڈسے" لکھتا ہے، جو ڈنور کی "عدالت جرائم اطفال" کا صدر رہے۔ اور اس حیثیت سے وہ جرائم کا کافی تجربہ رکھتا ہے:

"ہائی اسکول کی عمر والی چار سو پچانوے لڑکیوں نے خود مجھ سے اقرار کیا کہ ان کو لڑکوں سے صنفی تعلقات کا تجربہ ہوچکا ہے ــ ان میں صرف پچیس ایسی ہیں جن کو حمل ٹھہر گیا تھا[2]"۔

---

[1] پردہ از مولانا مودودی ص ۹۶ [2] ایضاً

اسی زجج "لنڈسے" کا امریکہ کے متعلق بیان ہے :

" امریکہ میں ہر سال کم از کم پندرہ لاکھ حمل ساقط کئے جاتے ہیں اور ہزار ہا بچے پیدا ہوتے ہی قتل کر دیئے جاتے ہیں[۱]"

اسی امریکہ کی ایک رپورٹ بھی پڑھ لیجئے اور ان سے اندازہ لگایئے کہ زنا کاری کا انجام کیا ہوتا ہے ۔۔۔ یہی لنڈسے" جن کا قول پہلے نقل کر چکا ہوں، ان کا اپنا اندازہ ہے کہ ہائی اسکول کی کم از کم پینتالیس فیصدی لڑکیاں مدرسہ چھوڑنے سے پہلے خراب ہو چکتی ہیں "

آتشک، سوزاک اور دوسری برائیاں :

زنا کی جسمانی اذیتوں کا ذکر کرتے ہوئے " انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا" جلد ۲ ص۴۵ کے حوالہ سے مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ :

" امریکہ کے دواخانوں میں اوسطاً ہر سال آتشک کے دو لاکھ اور سوزاک کے ایک لاکھ ساٹھ ہزار مریض کا علاج کیا جاتا ہے ساڑھے چھ سو دواخانے صرف انہی امراض کے لئے مخصوص ہیں مگر سرکاری دواخانوں سے زیادہ مرجوعہ پرائیویٹ ڈاکٹروں کا ہے۔ جن کے پاس اکسٹھ فیصدی اور سوزاک کے نواسی فیصدی مریض جاتے ہیں "[۲]

امریکہ میں جن عورتوں نے مستقل پیشہ اختیار کر لیا ہے انکی تعداد کا کم از کم اندازہ چار پانچ لاکھ کے درمیان ہے ۔ ۔ ۔ ۔ قحبہ خانوں کے علاوہ بکثرت ملاقات خانے ہیں جو اس غرض کے لئے آراستہ کئے جاتے ہیں کہ " شریف اصحاب اور خواتین جب باہم ملاقات کرنا چاہیں تو ان کی

[۱] پردہ ص۱۷۱ [۲] پردہ ص۶۸

ملاقات کا انتظام کر دیا جائے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ ایک شہر
میں ایسے اٹھتر مکان تھے، دوسرے شہر میں تینتالیس ۔ ایک اور
شہر میں تینتیس — ان مکانوں میں صرف بن بیاہی خواتین ہی نہیں
جاتیں — بلکہ بہت سی بیاہی ہوئی خواتین کا بھی وہاں گزر ہوتا ہے
ایک مشہور ریفارمر کا بیان ہے کہ نیویارک کی شادی شدہ آبادی کا
پورا نہائی حصہ ایسا ہے جو اخلاقی اور جسمانی حیثیت سے اپنی
ازدواجی ذمہ داریوں میں وفادار نہیں ہے۔[1]

"زنا" نے امریکہ میں یہ قیامت برپا کر دی ہے کہ بلوغ سے پہلے لڑکے لڑکی
کی محبت اور مباشرت دونوں شروع ہو جاتی ہیں۔[2]

کنسے رپورٹ

۱۹۴۸ء میں ڈاکٹر "ہنلی کنسے" نے ایک مبسوط رپورٹ پیش کی ہے اور یہ
رپورٹ ڈاکٹر کنسے اور ان کے ساتھیوں نے بارہ ہزار امریکی مردوں سے مل کر تیار
کی ہے اور ان کے خفیہ حالات معلوم کئے ہیں۔ کنسے رپورٹ کے بموجب :-

"استلذاذ بالنفس" (   ) میں نوے فیصدی امریکی مرد
زندگی کے کسی نہ کسی حصہ میں مبتلا رہے ہے۔"

"استلذاذ بالمثل": امریکی مردوں کی ایک تہائی آبادی نے کم از کم اپنی زندگی میں
ایک مرتبہ اس شوق کی تکمیل کی۔ گو ما ستر لاکھ امریکی مرد استلذاذ بالمثل میں
مبتلا ہیں۔

چار فیصدی لوگ تمام عمر "امرد پرست" رہتے ہیں۔

---

[1] پردہ ص ۶۷، ۶۸ [2] ایضاً ص ۶۳

"استلذاذ بالضد" (زنا) پندرہ سال کی عمر تک ۲۵ فیصدی — چھبیس سے چالیس سال تک ۹۰ فیصدی — سولہ سے بیس سال تک غیر فاحشہ عورتوں سے اختلاط کی تعداد ۴۰ فیصدی ہے۔

"تعلیم کے اعتبار سے" جن کی تعلیم "گرامر اسکول" تک ہوتی ہے۔ اس میں ۹۸ فیصدی کو عورتوں سے اختلاط کا سابقہ رہا ہے۔

"ہائی اسکول" تک تعلیم پانے والوں کا تناسب غیر عورتوں سے اختلاط میں ۷۷ فیصدی ہے اور "کالج" کے تعلیم یافتوں کا تناسب زنا میں ۶۹ فیصدی ہے۔ یہ اکیس سال عمر والوں کی تعداد ہے۔

شادی شدہ مردوں میں نصف تعداد ایسی ہے جنھوں نے اپنی بیوی کے سوا غیر عورتوں سے دوران ازدواج میں اختلاط کیا ہے۔

انگلستان میں زنا کی وبا

انگلستان میں جو اپنی جدت پسندی میں بہت مشہور ہے۔ اس کے متعلق وہیں کا ایک انگریز "جارج رائیلی اسکاٹ" اپنی کتاب تاریخ الفحشاء میں لکھتا ہے:

"پیشہ ور عورتوں کے علاوہ بڑی تعداد ان عورتوں کی ہے جو آمدنی میں اضافہ کے لئے زناکاری کے پیشہ کو بھی ضمنی طور پر اختیار کئے ہوئے ہیں اب جوان لڑکی کے لئے بدچلنی اور بے باکی بلکہ سوقیانہ اطوار تک فیشن میں داخل ہو گئے ہیں — ایسی لڑکیوں اور عورتوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے جو شادی سے پہلے صنفی تعلقات بلا تکلف قائم کر لیتی ہیں، اور وہ لڑکیاں اب شاذ کے حکم میں ہیں جو کلیسا کی

لہ اسلام اور جنسیات ص ۸۴، ۸۵

قربان گاہ کے سامنے نکاح کا پیمانِ وفا باندھتے وقت صحیح معنی میں دوشیزہ ہوتی ہوں[۱]۔"

"انگلستان میں کم از کم اندازہ کے مطابق ہر سال نوّے ہزار حمل اسقاط کیئے جاتے ہیں۔ شادی شدہ عورتوں میں اس کا تناسب اس سے بھی زیادہ ہے[۲]۔"

فرانس میں بدکاری

انگلستان کے بعد تھوڑا سا حال فرانس کی بدکاری اور اس سے نقصانات کا بھی سُن لیجئے۔

"جنگ عظیم کے ابتدائی دو سالوں میں جن سپاہیوں کو محض آتشک کی وجہ سے رخصت دیکر ہسپتالوں میں بھیجنا پڑا ۔۔۔ ان کی تعداد پچھتّر ہزار تھی ۔۔۔ ایک متوسط درجہ کی چھاؤنی میں بیک وقت ۲۴۲ سپاہی اس مرض میں مبتلا ہوئے"

ایک ماہر فرانسیسی ڈاکٹر کا بیان ہے کہ فرانس میں ہر سال صرف آتشک اور اس کے پیدا کردہ امراض کی وجہ سے تیس ہزار جانیں ضائع ہوتی ہیں[۳]۔"

"جنگ عظیم سے پہلے موسیو بیولو فرانس کے اٹارنی جنرل نے اپنی رپورٹ میں ان عورتوں کی تعداد پانچ لاکھ بتائی ہے جو اپنے جسم کو کرایہ پر چلاتی ہیں ۔۔۔ اس فن کے لئے اشتہار سے پورا کام لیا جاتا ہے[۴]۔"

یہ مختصر سے اقتباسات میں نے اس لیئے پڑھنے کی زحمت دی کہ آپ غور کرسکیں ۔۔۔ کہ زناکاری کے مفاسد کیا ہوتے ہیں اور ان سے قوم و ملک کا کتنا زبردست جانی، مالی،

۱۔ پردہ ص ۲۷، ۲۔ ایضاً ص ۵۸ ۳۔ ایضاً ص ۵۷، ۴۔ ایضاً ص ۵۰

اخلاقی اور سیاسی نقصان ہوتا ہے ___ اور پھر یہ بھی سوچیں کہ زنا کاری کی سزا میں جو امراض پیدا ہوتے ہیں وہ کتنے سخت اور مہلک ہوتے ہیں ___ مزید یہ بھی ذہن نشین کرلیں کہ دنیا کا کوئی کامیاب علاج زنا کاری کے "دنیاوی عذاب" سے نہیں بچا سکتا ، اور ان بڑے مہذب ، متمدن اور ترقی یافتہ ملکوں کا جو نقشہ میں پیش کیا گیا ہے ___ ان کو سامنے رکھ کر غور کریں کہ اسلام نے جن مفاسد کیطرف اشارے کئے ہیں وہ کتنے صحیح ہیں اور قوانین عفت مرتب کر کے اس نے دنیا پر کتنا زبردست احسان کیا ہے ۔

تحفظ عصمت وعفت اور شادی

اتنی مہلک اور خطرناک برائی جو انسان کو ہر اعتبار سے سخت سے سخت نقصان پہنچاتی ہے اس کی روک تھام کی جس شد و مد سے ضرورت تھی، وہ کسی ذی عقل سے مخفی نہیں اور صرف روک دینا ہی کافی نہ ہوتا — جیسا کہ عیسائیوں اور دوسری قوموں میں اس کا انجام دیکھ رہے ہیں، بلکہ اس کے لئے مستقل قوانین اور ضابطہ کی ضرورت تھی اور اسلام نے یہی کیا — انسان کی فطرت کو جانچا، اور اس کے مطابق علاج اور پرہیز کی تاکید کی، اسلام نے غیر مذاہب کی طرح افراط و تفریط کا راستہ اختیار نہیں کیا، بلکہ انسانی مزاج کو پرکھ کر اعتدال کا طریقہ پسند کیا۔

نکاح کا حکم

زنا کے نقصانات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالےٰ نے انسان کو حکم دیا کہ مرد و عورت جن کو شادی کی ضرورت محسوس ہو، ضروری شادی کریں، کہ عفت و عصمت کی حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ اور ان کی جنسی خواہشات کی تسکین کا سبب یہی ہو سکتا ہے۔ رب العزّت نے شادی کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ	"اور تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا
الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ	نکاح کر دیا کرو، اور تمہارے غلام اور
وَاِمَآئِكُمْ۔ (نور — ۴)	لونڈیوں میں جو اس لائق ہو اسکا بھی"۔

ایامیٰ — ایم کی جمع ہے، اس کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لئے ہے۔

جس مرد کی بیوی نہ ہو اُس کو ایم بھی کہتے ہیں اور جس عورت کا شوہر نہ ہو اس کو بھی ایم کہتے ہیں۔ پھر چاہے سرے سے ابھی شادی نہ ہوئی ہو، یا شادی ہوئی تھی مگر شوہر یا بیوی کا انتقال ہو گیا "رجل ایم" بھی کہا جاتا ہے اور "امراۃ ایم" بھی[1]۔

مولانا تھانویؒ اپنے تفسیری ترجمہ میں لکھتے ہیں :-

"یعنی احرار میں جو بے نکاح ہوں خواہ مرد خواہ عورت، اور خواہ ابھی نکاح ہی نہ ہوا ہو، یا وفات وطلاق سے اب تجرد ہو گیا ہو، تم ان کا نکاح کر دو، اور اسی طرح تمھارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس نکاح کے لائق ہو یعنی حقوق زوجیت کو ادا کر سکے اس کا بھی نکاح کر دیا کرو اور محض اپنی مصلحت کے خیال سے باوجود غلام، لونڈیوں کو ضرورت ہونے کے ان کی اس مصلحت کو فوت مت کیا کرو[2]"

معلوم ہوا اللہ تعالےٰ نے رشتۂ ازدواج کے قیام کی تاکید فرمائی ہے اور ان تمام مرد وعورت کی شادی کر دینے کا حکم دیا ہے — جن کو شادی کی ضرورت ہو، حتیٰ کہ غلام جو بڑی حد تک بے بس ہوتا ہے، اس کے متعلق بھی ارشاد فرمایا کہ ان کی بھی شادی ضروری ہے، اگر ان میں حقوق زوجیت ادا کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ اور پھر اس ذمہ داری کو رب العزت نے قوم کے سر ڈالا ہے تاکہ اس کی اہمیت کا احساس پیدا ہو، اور اشارہ کیا گیا ہے کہ شادی کے جو فائدے ہوتے ہیں، اس سے پوری قوم مستفید ہوتی ہے، اور شادی نہ کرنے کے جو نقصانات ہیں، ان کا اثر پوری قوم پر پڑتا ہے — کوئی ذی عقل انسان اس بات سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا کہ جائز شادی کا رواج اگر بند کر دیا جائے تو پوری قوم کے اخلاق گندے ہو جائیں گے۔ اس آیت کے اگلے حصہ میں رب العزت نے اس طرف بھی اشارہ

---

[1] ابن کثیر ج ۳ صفحہ ۲۸۶ [2] بیان القرآن جلد ہشتم ص ۱۷

فرمایا ہے کہ کسی موہوم خدشہ کو حیلہ بنا کر اس نیک رشتہ کے قائم کرنے سے بچنے کی کوشش نہ کرنی چاہیئے، جس پر آگے بحث ہوگی۔

اس آیت سے اتنی بات بہرحال کھل کر معلوم ہوگئی کہ جو مرد یا عورت شادی کے لائق ہو ان کی شادی کر دی جائے، اور یہ شادی کرنے کی ذمہ داری ولی کے سر بھی ہے اور قوم کے مضبوط دوش پر بھی، کوئی اُس سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا

نکاح فقہا کی نظر میں

بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ شادی کرنا واجب ہے، اور کوئی شبہ نہیں — احادیث سے اس کی بھی تائید ہوتی ہے — فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جنسی میلان حدِ برداشت سے جب باہر ہو جائے اور خطرہ شرعی حدود کے توڑ دینے کا سامنے آ جائے یعنی ظن غالب اس خطرہ میں مبتلا ہو جانے کا ہو تو اس وقت نکاح کرنا مومن کے لئے واجب ہو جاتا ہے لیکن اگر بے تابی حد سے نہ گزری ہو تب نکاح سنتِ مؤکدہ ہے اسی طرح اگر ظنِ غالب ہو کہ حقوق زوجیت ادا نہ ہو جائیں گے تو اس وقت نکاح کی قید میں اپنے آپ کو مقید کرنا شرعاً ناپسندیدہ یعنی مکروہ ہے، بلکہ حقوق زوجیت کے متعلق عجز کا جسے یقین ہو، ایسے آدمی کے لئے تو نکاح حرام ہے

نکاح میں تحفّظ عفّت!

بہرحال مذکورہ بالا قرآنی حکم کے سوا حدیثوں میں بھی بڑا ذخیرہ ہے، جن میں شادی کی تاکید و ترغیب پائی جاتی ہے اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خود شادی کرنے والوں پر ضروری ہے کہ جونہی وہ شادی کی ضرورت محسوس کریں شادی کر لیں — آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یامعشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج فانہ، اغض للبصر واحصن الفرج	"اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں جو اسباب جماع کی قدرت رکھتا ہو، اس کو نکاح کر لینا چاہیئے کیونکہ یہ نگاہ کو محفوظ رکھتا ہے اور شہوت کی جگہ کو بہت بچاتا ہے۔"

اس حدیث میں جہاں نوجوانوں کو شادی کا حکم دیا گیا ہے، وہاں شادی کے فائدے بھی بیان کر دیئے گئے ہیں کہ شادی سے عفت وعصمت پیدا ہو گی اور حرام کاری سے آدمی بچ جائے گا، اور گو خطاب حدیث میں نوجوان ہی کی طرف ہے لیکن جنسی میلان میں جن کے فتور اور ضعف کی کیفیت پیدا نہ ہوئی گو نوجوان نہ بھی ہوں ان کو بھی کرنا چاہیئے۔

نکاح اور افزائش نسل

دوسری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تزوجوا الولود وتناسلوا فانی مباہ بکم الامم یوم القیامۃ۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۳۸۶)	"بہت جننے والی عورت سے شادی کرو اور نسل بڑھاؤ، اس لئے کہ قیامت کے دن تمہاری وجہ سے فخر کروں گا۔"

اس حدیث میں نکاح کا بھی حکم دیا گیا ہے اور یہ مقصد بھی نکاح کا بیان کیا گیا ہے کہ شادی کا منشأ توالد وتناسل اور نسل انسانی کی بقا ہے تاکہ قوم کے افراد کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہو، مشکوٰۃ میں ایک حدیث ان لفظوں کے ساتھ نقل کی گئی ہے:

تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم (کتاب النکاح)

"خوب محبت کرنے والی اور بہت بچے دینے والی عورت سے شادی کرو، اس لیے کہ تمھاری کثرت سے اور امتوں پر فخر کروں گا۔"

اس حدیث میں تکثیر نسل کے ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ شوہر سے محبت و الفت کرنے والی عورت ہو کہ معاشرتی زندگی کے خوشگوار بنانے کی یہی واحد تدبیر ہے، زن و شو میں محبت و الفت ہی کے رشتہ میں سارے خاندان کی مسرت کی حمایت پوشیدہ ہے:

نکاح اور پاکدامنی

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شادی کرنے سے انسان بہت ساری برائیوں سے بچ جاتا ہے، بلکہ اگر کوئی چاہتا ہے کہ دنیا سے پاک وصاف جائے تو اس کا دامن عفت و عصمت ملوث نہ ہو تو اس کی شکل یہی ہے:

من اراد ان یلقی اللہ طاھرا مطھرا فلیتزوج الحرائر (مشکوٰۃ کتاب النکاح)

"اللہ تعالےٰ سے جو شخص پاک و صاف ملنا چاہے اس کو شریف عورتوں سے شادی کرنا چاہیئے۔"

اس حدیث میں شادی سے جو عفت و عصمت اور پاک دامنی حاصل ہوتی ہے — اس کا بڑا بلیغ بیان ہے بلکہ اس میں جو الفاظ آئے ہیں، ان سے سمجھا جائے تو یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ شادی کرنے سے اللہ تعالےٰ دوسرے گناہوں سے بھی آدمی کو بچا لیتا ہے، اور یہ کہ شادی ذریعہ بن جاتی ہے شادی کرنیوالے

کی ہدایت کا بھی اور پھر نجات کا بھی۔

دیکھا بھی گیا ہے کہ جس کی شادی نہیں ہوتی، اور جائز طور پر جنسی میلان پورے نہیں کرتا وہ عموماً مختلف گناہوں میں مبتلا ہوجاتا ہے، خواہ ان گناہوں میں غیر ارادی طور پر ہی لوگ کیوں نہ مبتلا ہوجاتے ہوں، لیکن شادی شدہ آدمی کے پاس چونکہ بچنے کا ذریعہ ہوتا ہے اس لیے عموماً ان گناہوں سے اس کا رشتہ خود بخود کٹ جاتا ہے، بخلاف ان لوگوں کے جو شادی بھی نہیں کرتے اور پاک دامنی کی زندگی بھی گذارنا چاہتے ہیں — خواہ مخواہ کش مکش کی ایسی زندگی گزارتے ہیں جسکے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ کس وقت ان سے کیا حرکت سرزد ہوجائے۔

ایک حدیث میں نکاح کو "نصف دین" سے تعبیر کیا گیا ہے — ارشادِ نبوی ہے:۔

اذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الدین (مشکوٰۃ کتب النکاح) "بندہ نے جب شادی کرلی تو اس نے نصف دین پورا کرلیا"

غور کیا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ گناہوں کے بڑے حصہ کا تعلق جنسی میلانات ہی سے ہے۔ شرعی اور آئینی حدود میں اپنے آپ کو جکڑ دینے کے بعد اسباب کی حد تک بے راہ روی کے خطرات کم ہوجاتے ہیں

نکاح رسولوں کی سنت ہے!

حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے مجھ سے کہا کہ تم نے شادی کی، میں نے جواب دیا: نہیں! — انھوں نے کہا:

تزوج فان اخیر ھذہ الامۃ کان اکثرھم نساء یعنی شادی کرو، کیونکہ اس امت کے سب سے بہتر فرد بیویوں کے اعتبار

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ تھے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت شادیاں کیں۔"

جمع الفوائد (کتاب النکاح عن البخاری)

پھر یہ بھی مسلم ہے کہ نکاح تمام انبیاء و رسل کی سنت رہی ہے اور تقریباً تمام رسولوں نے شادیاں کیں ہیں، اور بال بچوں والی زندگی گزاری ہے۔ ارشاد ربانی ہے

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً (الرعد ـ ٦)

"اور یقیناً ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیویاں اور بچے بھی دیئے۔"

غیر شادی شدہ آنحضرت کی نظر میں

ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص مسکین ہے جسکی بیوی نہیں ہے۔ صحابہؓ کرام نے عرض کیا ۔ گو وہ کثیر المال ہو تب بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں! گو وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو (اگر بیوی نہیں ہے وہ مسکین ہے) پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ عورت مسکین ہے، جس کا شوہر نہیں ہے۔ لوگوں نے پوچھا: "یا رسول اللہ! اگرچہ اس کے پاس بہت کچھ مال ہو تب بھی مسکین ہی ہے۔" آپ نے فرمایا: ہاں تب بھی وہ مسکین ہی ہے۔[1]"

یہ اور اس طرح کی بیسیوں حدیثیں ہیں ۔ جو صراحتاً نکاح کی ترغیب دیتی ہیں ان تمام حدیثوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں عقدِ ازدواج پر کتنا غیر معمولی اصرار کیا گیا ہے، مقصد وہی ہے کہ جنسی میلان کو حدود میں رکھ کر افزائشِ نسل کا ذریعہ بھی اس کو بنایا جائے اور عصمت و عفت کے انمول سرمایہ کی حفاظت

[1] جمع الفوائد کتاب النکاح ج ا ص ۲۱۶

کا بھی واحد ذریعہ یہی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بالکل صحیح فرمایا ہے کہ

ویتزوج لکسر الشھوۃ و اعفاف النفس وتکثیر النسل (فتح الباری پ ۲۱ ص ۲۷)

"شادی شہوت توڑنے، نفس کو عفیف بنانے اور نسل کی کثرت کے لئے کی جاتی ہے۔"

رہبانیت پیغمبر اسلام کی نظر میں

یہی وجہ ہے کہ جب کبھی رسولِ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ نکاح سے بعض لوگ پرہیز ہی کو بہتر سمجھتے ہیں تو ان کو فہمائش کر کے شادی کر لینے پر آمادہ کیا۔

حدیث میں عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا واقعہ مذکور ہے کہ انھوں نے عورتوں سے کنارہ کشی کر لی اور خصی ہو جانے کا ارادہ ظاہر کیا کہ شہوت کی زحمت سے نجات پائیں اور فارغ البالی کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی عبادت کریں اور رات دن اسی میں مشغول رہیں — نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے ان کے اس جذبہ کی تردید فرمائی اور بالآخر حضرت عثمان بن مظعون رضؓ کو اس ارادہ سے باز آنا پڑا۔[1]

ایک حدیث میں ہے کہ تین شخص نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ پر آئے، اور آپ کی ازواج مطہرات سے آپ کی عبادت کے متعلق پوچھا — اُن سے آپ کی عبادت کی کیفیت بیان کی گئی — سنکر انھوں نے جو رائے ظاہر کی، اس سے معلوم ہوتا تھا کہ شاید وہ آپ کی اس عبادت کو کم سمجھ رہے ہوں، چنانچہ انھوں نے

---

[1] مشکوٰۃ۔ کتاب النکاح

کہاں بھی کہ کہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کے سارے گناہ رب العزت نے معاف کر دیئے اور کہاں ہم سراپا گنہگار ـــ ایک نے کہا: میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا دوسرے نے کہا: میں دن میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا ـــ تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا اور شادی سے ہمیشہ پرہیز کروں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی جب اطلاع ہوئی تو آپ ان کے یہاں تشریف لے گئے اور فرمایا: تم لوگوں نے ایسی باتیں کہی ہیں؟ پھر فرمایا: سنو! خدا کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالےٰ سے ڈرتا ہوں ـــ اور تم سب سے بڑھ کر متقی ہوں، لیکن بایں ہمہ روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں ـــ یعنی روزے نہیں بھی رکھتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں ـــ نکاح بھی کرتا ہوں اور عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں ـــ پس جو بھی میرے طریقہ سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے[1]

اس حدیث کے آخیر حصہ سے مجھے ثابت کرنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو تنبیہہ کی جنہوں نے فخریہ انداز میں کہا تھا کہ عورتوں سے علیحدہ رہیں گے اور شادی سے پرہیز کریں گے۔ رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا عمل پیش فرما کر ان کے خیال کی تردید کی اور اخیر میں فرمایا:

اتزوج فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔	"میں شادی کرتا ہوں، پس جو میرے طریقہ سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے"!

(بخاری باب الترغیب فی النکاح)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عکاف بن بشر تمیمی رضی اللہ عنہ ایک دن خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا

---

[1] بخاری کتاب النکاح

اے عکاف! تمھارے بیوی ہے؟ حضرت عکاف نے جواب دیا: نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: لونڈی؟ — حضرت عکاف نے کہا: یہ بھی نہیں۔ یہ جواب سنکر آپ نے فرمایا: صلاحیت رکھتے ہو اور خوشحال بھی ہو پھر بایں ہمہ تم نے شادی سے گریز کیا؟

اذانت من اخوان الشیاطین "تب تو تم شیطان کے بھائیوں میں سے ہو" (جمع الفوائد کتاب النکاح عن احمد)

پھر بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی کرادی۔

ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی خدمت نبوی میں عرض کیا کہ: یارسول اللہ میں ایک جوان مرد ہوں — زنا کا خطرہ محسوس کرتا ہوں اور اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ شادی کرسکوں۔ ان کا منشاء یہ تھا کہ خصی ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے یہ سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے پھر یہی عذر بیان کیا اور اجازت کی درخواست کی — اب کی دفعہ بھی آپ نے خموشی ہی اختیار فرمائی — تیسری مرتبہ پھر حضرت ابوہریرہؓ نے اپنا سوال دہرایا — اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خموشی توڑی اور فرمایا: اے ابوہریرہ! جو کچھ ہونے والا ہے — وہ لکھا جاچکا ہے تم خصی ہو یا نہ ہو۔ پھر تم خواہ مخواہ ایک موہوم خدشہ کی وجہ سے غلط اقدام کی اجازت طلب کرتے ہو[1] اسی بنیاد پر اپنے آپ کو خصی بنالینا اسلام میں ناجائز ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو سختی سے اس بات سے منع فرماتے تھے کہ ہم عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیں، اور فرماتے تھے کہ تم لوگ شادی کرو[2]۔

بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کی ذمہ داریوں کے قبول کرنیکی

---

[1] بخاری باب مایکرہ عن التبتل [2] بلوغ المرام لابن حجر کتاب النکاح

اجازت کسی کی معاشی حالت اگر نہ دیتی ہو۔ تو ایسوں کو مشورہ دیا گیا ہے کہ روزے رکھ کر جنسی میلان کے زور کو توڑیں۔ لیکن اختصا یعنی اپنے آپ کو خصی بنانے کی اجازت اسلام میں نہیں دی گئی، روزہ ہی کو خصی بنانے کا قائمقام قرار دیا گیا۔

بہرحال پیغمبر اسلام نے اس شدومد سے نکاح سے کنارہ کشی کرنے والوں کی اس لئے تردید فرمائی کہ یہ اقدام نہایت غلط تھا۔ اور اسلام کی روح کے خلاف ایک ایسی نعمت جو اللہ تعالےٰ نے انسانوں کو دی ہے، اس کا یہ مصرف کسی طریقہ سے مناسب نہ تھا۔ اگر خدانخواستہ یہ بات اسوقت روا نہ کی جاتی تو آج اس کا بڑا خطرناک انجام ہوتا۔

پاکیزہ نفس عورت رسول اللہ کی نظر میں

اسلام کا نقطۂ نظر ان ہی وجوہ سے عورت کے متعلق ان راہبانہ وسوسوں سے بالکل مختلف ہے جنکا ذکر عیسائی رہبانوں سے کر چکا ہوں۔ بجائے زہر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الدنیا کلھا متاع وخیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ (مسلم) "پوری دنیا متاع ہے اور بہترین متاع نیک عورت ہے"۔

جس دین میں عورت دنیا کی بہترین نعمت ہو اس میں یہ کیونکر برداشت کیا جا سکتا ہے کہ اس کو ناپاک قرار دیا جائے اور اس سے کنارہ کشی کا حکم فرما دیا جائے باقی یہ سوال کہ نیک عورت دنیا کی بہترین پونجی ہے — ؟ سوچا جائے تو آسانی سے بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ عورت مرد کو بہت سے خطرات وسیئات سے محفوظ رکھتی ہے — طبیعت کو اس سے تسکین حاصل ہوتی ہے اور فطری بے چینیوں کے ازالہ کا ذریعہ وہی ہے اور یہ ایک مسلّم بات ہے

کہ انہی امور کے حصول کے بعد کوئی آدمی یکسوئی سے کوئی نیک کام انجام دے سکتا ہے اور برائیوں سے بچ سکتا ہے ـــ ورنہ نفسیاتی خواہشات کی ادھیڑ بُن سے فرصت ملنا ہی محال ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حبب الیّ من الدنیا النساء	دنیا کی چیزوں میں سے میرے دل میں
والطیب وجعلت قرۃ	عورت اور خوشبو کی محبت ڈالی گئی
عینی فی الصلوٰۃ	اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز کو
(نسائی کتاب عشرۃ النساء)	بنایا گیا۔"

ترغیب نکاح کیساتھ وعدۂ غناء

اوپر کی حدیثوں کو غور سے پڑھا ہوگا تو معلوم ہوا ہوگا کہ اسلام انسان کو، اور خصوصیت سے اپنے پیرو کو جائز طور پر شادی کرنے کی بے حد ترغیب دیتا ہے اور یہ بھی سُن چکے کہ ناقابل برداشت حد تک جنسی میلان کا تقاضا پہنچ جائے تو نکاح اسلام میں واجب ہو جاتا ہے ـــ فقہاء اسلام کا یہ اتفاقی مسئلہ ہے۔ مسئلہ کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ معاشی خطرات کو خواہ مخواہ محسوس کر کر کے نکاح سے جو کترانا چاہتے تھے۔ قرآن میں انہی کو حکم دیا گیا ہے کہ:

اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ	"اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالےٰ
اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ	اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا
عَلِیْمٌ۔ (نور ـــ ۴)	اور اللہ کشائش والا ہے۔"

معاشی مسائل کے متعلق صرف عقلی مشوروں پر جینے والے جن اوہام اور وساوس میں تہ و بالا ہوتے رہتے ہیں، وہی اکثر سوچتے ہیں کہ "شادی کیسے کریں؟" ـــ افلاس نے گھر میں ڈیرہ ڈال رکھا ہے، بیوی اور پھر بال بچوں کی خوراک پوشاک

کا کیا نظم ہوگا؟

اس قسم کی تنگ خیالیوں کے معاملہ میں حق سبحانہ تعالیٰ کیطرف سے دلاسا اور تسلی دی گئی ہے کہ اس مسئلہ کو اتنا پریشان کن نہ بناؤ — رزق کا معاملہ میرے ہاتھ میں ہے۔ بار بار قرآن میں اطمینان دلایا گیا ہے کہ :

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۔ (الطلاق — ۱)
"اور وہ اسکو رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو خیال بھی نہیں گزرتا۔

نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ (الانعام) ہم تم کو اور ان کو رزق دیں گے"۔

مطلب یہی ہے کہ حال پر مستقبل کو قیاس نہ کرنا چاہیئے — " الرزاق ذوالقوۃ المتین پر اعتماد کر کے چاہیئے کہ نکاح کا زمانہ جب آجائے تو آدمی نکاح کرے اور اس مسئلہ کو خدا کے سپرد کر دے، بیوی اور پھر بال بچوں کے نان نفقہ کا سامان من جانب اللہ ہوگا۔ ممکن ہے بیوی کی شرکت سے خیر و برکت بڑھ جائے، بیوی کا خاندان امداد کرے یا کسی جائز ذریعہ معاش کا بندوبست کر دے، خود شادی کرنے والے میں شادی کے بعد مستعدی، اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے، کبھی خود بیوی ہاتھ بٹاتی ہے اور کبھی اس طرح کا کوئی دوسرا سامان فراہم ہو جاتا ہے — مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس ٹکڑے کے تفسیری ترجمہ میں فرماتے ہیں :

" اور احرار کے نکاح میں اس اپنے عزیز یا عزیزہ کے شوہر یعنی پیغام دینے والے کے فقر و افلاس بالفعل کو جبکہ بالقوہ اس میں مادۂ اکتساب وخدمت عیال کا ہوتا ہے — مت سمجھا کرو، کیونکہ اگر وہ لوگ مفلس ہوں گے تو خدا تعالےٰ اگر چاہے گا ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا — پس نہ عدم غنا کو مانع نکاح سمجھیں! اور نہ نکاح کو مانع غنا۔ اس کا دار و مدار مشیت پر ہے، اگر فقر کے

ساتھ مشیت متعلق ہو جائے، تو باوجود نکاح نہ ہونے کے بھی ہو جائے گا، اور اگر غنا کے ساتھ مشیت متعلق ہو جائے تو باوجود نکاح ہونے کے بھی نہ ہوگا، پس ایسے ارتباطات وہمیہ باطلہ پر کیوں نظر کی جائے، اور اللہ تعالےٰ وسعت والا ہے، جسکو چاہے غنی کر دے اور سب کا حال خوب جاننے والا ہے، جس کو اہل غنا کا دیکھے غنی کر دے جس کو فقر کا اہل جانے فقیر کر دے[۱]"

فقر وفاقہ کے شبہات وشکوک کا حل

اس تفسیری ترجمہ سے انسان کے ان سارے شکوک کے جواب مل جاتے ہیں جو انسانی عقل میں پیدا ہو سکتے ہیں، باوجود اختصار اس میں ہر پہلو کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ نکاح کے بعد بھی اگر کسی کا فقر قائم نظر آئے، اس کا جواب بھی دیا گیا ہے کہ در اصل مشیّت الٰہی سے متعلق ہے، مگر چونکہ یہاں پہنچکر انسان کو خصوصیت سے فقر و افلاس کے شبہات پیدا ہوتے ہیں، اس لئے اس موقع پر قرآن پاک نے خصوصیت سے اس موہوم خطرہ کا تذکرہ کر کے اس سے انسان کو نکالنے کی سعی کی ہے۔ قرآن پاک نے ایک دوسری جگہ بھی اس طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ "اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو اللہ آئندہ تم کو اگر اس نے چاہا غنی کر دیگا"

اس آیت میں بھی غنا کو اللہ تعالےٰ کی مشیت پر معلق کیا گیا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ موہوم فقر سے ڈر کر ضروری کام چھوڑنا نہیں چاہیئے، — کیونکہ اللہ تعالےٰ فقر کے بعد بھی غنا پیدا کر دیتا ہے۔ بہرحال ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ:

[۱] بیان القرآن جلد ہشتم ص ۱۷

ربُ العزّت نے انسان کو شادی کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ فقر کو حیلہ بنا کر نکاح سے کترانا بے ہودہ خیال قرار دیا ہے، بلکہ اللہ تعالےٰ نے کھل کر وعدہ کیا ہے کہ اگر اس میں استعداد و صلاحیت ہے اور اس نے فوری محتاجی اور تنگ دستی کے خطرات کو دل سے نکال ڈالا ہے تو ایسی حالت میں وہ کوئی نہ کوئی سامان ضرور کر دے گا ــــ ہاں انسان کا فریضہ ہے کہ وہ حصولِ رزق کے لئے تدابیر اختیار کرے اور اس کے لئے جدوجہد کرے : لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔

صحابہ کرام رضؓ کا تاثر

قرآن پاک کی اس آیت : ان یکونوا فقراء یغنیھم اللہ من فضلہ ؛ کو پڑھ کر حضرت ابن عباس فرماتے ہیں : اللہ تعالےٰ نکاح کی رغبت دلاتا ہے، اور اس شخص کو شادی کا حکم دیتا ہے جس میں شادی کی صلاحیت پائی جائے اور ساتھ ہی غنا کا وعدہ فرماتا ہے[۱]۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ فرماتے ہیں کہ نکاح کے متعلق اللہ تعالےٰ نے جو حکم فرمایا ہے، اس پر عمل کرو، اور ربّ العزت کی اس امر میں اطاعت کرو ــــ اس سلسلہ میں اس نے تم سے جو کچھ وعدہ فرمایا ہے پورا کرے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ شادی کے ذریعہ غنا تلاش کرو، اس لئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

التمسوا الغنیٰ فی النکاح { ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۶ } "غنا نکاح میں تلاش کرو"

حضرت ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ثلاثۃ حق علی اللہ عونھم — "جن کی مدد اللہ پر لازم ہے تین ہیں

المکاتب الذی یرید الاداء و — ایک مکاتب جو ادا کا ارادہ رکھتا ہے،

اَلنَّاکِحُ الَّذِیْ یُرِیْدُ الْعَفَافَ وَ	دوسرا نکاح کرنے والا جو عفت و
الْمُجَاھِدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۔	پاک دامنی کا ارادہ کرتا ہے اور تیسرا
(مشکوٰۃ کتاب النکاح)	اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا"

حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ رسول الثقلین صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عورتوں سے شادی کرو، وہ تمہارے یہاں مال اور دولت لانے کا ذریعہ ثابت ہوں گی۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کی آمد کی وجہ سے روزی میں برکت دے گا۔[1]

حضرت جابر کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص اللہ تعالےٰ پر اعتماد کر کے شادی کرے اور دل میں اسکی خوشنودی کا جذبہ رکھے تو اللہ تعالےٰ پر حق ہے کہ وہ اس شخص کی مدد کرے، اور اس کو برکت عطا کرے۔[2]

حالتِ فقر میں اجازتِ نکاح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے فقر کا شکوہ کیا تو آپ نے اس کو نکاح کرنے کا حکم فرمایا[3]۔ ماحصل یہ ہے کہ فوری فقر اور تنگ دستی کا خود رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے بالکل خیال نہیں فرمایا۔ اور نہ اسکی وجہ سے کسی کو نکاح کی اجازت دینے میں پس و پیش فرمایا۔

حدیث کی کتابوں میں واقعات مذکور ہیں کہ آپ نے فوری فقر میں صحابہ کرام کو شادی کا حکم دیا، کسی کے پاس کچھ نہ تھا صرف لوہے کی ایک انگوٹھی تھی اور آپ نے اسے شادی کا حکم دے دیا، کسی صحابہ کی تعلیم قرآن پر شادی کرا دی جس کے پاس اس کے سوا کوئی دولت نہ تھی۔ کوئی خدمت نبوی میں آیا اور شادی

---

[1] جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۱۶ [2] ایضاً: کتاب النکاح

[3] حاشیہ بیان القرآن ج ۸ - ص ۱۷

کی خواہش ظاہر کی، اور اسکے پاس ایک ازار (لنگی) کے سوا کچھ نہ تھا۔ آپ نے اسے شادی کی اجازت دے دی۔ کسی نے اپنی بیوی کو صرف جوتی دی اور آپ نے شادی کی اجازت دی، حدیہ ہے کہ ایک لپ ستو اور کھجور پر شادی کی اجازت دے دی۔[1]

ان حدیثوں کو پیش کر کے کہنا یہ ہے کہ عہد نبوی میں خود ذات برکت سمات رحمت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح کے واقعات پیش آئے، جو بتاتے ہیں کہ تنگ دستی اور فقر و فاقہ کے اس عالم میں شادی کی اور کرائی گئی اور اللہ تعالےٰ نے خیر و برکت دی اور رزق کا سامان فرمایا:

اسلام نے شادی کو اتنی اہمیت کیوں دی؟ —— اور پیغمبر اسلام نے لوگوں کی شادی ایسی تنگدستی میں کیوں کرائی؟ سوچا جائے تو یہی معلوم ہوگا —— کہ سارا اہتمام اس لئے عمل میں آیا کہ عفت و عصمت کی پاکیزہ زندگی میسر آئے، اور اس طرح جائز طور پر بچے پیدا ہوں۔ جس سے پاکبازی پھیلے، اور پھر دنیا میں اخلاق اور عزت و آبرو کی مٹی پلید نہ ہو سکے۔

نکاح سے بالکل مجبوری کی حالت میں عفّت کی تاکید

ہاں انسان میں شادی کی جب بالکل صلاحیت نہ ہو —— نہ بالفعل اور نہ بالقوّت، وہ دائمی طور پر مجبور ہو، یا اس کو بیوی نہ مل سکے تو ایسی حالت میں اسلام نے اجازت دی ہے کہ اس وقت تک شادی روکی جاسکتی ہے۔ جب تک انسان میں صلاحیت و استعداد نہ آجائے یا بیوی نہ مل جائے، مگر اس حالت میں بھی اسے عفت اور پاک دامنی کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے، ارشادِ

[1] ان واقعات کے لئے دیکھئے مشکوٰۃ باب الصداق یا بخاری و مسلم میں باب المہر وغیرہ

ربّانی ہے :

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (نور-۴)

"ایسے لوگ جن کو نکاح کی استعداد نہیں ہے وہ ضبط کریں تا آنکہ اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے۔"

مختصر یہ ہے کہ اسلام نے رشتۂ ازدواج پر زور ڈالا ہے اور بالکل مجبوری کی حالت میں حکم دیا ہے کہ ضبطِ نفس اور پاک دامنی سے کام لے، اور ضبطِ نفس کی جو جائز صورت ہو عمل میں لائے ۔۔۔ رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے مجبور آدمی کے لئے حکم دیا ہے کہ روزہ رکھ کر خواہشات نفسانی کا زور توڑے، ایسا نہ ہو کہ شہوت کا غلبہ کہیں بدکاری پر آمادہ کرے۔

وَمَن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ وجاء (مشکوٰۃ کتاب النکاح)

"جو شخص اسباب جماع پر قدرت نہ رکھتا ہو، اس پر روزہ لازم ہے کہ وہ شہوت کو توڑتا ہے۔"

کتب احادیث میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق تذکرہ ملتا ہے کہ وہ مجبوری کی وجہ سے شادی نہ کر سکے، حالانکہ نکاح کی ان کو ضرورت تھی ۔۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روزہ رکھنے کا حکم دیا اور انھوں نے اس پر عمل کر کے اپنے آپ کو گناہ سے محفوظ رکھا۔ جب اللہ تعالےٰ نے شادی کا سامان فراہم کر دیا تو پھر انھوں نے شادی کر لی۔

شادی سے اجتناب اور اُسکے نقصانات

نکاح کا یہ تاکیدی حکم مصلحت وحکمت پر مبنی ہے — انسان کی سرشت میں جنسی میلان رکھا گیا ہے، بلوغ کے بعد اس میلان کے آثار کا ظہور شروع ہوتا ہے اور بتدریج شدت پذیر ہوتے ہوئے، تقاضے کا رنگ اختیار کر لیتا ہے — سوتے جاگتے، چلتے پھرتے اور اٹھتے بیٹھتے — ہر وقت اسی احساس کو اپنے اوپر غالب ومستولی پاتا ہے۔ دل اور عقل میں جنگ جاری رہتی ہے۔ طبیعت حدود کی پرواہ کئے بغیر ابھارتی ہے کہ خواہش پوری ہو — خواہ جس ذریعہ سے بھی ہو۔ عقل خواہش پر لگام لگاتی ہے — الغرض طبیعت اور عقل کی اس کشمکش میں کبھی عقل کو غلبہ حاصل ہوتا ہے، اور کبھی طبیعت ہی عقل کو دبا دیتی ہے، غیر ازدواجی زمانہ خصوصاً ایام شباب میں — یہی کشمکش ہے، جس سے گزرنے والے گزرتے رہتے ہیں۔

مگر انسان جب شادی کرلے اور جائز راستہ حصول خواہش کے لئے پیدا ہو جائے تو پھر وہ اس خود آفریدہ کشمکش سے نجات پا جاتا ہے — اور لاحاصل خیالات کی ادھیڑبن سے محفوظ ہو کر وقت کو صحیح مصارف میں صرف کرنے کا موقع خود بخود مل جاتا ہے۔ طمانیت اور یکسوئی میسّر آتی ہے — اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ جو کام یکسوئی اور دل کی طمانیت کے ساتھ انجام پائے گا — وہی نتیجہ خیز ہوگا۔

مقاصدِ نکاح

زن وشو کے باہمی جنسی تعلقات کے تین ضروری مقاصد بیان کئے گئے ہیں

یعنی نسلِ انسانی کے اجرا کا یہ ذریعہ ہے ، یہ تو خیر عام بات ہے ، قیام قیامت تک آدمی کا وجود اسی کا رہینِ منت ہے ۔ پہلی بات تو یہ ہوئی ، دوسرا طبی نفع بھی کہ مادہ تولید اگر جسم سے خارج نہ ہو تو طرح طرح کے امراض کا خطرہ رہتا ہے اور طبعی تقاضے کی تکمیل سے لذت و سرور ، یہ تیسرا فائدہ ہے ۔۔۔ ماہرین ڈاکٹروں اور حکیموں کی رائے ہے کہ انسانی صحت کی حفاظت کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب جماع بھی ہے[1]۔

مادۂ تولید اور اسکا اخراج :

جالینوس کا قول ہے کہ مادہ تولید پر آگ اور ہوا غالب ہے اور اس کی طبیعت گرم و تر ہے ۔۔۔ اسکا فاضل حصہ جب بھی روک لیا جاتا ہے ، یا رک جاتا ہے اور اسی طرح ایک عرصہ تک رکا رہتا ہے تو اس سے خراب قسم کی بیماریاں جنم لیتی ہیں ، کبھی وسواس کی بیماری ہوتی ہے ، کبھی جنون کا مرض لاحق ہو جاتا ہے اور کبھی مرگی کی بیماری پیدا ہوتی ہے ۔۔۔ نیز مادۂ تولید کا اخراج معتدل صحت پر خوشگوار اثر ڈالتا ہے ۔ بہت سی بیماریوں سے آدمی محفوظ رہتا ہے ، ورنہ رکاوٹ سے ایک زہریلا مادہ تمام جسم میں دوڑ جاتا ہے جو صحت کے لئے مضر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے زیادتی کے وقت انسانی طبیعت اس کے باہر نکالنے پر مجبور ہوتی ہے[2]۔

" نفیسی " جو طب کی مشہور کتاب ہے ، اس کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت سے مقاربت اس وقت کرنا چاہیئے جب طبعی خواہش پوری قوت سے اس کی متقاضی ہو ۔۔۔ طبیعت کا واقعی تقاضا ہو ۔۔۔ تکلف اور جبری

---

[1] زاد المعاد ج ۳ ص ۱۴۶ [2] ایضاً

تصورات وخیالات کا نتیجہ نہ ہو۔ علامت طبعی تقاضے کی یہ ہے کہ مادۂ تولید میں گویا اضطراب و التہاب کی کیفیت محسوس ہو، بے قراری کا سا حال طاری ہو جائے۔ یہی مقاربت کا صحیح وقت ہے۔ ورنہ بغیر اس کے صحت کو اس فعل سے نقصان ہی پہنچتا ہے۔

آخر میں علامہ نفیسی لکھتے ہیں:

وحینئذٍ لابد من الجماع ودفع المنی لانه اذا ترك وکثر فی الاوعیة خنق الحار الغریزی واطفاه و یلزم ذلك ان یبرد ویبرد البدن۔ (نفیسی ص۴۱۳)	"اور اس وقت مقاربت اور مادۂ تولید کا خارج کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر اسے ترک کر دیا جائے گا اور وہ ظرف میں زیادہ ہو جائے گا تو حرارت غریزی کا یہ گلا گھونٹ دیگا اور اسے بجھا دیگا، اور یہ لازم ہوگا کہ وہ خود ٹھنڈا پڑ جائے اور بدن کو بھی ٹھنڈا کر دے"

مادۂ تولید کا حبس اور اسکے نقصانات:

نقصانات یہیں ختم نہیں ہو جاتے، بلکہ اور بھی مفاسد پیدا ہوتے ہیں:

وقد یستحیل المنی الی طبعیة سمیة ویرسل الی القلب والدماغ بخاراً ردیا سمیا یوجب الغشی والصرع ونحوهما۔ (نفیسی۔ ص ۴۱۳)	"مادہ تولید زہر آلود طبیعت میں بدل جائے گی اور یہ زہر آلود مادہ دِل اور دماغ کی طرف زہر آلود ردی بخار کو روانہ کر دے گا جو غشی مرگی اور اس طرح کی دوسری بیماریوں کا موجب ہوگا"

پھر آگے لکھتے ہیں کہ :

"مادۂ تولید جو خود نکلنے کے لئے بے چین ہو، تو اس کا خارج کرنا ضروری ہے، تاکہ وہ غذا قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کر سکے"[1]

علامہ ابن القیم نے بہت درست لکھا ہے کہ مقاربت سے بالکل کنارہ کش نہ ہونا چاہیئے، ورنہ جسطرح اس کنوئیں کا پانی خراب ہو جاتا ہے جس کا پانی نکالا نہیں جاتا — یہی حشر کلی پرہیز کا بھی ہوگا۔ محمد بن زکریا فرماتے ہیں کہ ترک مقاربت سے اگر وہ کچھ عرصہ قائم رہے تو اعصاب کی قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں، اس کے سوت بند ہو جاتے ہیں اور نسلی عضو سکڑ کر رہ جاتا ہے[2]۔

ایک موقع پر علامہ نوویؒ لکھتے ہیں :

وربما غلبت على الرجل شهوته فيتضرر بالتاخير في بدنه او قلبه او في بصره۔	"مرد پر جنسی میلان کا تقاضا بسا اوقات مستولی ہو جاتا ہے، اگر اس تقاضے کی تکمیل میں تاخیر سے کام لیا جائے گا تو نقصان بدن کو بھی پہنچتا ہے اور دل کو بھی، بینائی کو بھی"
نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۴۵۰	

ان تمام اقوال سے معلوم ہوا کہ شادی کرنا ضروری ہے، کیونکہ مادۂ تولید کا اخراج تقاضے کی شدت کے وقت نہ کیا جائے گا تو صحت بھی بگڑتی ہے اور اس کے سوا بھی دینی و دنیوی نقصانات کا آدمی نشانہ بن جاتا ہے۔

[1] نفسیی ص ۲۱۴ [2] زاد المعاد ج ۳ ص ۱۴۶

آوارگی اور زنا کار استہ :

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

" مادۂ تولید کی پیداوار میں جب زیادتی پیدا ہو جاتی ہے تو اسکا بخار دماغ کی طرف چڑھتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوب صورت عورتوں کو دیکھنا آدمی کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے ، اور ان کی محبت دلوں میں جگہ بنانے لگتی ہے ، اس بخار کا ایک حصہ شرمگاہ کی طرف بھی آتا ہے ، جس کی وجہ سے تقاضے میں شدّت پیدا ہوتی ہے اور مقاربت کی قوت اُبھرتی ہے اور یہ عموماً نوجوانی کے دور میں ہوتا ہے اور شادی نہ ہونے کی صورت میں بالآخر یہ چیز زنا کیلئے اُبھارتی ہے۔ اس کے اخلاق گندے ہونے شروع ہوتے ہیں ، اور ایک دن شہوت اسے بڑے خطروں میں ڈال دیتی ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۲۲)

ہمبستری کے فائدے

رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے

یامعشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر و احصن للفرج	"اے جماعت نوجوانان ! تم میں سے جو اسباب مقاربت پر قدرت رکھے اسے چاہیئے کہ وہ نکاح کرے ۔ نکاح ناجائز دید کی روک ہے اور شرمگاہ

کا محافظ ہے۔[1] (مشکوٰۃ من البخاری ومسلم)

جالینوس نے اپنی کتاب حفظ الصحۃ میں لکھا ہے کہ :

"بیوی سے اختلاط مخصوص اعتدال کے ساتھ تندرستی کے مختلف ذرائع میں سے ایک بڑا ذریعہ ہے اور بہت سے امراض کی شفا ہے۔[1]"

علامہ نفیسی لکھتے ہیں :

"مقاربت کرنے سے حرارت عزیزی بڑھتی ہے اور یہ فعل بدن کو غذا قبول کرنے کی صلاحیت بخشتا ہے۔ انسان کو خوش رکھتا ہے، غصہ کو توڑتا ہے، بے ہودہ خیالات کو دور کرتا ہے اور بہت سے سوداوی اور بلغمی امراض کیلئے مفید ہے۔ ترک مقاربت صحت کے لئے مضر ہے، اور اس سے پرہیز کرنے والا بہت سی تکلیفوں اور مہلک بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔[2]"

جائز ہمبستری اور تزکیۂ قلب

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی مدظلہ، اپنے ایک ارادتمند کو لکھتے ہیں :

اما قولکم ان الباطن مع	"تمہارا یہ کہنا کہ شادی کرنے کے بعد
الاشتغال بالزوجۃ لا	باطن کی اصلاح ناممکن ہے میں اسے
یمکن فلا اکاد اسلمہ، فان	تسلیم نہیں کرتا، کیونکہ مقاربت تو دل
الجماع یصفی القلب و یزیل	کو جلا بخشتی ہے اور روحانی آلائشوں

---

[1] حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام ج ا ص ۳۲ [2] نفیسی ص ۲۱۵

الکدورات الروحیۃ وقد قال شارح کتاب القاضی عیاض "کل شھوۃ یسود القلب الا الجماع فانہ یزیدہ صفاء" (مکتوبات شیخ الاسلام) ج ۲ ص ۳۱

کو صاف کرتی ہے۔ قاضی عیاض کے شارح نے کہا ہے کہ: "ہر شہوت قلب کو سیاہ کرتی ہے مگر ایک مقاربت کا فعل کہ اس سے دل کو روشنی حاصل ہوتی ہے۔"

ہمبستری میں اعتدال

مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اعتدال کے حدود کو توڑ کر اسی مشغلہ میں آدمی ڈوب جائے، کیونکہ یہ بے اعتدالی بھی سخت مضر ہے۔ اوپر جالینوس اور نفیسی کے جو اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ اس میں اس طرف اشارہ موجود ہے کہ اس فعل میں اعتدال کا لحاظ ازبس ضروری ہے، صادق اور سچے تقاضے کے بعد ہی یہ مفید ہے، ورنہ خواہ مخواہ زور و جبر سے آمادہ ہو کر اس میں مشغول ہونا حد سے زیادہ مضر ہے۔ نفیسی لکھتے ہیں:

والافراط فی الجماع یسقط القوۃ ویضر العصب فیوقع فی الرعشہ والفالج والتشنج ویضعف البصر (ص ۴۱۶)

"مقاربت کی کثرت قوت کو گھٹا دیتی ہے، رگ پٹھوں کو نقصان پہنچاتی ہے۔ پھر رعشہ، فالج، اور تشنج اس سے پیدا ہوتا ہے۔ اور بینائی کی قوت کمزور ہوتی ہے۔"

معلوم ہوا کہ مقاربت کی زیادتی انسان کو سخت نقصان میں ڈالتی ہے۔ اس سے پرہیز بڑی حد تک ضروری ہے، اس حد تک رہے جو اس کی صحت کے لئے مفید ہو، اور دین کے کاموں میں الجھنوں سے محفوظ رکھے۔

جائز راستوں کا ترک اور اسکا عبرت ناک انجام

اتنی بات جب ثابت ہو چکی کہ مادۂ تولید کا خارج ہوتے رہنا صحت کے لئے ضروری ہے، قدرت نے جو فطری طریقہ اس کے اخراج کا مقرر کر دیا ہے اس سے انحراف کر کے جو مادۂ تولید کو غیر فطری راہوں سے نکال نکال کر برباد، اور ضائع کرتے ہیں ان کو قدرت کے انتقام سے ڈرنا چاہیئے ـــــ آدمی آئندہ نسلوں کا امین ہے، اس امانت کیساتھ خیانت ہولناک مستقبل کو سامنے لاتا ہے، اتنا ہولناک جسکا اندازہ اس وقت نہیں ہوتا جس وقت خیانت کرنے والے اس امانت میں خیانت سے کام لیتے ہیں، اور غیر فطری راہوں سے اس کو ضائع کرتے ہیں۔

محمد بن زکریاؒ کا بیان ہے کہ ایک جماعت جس نے مقاربت کا فطری طریقہ چھوڑ دیا تھا ـــــ اور مادۂ تولید کو غیر فطری راہوں سے ضائع کرتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان کے بدن ٹھنڈے پڑ گئے ـــــ ان کی تیزی میں سستی آگئی، بلا سبب ان پر حزن و ملال چھایا رہنے لگا، ان کی اُمنگیں پژمردہ ہو کر رہ گئیں ـــــ اور ان کا ہاضمہ خراب ہو گیا۔

غیر فطری طریقوں میں نقصانات!

جو لوگ مادۂ تولید کو غیر فطری طریقوں سے نکالتے ہیں ان کی صحت دائمی طور پر خطرہ میں گھر جاتی ہے اور وہ پھر عورت کے لائق باقی نہیں رہتے جس سے ملک کا بڑا نقصان ہوتا ہے ـــــ آدمی کی پیداوار رک جائیگی اور عورتیں بے سہارا رہ جائیں گی۔ استمنا بالید (اپنے ہاتھوں اپنے اوپر ظلم کرنے والے) یا عادتِ قومِ لوط کو اختیار کر کے جو اپنے جسم اور اپنی روح پر ستم کے پہاڑ توڑتے ہیں ـــــ ملعونوں کا

یہ طبقہ جس پر خدا کی، خدا کے فرشتوں کی لعنتیں برستی ہیں، اپنے لئے بھیانک نتیجوں کو مرنے سے پہلے اسی زندگی میں جن شکلوں میں دیکھ لیتا ہے اُسی سے اندازہ کرسکتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کو کن حالتوں سے دو چار ہونا پڑے گا۔

آج دنیا کے جعلی دوافروشوں کا تختۂ مشق ساری دنیا میں خدا کا پھٹکارا ہوا یہی طبقہ بنا ہوا ہے، جو کچھ اس پر گزرتی ہے کسی سے کہہ بھی نہیں سکتا۔ اندر ہی اندر گھٹتا ہے اور لوگ اس کی کمزوریوں سے نفع اٹھاتے ہیں — اُنکے نقصانات کا اندازہ کرنے کے لئے یہ اقتباس پڑھیں جو ایک معتمد حکیم کی تحریر ہے:

"استمنا بالید، اس بد خصلت اور قبیح حرکت کی ابتداء تو افریقہ سے ہوئی لیکن عرب، مصر، ہندوستان بلکہ دنیا کے تمام مہذب اور غیر مہذب ممالک میں یہ بدعادت قدیم ایام سے کم وبیش برابر جاری ہے اکثر طالب علم مجرد لوگ اور ریاکار زاہد ہی اس مرض میں مبتلا ہوا کرتے ہیں۔

یہ ایک ایسا قبیح اور شنیع فعل ہے کہ جس کی بدولت بہت سے خاندان تباہ ہوئے اور ہو رہے ہیں، برادرانِ وطن کی عام ناطاقتی اور کمزوری اس کی بیّن شہادت ہے۔ صرف یہی اکیلی حرکت ناشائستہ آجکل ہماری نسلوں کو بحد کمزور بنا رہی ہے، جوانوں کی جوانی خاک میں ملانے والی شباب کی امنگوں اور حوصلہ پر پانی پھیرنے والی، اور ترقی و ترفع کے ولولوں کو ملیا میٹ کرنے والی یہی بدترین خصلت ہے، کاش اس وبائے عام کے مہلک نتائج اب بھی جوانوں کے سامنے آئیں، کاش ان کی آنکھیں کھلیں اور سینکڑوں واقعات سے عبرت و بصیرت حاصل کریں — یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ

اس تباہ کن عادت میں اسّی فیصدی آدمی گرفتار ہیں، اور اس کے اندازے کے لئے بہترین معیار وہ روزانہ کے خطوط ہیں جو حکیم صاحب قبلہ دام اقبالہم کی خدمت میں تجویز دوا و علاج کے لئے آتے ہیں۔ یہ اپنے ہاتھوں سے اپنی بہترین زندگی کو خاک میں ملاکر، زندہ در گور ہوکر ہمیشہ کف افسوس ملتے رہتے ہیں، ان نتائج کا اثر قلب و دماغ و جگر و معدہ و گردوں اور آلات تولید پر یکساں پڑتا ہے۔ ایک اور قبیح و شنیع حرکت بھی ہوتی ہے — وہ اغلام ہے، اس کے نتائج بھی قریب قریب جلق ہی جیسے ہوتے ہیں، اور اس علت کا گرفتار بھی ایسی ہی پریشانی اٹھاتا ہے جیسے مجلوق، ان دونوں... صورتوں میں عضو مخصوص کے پٹھے بالکل کمزور ہوجاتے ہیں اور ماند پڑجاتے ہیں نیز رطوبات فاسدہ جمع ہوکر اس کو فعل طبعی سے روک دیتی ہے — اور اسی وجہ سے ضعف انتشار اسکا اولین نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ بات مانی جاچکی ہے کہ ہاتھ میں ایک قسم کی سمیت ہوتی ہے[1]۔"

غیر فطری راستوں سے تکمیل شہوت اسلام کی نظر میں

اسلام نے اسی لئے نسل انسانی کے ساتھ ان خباثت کرنے والوں کی سخت سزائیں مقرر کی ہیں۔ حدیث نبوی ہے:

من وجدتموہ یعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول بہ

"تم جس کو دیکھو کہ وہ قوم لوط کا عمل کرتا ہے تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر ڈالو"

(ترمذی ج۱ ص۱۸۶)

---

[1] حاذق صفحہ ۲۲۵، ۲۲۶

مادۂ تولید کی بربادی کی ہی شکل یہ بھی ہے کہ بیوی کیساتھ کوئی عمل قوم لوط کا ارتکاب کرے۔ حدیث میں یہ بھی ہے:

لاینظر اللہ عزوجل الی رجلا اوامرأۃ دبرھا۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو نظر ترحم سے نہیں دیکھیگا جو کسی مرد یا عورت سے لواطت کرتا ہے۔" (ترمذی ج ۱ ص ۱۴۸)

اسی انسانی امانت کی خیانت کی ایک شکل یہ بھی ہے — جس کی طرف حدیث ہی میں اشارہ کیا گیا ہے اور سخت سزا تجویز کی گئی ہے، یعنی:

من اتی بھیمۃ فاقتلوہ۔ "جو کسی چوپایہ سے وطی کرے اسکو قتل کر ڈالو" (جمع الفوائد ج ۱ ص ۳۸۹)

مادۂ تولید کو ہاتھ وغیرہ سے نکال کر ضائع کرنا، اسلام میں اس کی بھی سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے:

الناکح بالید ملعون[۱] "ہاتھ سے منی نکالنے والا ملعون ہے"۔

تجربہ بتا رہا ہے کہ ناکردنی کرنے والوں کے چہرہ کی رونق غائب ہو جاتی ہے — ایک پھٹکارا ہوا، اور بے رونق وہ آدمی معلوم ہوتا ہے، اپنی تندرستی کی نعمت سے وہ محروم ہو جاتا ہے — بسا اوقات مردمی اور رجولیت کی قوت کو بھی یہی عادت کھو دیتی ہے۔

بہرحال جو کچھ اختصار کے ساتھ عرض کیا گیا، اس سے اتنی بات کھل کر سامنے آگئی کہ وہ تمام طریقے جو غیر فطری ہیں — اسلام میں ان کی سختی کے ساتھ سدباب کی کوشش کی گئی ہے، کیونکہ شخصی۔ خاندانی اور عام انسانی نقصانات کا دروازہ ان سے کھل جاتا ہے — قوم کی قوم اور نسل کی نسل کو انہی بری عادتوں نے تہس نہس

---

[۱] اس مفہوم کی حدیث کہیں میں نے دیکھی ہے اس وقت تلاش کرنے پر نہیں ملی۔ ۱۲ منہ

کر کے رکھ دیا ہے!

اجتماعی حیثیت سے نکاح کی افادیت

اسلام میں صرف جائز فطری راہ کھلی رکھی گئی ہے کہ ہر حیثیت سے وہ مفید ہی مفید ہے — یہ جائز طریقہ وہی نکاح کا طریقہ ہے۔ مذاہب و ادیان، آئین — و قوانین سب ہی میں اس فطری جائز طریقہ کو کھلا رکھا گیا ہے۔ اسی رشتہ پر خاندانی اور قبائلی زندگی کا دارومدار ہے۔ نکاح کا طریقہ اگر نہ ہو تو نظامِ حیات درہم برہم ہو جائے، اور مدنیّت و ارتقا کا نام و نشان مٹ جائے۔

کون نہیں جانتا کہ عمر کے ایک مخصوص حصہ میں آکر مرد کو عورت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تاکہ اس سے تسکین حاصل کرے، اور عورت کو مرد کی تلاش ہوتی ہے جس کا سہارا لے کر وہ اپنی سب سے بڑی دولت عصمت کو محفوظ رکھ سکے اور پھر دونوں مل کر پاکدامنی کی زندگی گزاریں، اور حوادثِ زمانہ کے وقت ایک دوسرے کے معاون ہوں۔ مرد کو عقل ہے دل نہیں، عورت کو دل ہے عقل نہیں، یعنی ہر ایک کا ایک پہلو کمزور ہے۔ جب تک دونوں مل نہ جائیں، زندگی مکمل کسی کی بھی نہیں ہو سکتی۔ اور شادی کرنا اجتماعی حیثیت سے بھی ضروری ہے کہ مذکورہ فوائد کے ساتھ اجتماعی شیرازہ بندی میں سہولت پیدا ہو، تعلقات اور باہمی انس و محبت دو خاندانوں کو جوڑ دے اگر شادی نہ ہو تو باپ کہاں سے آئے گا؟ ماں کون ہوگی؟ بھائی بہن کا رشتہ کس طرح پیدا ہوگا؟ شوہر اور بیوی کون کہلائے گا؟ سسر اور سالا کون بنے گا؟ رضاعی اور غیر رضاعی رشتہ کی شاخ کس درخت سے پھوٹے گی بھائی برادری دنیا میں کہاں سے جنم لے گی اور باہمی تعلقات کی جڑ کیونکر

مضبوط ہوگی؟

شادی روشن خیال مفکرین کی نظر میں

شادی کی یہ اہمیت آپ طبی اور مذہبی حیثیت سے پڑھ چکے — اب یہ بھی ملاحظہ کیجئے کہ دنیا کے موجودہ مفکرین اور روشن خیال اس سلسلہ میں کیا رائے رکھتے ہیں :

بھارتی مفکّر کا بیان :

ہمارے ملک ہندوستان کے مشہور لیڈر اور بھارت کے پہلے ہندوستانی گورنر جنرل مسٹر راجگوپال اچاریہ فرماتے ہیں :

" عورتوں کے لئے شادی کرنا بہت ضروری ہے ۔ ڈاکٹری ، انجینئرنگ اور سیاست دانی بلاشبہ باعزت پیشے ہیں مگر گھر بار کی نگرانی — اور بچوں کی پرورش بھی کچھ کم قابل عزت نہیں ہے ۔ فوجی کارخانوں میں کام کرنا اور دفتروں میں حاضری دینا خواہ کتنا ہی اہم ہو — لیکن گھریلو زندگی کے نوک و پلک درست کرنا اس سے بھی زیادہ اہم ہے میں نے چھیاسٹھ برس کی عمر میں جو تجربہ حاصل کیا ہے وہ یہ ہے کہ عورت کے اخلاق کی تکمیل ماں بن کر ہی ہو سکتی ہے [1] "

ایک انگریز عورت کی رائے

ایک فاضل فرنگن لکھتی ہے :—

" عورت کا اولین فریضہ شادی ، مادریت اور خانہ داری ہے — معاشرہ کا فرض ہے کہ ہر عورت کے لئے اس کے موقعے بھم پہنچائے اور جو عورت اس کی تلاش میں ہو اسے وہ آسانی سے مل جائے ، جیسے مرد کو ذریعہ معاش [2] "

---

[1] زمزم لاہور ، ۷ اگست ۴۵ء [2] صدق جدید لکھنؤ ، ۱۸ جنوری ۵۲ء

مغربی مفکّر کا مشورہ :

ایک مغربی مفکر این بھونی ایم لوڈووسی اپنی کتاب "عورتوں کا تحفّظ" میں لکھتا ہے :

" اس امر پر زور دینا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہر عورت کیلئے ایک خاص عمر تک ازدواجی زندگی کو مقصود زندگی قرار دیا جانا چاہیئے اور والدین کے ذہن نشین یہ امر کرنا چاہیئے کہ ازدواج ہی وہ اصل غرض ہے جس کے لئے لڑکیوں کی تربیت کی جانی چاہیئے انسانیت کے بہترین پہلوؤں کی تکمیل ماں بننے سے ہوتی ہے اور اس کے علاوہ جو چیز بھی ایک عورت حاصل کرے وہ اس سے کمتر درجہ رکھتی ہے ، اور وہ لوگ جو اسے عالم شباب میں یہ فریب دیتے ہیں کہ اس کے لئے ماں بننے سے بڑھ کر یا اسکے برابر اور مشاغل بھی ہیں — نہ صرف صنف نازک کے بلکہ نوع انسانی کے دشمن ہیں[۱] "

یہی مصنف اپنی اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتا ہے :

" چونکہ عورت کامل طور پر زندگی اور اس کی افزائش کے کاروبار میں ڈوبی ہوئی ہے ، اس لئے اس حقیقت کا صاف طور پر اور بلا خوفِ تردید اعلان ہونا چاہیئے کہ تمام وہ لوگ جو اسے یہ سکھاتے ہیں کہ اس کے لئے کوئی اور شغل اسکا اصلی شغل ہے ، تمام وہ لوگ جو مسائلِ حاضرہ کے گورکھ دھندے میں اسے نسوانیت کے بارے میں ایسے قصے کہانیوں سے پریشان کرتے ہیں ۔ جن سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ

[۱] ندائے حرم کراچی جمادی الاولیٰ ۱۳۶۹ھ

اصلی نسوانیت زندگی اور اس کی افزائش سے علیحدہ کوئی چیز ہے،
غرضیکہ وہ تمام لوگ جو اسے مرد — اور بچہ سے دُور رہتے ہوئے
مسرت، اطمینان اور راحت کی توقعات دلاتے ہیں جھوٹے ہیں۔[۱]"

مقاصدِ نکاح اور عفت و عصمت

یہ چند نمونے بطور مثال نقل کئے گئے ہیں، ورنہ انسانی تاریخ کا ایسا کونسا حصہ ہے جس میں ازدواجی زندگی کی اہمیت محسوس نہیں کی گئی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ہمیں اس کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ دوسرے منافع و فوائد کے ساتھ — "رشتۂ ازدواج" کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ عفت و عصمت اور ناموس و آبرو کی انمول دولت جو انسان کو بخشی گئی ہے، اس دولت کی حفاظت کا ضامن ازدواج کا یہی آئینی طریقہ ہے جسے ہم نکاح کہتے ہیں، اور اب مسئلہ کے اسی پہلو پر گفتگو کی جائے گی:

نکاح میں چار ضروری شرطیں:

قرآن پاک نے جہاں محرمات کا بیان کیا ہے وہاں اس کو ختم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

اُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ	"اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں
اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ	تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں اس
مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ (النساء — ۴)	طرح کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ

[۱] ندائے حرم کراچی جمادی الاولیٰ ۶۹ھ

چاہو، ان کو بیوی بناؤ، صرف مستی ہی نکالنا نہ ہو"

یعنی محرمات کے علاوہ جو عورتیں ہیں، وہ چار شرطوں کے ساتھ حلال ہوتی ہیں:

اوّل: دونوں طرف سے ایجاب وقبول پایا جائے۔ جسکی طرف "ان تبتغوا" سے اشارہ کیا گیا ہے۔

دوسرے: مال دیا جائے جسکو اصطلاح میں "مہر" کہتے ہیں جسے "باموالکم" کا لفظ بتا رہا ہے!

تیسرے: یہ کہ عورت کو قبضہ میں لانا اور جائز طریقہ پر رکھنا مقصود ہو کہ طرفین کو عفت وعصمت اور اخلاق کی دولت نصیب ہو۔ محض مادۂ تولید کا ضائع کرنا مقصود نہ بنا لیا جائے۔ جیسا کہ زنا میں ہوتا ہے کہ دل کی بھڑاس نکلی، منہ کالا کیا اور چلتے بنے۔ ماحصل یہ ہے کہ شادی اس مقصد سے کی جائے کہ عورت کو بیوی بنا کر ہمیشہ رکھیں گے اور عورت اسکے پاس پاکدامن بن کر رہے گی۔ مطلب یہی ہے کہ ازدواجی رشتہ وقتی نہیں ہے یعنی "متعہ" کا حصہ نہیں ہے کہ چند مہینوں کے لئے رکھا اور پھر علیحدہ ہو گئے جس پر محصنین غیر مسافحین کے الفاظ دلالت کرتے ہیں

چوتھی بات یہ ہو: کہ دوستی مخفی نہ ہو کہ ناجائز عشق ومحبت کی زنجیر میں جکڑے ہوں اور کسی کو علم نہ ہو۔ بلکہ رشتہ ازدواج کے لئے ضروری ہے۔ کہ کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور ۲ عورتیں اس معاملہ کے شرعی گواہ ہوں، عام اعلان اور شہرت ہو تو بہتر ہے جیسا کہ دوسری آیت میں: غیر متخذی اخدان

نکاح سے حصولِ عفت:

احصان کا لفظ جو قرآن میں لایا گیا ہے وہ حصن سے مشتق ہے۔ جسکے

معنی قلعہ کے ہیں۔ یعنی انسان شادی کر کے عفت و عصمت کے قلعہ میں آ جائے اور مفاسد اخلاق سے محفوظ ہو جائے۔ جو شادی کا بنیادی مقصد ہے۔ ایسا نہ ہو کہ صرف لطف اندوزی کا ارادہ ہو اور بس " محصنین غیر مسافحین " کا لفظ بتا رہا ہے کہ بغیر اس مہتم بالشان چیز کے، جس کو عفت کہتے ہیں، نکاح نکاح نہیں ہے۔ نکاح جسطرح مردوں کے لیے پاک دامنی اور اخلاق کا ذریعہ ہے، عورتوں کے نکاح کا مقصد بھی یہی ہے!

فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ۔ (النساء - ۴)

" سو ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کر لیا کرو، اور ان کے مہر ان کو قاعدہ کے مطابق دے دیا کرو، اس طور پر کہ وہ منکوحہ بنائی جائیں، نہ تو علانیہ بدکاری کرنے والی ہوں اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی "

اس آیت میں کھلے لفظوں میں بتایا گیا ہے کہ شادی سے عورتوں کا مقصد بھی یہی ہو کہ وہ عفت و عصمت کی زندگی گزاریں گی ۔۔ اخلاق و کردار کو بلند رکھینگی اور اپنے داعیات فطرت کو اپنے شوہر کے ذریعہ پورا کرینگی۔ بدکاری، چھپے چوری آشنائی اور عفت میں خیانت نہ کرینگی۔ سورۂ مائدہ بھی اس مضمون کو ادا کیا گیا ہے، ارشاد الٰہی ہے :

اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ

"آج تمہارے لئے حلال رکھی گئیں اور جو لوگ کتاب دیئے گئے ہیں انکا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے، اور

لَهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ	پارسا عورتیں اہل کتاب کی، یہ سب بھی
وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ	حلال ہیں، جبکہ تم ان کو معاوضہ دیدو،
أُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ	اسطرح سے کہ تم بیوی بناؤ — نہ تو
إِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ	علانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی
غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ أَخْدَانٍ	کرو" (المائدہ — ۱)

اس آیت میں ترغیب دی گئی ہے کہ شادی کرتے وقت پاکدامن عورت کی تلاش وجستجو ہونی چاہیئے اور رشتۂ ازدواج کے قیام کے وقت اوّل نظر پاکدامنی اور عفت وعصمت پر ہی ہونی چاہیئے — اور آخیر میں مردوں کی پاکدامنی اور عفت واخلاق کا بھی مطالبہ ہے۔ گویا اسلام نے بتایا، کہ شادی کے ذریعہ گوہر عصمت محفوظ رکھا جائے اور دونوں صنفیں ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوں اور فطری پیاس بجھائیں، ہاں صرف شہوت رانی اور ہوا پرستی پیش نظر نہ ہو ورنہ حیوانی اور انسانی زندگی میں فرق ہی کیا رہ جائے گا۔

عفت وعصمت کی اہمیّت

ماحصل یہ ہے کہ اسلام چاہتا ہے کہ شادی کرکے صنفی تقاضوں کی تکمیل کا موقعہ زن وشو کو حدود اللہ کے اندر رہ کر حاصل ہو، کسی حال میں بھی اللہ تعالےٰ کی حدوں کو توڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ بلاشبہ عفت وعصمت ایسی بیش قیمت چیز ہے کہ اس پر دنیا کی ساری چیزیں قربان کی جاسکتی ہیں، مگر یہ کبھی جائز نہیں ہو سکتا کہ کسی دوسری چیز پر عفت کو قربان کردیا جائے۔

یہ دُرِ عفت اگر خطرہ میں گھر جائے، حدود اللہ ٹوٹنے کا خطرہ سامنے آجائے اور شادی کا جو بنیادی مقصد ہے وُہی زد میں آجائے تو ضرورت کے وقت

شادی کی گرہ کھول دی جائیگی - مثلاً زن وشو کے تعلقات آپس میں کشیدہ ہو جائیں کہ ایک کو دوسرے سے نفرت ہو جائے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کر سکیں، تو ایسی حالت میں اسلام علیحدگی کی اجازت دیتا ہے مگر یہ برداشت نہیں کرتا کہ رشتۂ ازدواج میں بندھے ہوئے ہوں اور عفت و پاک دامنی کھو دی جائے، اسی وجہ سے ایسی حالت میں طلاق کی اجازت ہے تاکہ عورت بھی آزاد ہو جائے اور وہ بھی اپنا کوئی جائز سامان کرے اور مرد کو بھی آزادی حاصل ہو جائے، اور یہ بھی ضرورت سمجھے تو کسی دوسری عورت سے اپنا جائز رشتہ قائم کرلے، اور اسی بنیاد پر عورت کو خلع کا حق دیا گیا ہے کہ وہ ظالم شوہر کے پنجہ میں گرفتار ہو کر بے بس نہ ہو جائیں، بلکہ اگر وہ ایمان داری سے سمجھتی ہیں کہ موجودہ شوہر کیساتھ رہ کر حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گی تو شوہر کو مہر کا کچھ حصہ یا کل حصہ دے کر شوہر سے طلاق حاصل کرسکتی ہیں۔

اور اسی عفت کی اہمیت کا نتیجہ ہے کہ اسلام نے مرد کو اس کی اجازت نہیں دی ہے کہ وہ چار مہینے سے زیادہ اپنی ایلاء کو باقی رکھیں، اور عورت سے ہمبستری کرنے سے قسم کھالیں، بلکہ اگر چار ماہ تک مرد اپنی اس قسم پر باقی رہا تو پھر اس کے بعد اس کو حق نہیں ہے کہ عورت کو اپنی قید میں ڈالے رہے، کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عورت داعیات فطرت سے مجبور ہو کر عصمت کا فانوس توڑ ڈالے اور اپنی پاک دامنی کھودے اور اسی عفت وعصمت کی اہمیت کا یہ اثر ہے کہ چند شادی کرنے والوں کو اسلام نے تاکیدی حکم دیا ہے کہ تم ایک عورت پر ایسا جھک پڑو کہ دوسری لٹکی رہ جائے۔

فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ۔ (النساء - ۱۹) "پس ایک طرف نہ جھک پڑو، کہ دوسری کو لٹکی ہوئی چھوڑ دو۔"

شاید یہ چیز معلقہ کے لئے حدود اللہ توڑنے کی وجہ بن جائے، اور شادی کا جو مقصد اعظم ہے، وہ فنا کے گھاٹ اُتر جائے۔ نکاح کے سلسلہ میں، جو حدیثیں بیان کی گئی ہیں، ان سے بھی مقصد کی تائید ہوتی ہے کہ عفت و عصمت کا دامن کسی حال میں ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔

محبّت و رحمت!

نکاح کا دوسرا مقصدِ بنیادی یہ ہے کہ رشتۂ ازدواج کے ذریعہ مرد و عورت، اِن دو صنفوں میں باہم محبت اور پریم ہو، انس اور خلوص ہو، اور ان میں سے ہر ایک کو طمانیت اور سکونِ قلب میسّر آئے جو اجتماعی زندگی میں ترقی اور عروج کا ذریعہ ثابت ہوں۔ تہذیب و تمدّن سے جو چیزیں متعلق ہیں، اُن کو باہمی اشتراکِ عمل سے آگے بڑھا سکیں، اور پھر اس طرح وہ ملک اور قوم کے لئے باعثِ حوصلہ افزائی ہوں۔ خود ان کی زندگی کے لئے شادی وجہ راحت و مسرّت اور باعثِ اطمینان و سکون ہو، قرآنِ پاک نے جو اسلوب بیان اختیار کیا ہے وہ بس اسی کا حصہ ہے۔ ارشادِ ربّ العزت ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ	"اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس
مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا	نے تمہارے لئے تمہاری قسم سے جوڑ
لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ	پیدا کیا تاکہ تم ان کے پاس چین حاصل
بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ	کرو، اور اس لئے تمہارے درمیان
(روم-۳)	پیار اور مہربانی رکھی

اِس آیت میں ربّ العزت نے مقاصدِ نکاح کو بیان کرتے ہوئے ــــ ارکانِ نکاح کو بتایا ہے کہ اس ـــــ رشتہ سے جو پہلی چیز حاصل ہوتی ہے ـ وہ

یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے سے تسکین خاطر اور اطمینان میسّر ہوتا ہے ___ اور پھر ہر ایک دوسرے کی بے چینی میں سہارا ہو، اور جب کبھی اور جس وقت بھی طبیعت انسانی میں اُمنگ پیدا ہو، دل میں گدگدی کا احساس ہو اور جنسی اضطراب چھیڑے تو ایک جائز آئینی ذریعہ فطرت کے ان تقاضوں کی تکمیل کا سامنے موجود رہے۔ اسی مسئلہ کیطرف کتنے بلیغ پیرایہ میں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے کہ:

ان المرأۃ تقبل فی صورۃ	"بلاشبہ عورت شیطان کی صورت میں
الشیطان وتدبر فی صورۃ	آتی ہے اور اسی کی صورت میں واپس
شیطان، اِذا احدکم اعجبتہ	ہوتی ہے۔ تم میں سے کسی کو جب،
المرأۃ فوقعت فی قلبہ فلیعمد	عورت بھلی معلوم ہو اور دل پر اس کی
الیٰ امرأتہ فلیواقعھا فان	چوٹ پڑے تو چاہیئے کہ اپنی بیوی کے
ذٰلک یرد ما فی نفسہ	ساتھ ہم بستر ہو، اس تدبیر سے اجنبی
(مسلم باب ندب من رأی امرأۃ الخ ج ۱ ص ۴۴۹)	عورت کا اثر دِل سے جاتا رہے گا"

ہیجانی کیفیّت کا علاج

جنسی مَیلان جن کا قوی ہوتا ہے، طبعاً عورت کی طرف ان کی نگاہیں اُٹھ جاتی ہیں اور عورت اپنی قدرتی ہیئت سے مرد کے خوابیدہ جذبات کو جگا دیتی ہے اس سے بچنے کی تدبیر اسلام نے بتائی ہے، تو اگر ایسے بات سامنے آبھی جائے اور کسی عورت کی دید باعث ہیجان ہو تو ایسے نازک موقعے کے وقت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیوی کے پاس چلے جاؤ، اور اس مادہ کو خارج کر آؤ، جو اس کا محرک بنا ہے، تاکہ اس کے نکلنے کے بعد شیطان تمہارے

دل میں وسوسہ ڈالنے کی جرأت نہ کرے اور نہ تم کو گناہ میں ملوث کرنے پائے

علامہ نووی رح اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

انہ یستحب لمن رای امرأۃ	کسی عورت کو دیکھنے سے جب کسی
فتحرکت شھوتہ ان یاتی امرأتہ	کی خواہش میں ابھار پیدا ہو تو اُسکو
فلیواقعھا لیدفع شھوتہ و	چاہیئے کہ اپنی بیوی سے مقاربت کرے
تسکن نفسہ ویجمع قلبہ علی	تاکہ دل کا تقاضا ٹھنڈا پڑ جائے۔ اور
ماھو بصددہ۔	نفس کو سکون حاصل ہو، اور قلب
(شرح مسلم - ج ا ص ۴۴۹)	جسکے درپے ہے وہ بات جاتی رہے۔

عورت کی آمد و رفت کو شیطان کی صورت سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہوئی — کہ عورت میں فطرتاً کچھ ایسی جاذبیت اور دل کشی رکھی گئی ہے کہ قدرتاً مرد کا دل عورت کی طرف کھنچتا ہے، گویا شیطان کو موقع ملتا ہے کہ عورت کو مرد کی لغزش کا ذریعہ بنائے، گویا عورت کا باہر نکلنا، شیطان کا باہر نکلنا ہے — جس سے معلوم ہوا، کہ عورت کو بغیر شدید ضرورت گھر سے نکل کر مردوں کی سوسائٹی میں گھسنے پھرنے سے بچنا چاہیئے۔

اِس مسئلہ کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اسلام نے نکاح کے جن بنیادی مقصدوں کی نشان دہی کی اور جن کی طرف جگہ جگہ وضاحت اور اشارہ سے کام لیا ہے، ان کا حصول ناممکن ہے جب تک نکاح کا وہی فطری اور شرعی طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس کی اسلام نے تعلیم دی ہے شادی کے وہ طریقے جو اسلامی طریقے سے مختلف ہیں ان سے مقاصدِ نکاح کا حصول محال ہے۔

یارانہ شادی

مثلاً اس زمانہ میں مغربی ملکوں نے ایک طریقہ "یارانہ شادی" کا نکالا ہے کہ کوئی رسم ادا کئے بغیر مرد و عورت باہم رضامندی

سے مل جائیں، اور خفیہ یا علانیہ زن و شو کی حیثیت اختیار کر لیں۔ یہ یارانہ شادی صرف اس لئے رچائی جاتی ہے کہ دونوں طرف عیش و عشرت مقصد ہوتا ہے۔ عفت و عصمت، بقائے نسلِ انسانی اور دُوسرے مقصد نہیں ہوتے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ چند ہی دنوں میں جہاں دونوں کی طبیعت سیر ہو گئی، ایک دُوسرے سے علیحدہ ہو گئے، اور پھر "نئے جوڑے" کی فکر میں منہمک ہو گئے ـــ اسی طرح یہ دَور چلتا رہتا ہے اور کہیں کسی سے بھی جم کر یہ رشتہ نباہنے کی سعی نہیں کی جاتی انسان عجلت پسند اور تند مزاج واقع ہوا ہے۔ چنانچہ کسی "یارانہ شادی" کی مدت زیادہ نہیں گزر پاتی ـــ اور اس طرح مقاصد نکاح فوت ہو کر رہ جاتے ہیں!

پھر اس کمزور رشتہ کا یہ اثر پڑتا ہے کہ مرد و عورت میں سے کسی میں بھی بچوں کی پرورش کی صلاحیت نہیں ہوتی، ہر ایک اپنے کو آزاد دیکھنا چاہتا ہے، بال بچوں کی سرگرانی کوئی بھی اُٹھانے کو تیار نہیں ہوتا ـــ انجام یہ ہوتا ہے کہ دونوں میں سے کسی کو بھی یکسوئی اور مرکزیت نصیب نہیں ہوتی اور کہا جا سکتا ہے کہ یہ اسی گناہ کی سزا ہے کہ عورتیں آجکل آپریشن کے ذریعہ اپنی بچہ دانی نکلوا لیتی ہیں تاکہ وہاں تک پہنچکر نطفہ بچہ کی شکل ہی اختیار نہ کرنے پائے، اور اس رواج کا بُرا نتیجہ یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ عورتیں اپنی عصمت چلتے پھرتے لٹانے لگیں، کیونکہ اب اس کے بعد ان کو کوئی خطرہ باقی نہیں رہ گیا۔

عفّت و عصمت کی اہمیّت اسلام میں

حالانکہ یہی عفت و عصمت وہ بنیادی مقصد ہے جو نکاح کا اسلام نے قرار دیا ہے، اور اس کو کہیں بھی فراموش نہیں کیا ہے۔ قرآن پاک نے اپنے معجزانہ پیرایہ میں متعدّد مقامات میں عفت و عصمت اور اخلاق کی تاکید کی ہے، اور دلنشیں انداز میں ترغیب دی ہے۔ ایک جگہ عفت و عصمت اور اخلاق و محبت کی حفاظت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا (احزاب - ۵)	"اپنی شہوت کی جگہوں کی حفاظت کرنیوالے مرد اور حفاظت کرنیوالی عورتیں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے معافی اور بڑا ثواب رکھا ہے"

اس آیت میں کتنی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ گوہر عصمت، اور دُرِ عفّت کا تحفّظ رکھتے ہیں، اخلاق و اعمال میں تعفن پیدا نہیں ہونے دیتے۔ خداوندی حدود میں رہ کر لذت و مسرت حاصل کرتے ہیں اور حدود اللہ کو توڑنے سے بچتے ہیں، ان افرادِ امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت کی دولت اور اجر عظیم کی لازوال نعمت تیار کر رکھی ہے!

فلاح کامل کی بشارت

ایک دوسری آیت میں اخلاق و عفت اور پاکدامنی پر فلاح کامل کی روح پرور خوشخبری دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن مسلمانوں کو فلاح کامل کی مسرت انگیز

خبر سنائی ہے ان میں ان لوگوں کو بھی بتایا ہے۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ وَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ۔ (مومنون-۱)	"اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں لیکن اپنی بیویوں یا اپنی شرعی لونڈیوں سے متمتع ہوتے ہیں۔ ان پر کوئی الزام نہیں ہاں جو اسکے علاوہ اور جگہ شہوت رانی کا طلب گار ہو ایسے لوگ حد شرعی سے نکلنے والے ہیں"۔

جنسی میلان کی تسکین کے لئے رب العزت نے جائز صورتیں دو بیان کی ہیں ایک بیوی جس سے جائز طور پر رشتۂ ازدواج قائم کیا گیا ہو، دوسرے لونڈی جس سے ہم بستری جائز ہے۔ ان دو کے علاوہ جو صورتیں آدمی جنسی میلان کے لئے اختیار کرے وہ اسلام کے قانون میں حدود اللہ سے تجاوز قرار دیا گیا۔

عفت جزو نبوّت کی حیثیت میں!

اور پاکبازی اتنی اہم چیز ہے کہ اسلامی نقطہ نگاہ سے یہ نبوت و رسالت کے لئے جزو کی حیثیت رکھتی ہے۔ رب العزت نے رسولوں اور نبیوں کے حق میں اسے بڑی اہمیت سے بیان کیا ہے، اگر کسی برگزیدہ بندہ پر عفت کے خلاف تہمت لگائی گئی تو خود پروردگار عالم نے اس کی تردید کی، اور ان کی پاکدامنی کا ثبوت فراہم کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا تذکرہ گزر چکا کہ ان پر زلیخا عزیز مصر کی بیوی فریفتہ ہوئی اور اس نے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کا دامنِ عفت ملوث ہو۔ مگر رب العزت نے ان کی دستگیری فرمائی اور اس نازک ترین وقت پر آپ کو بچا لیا، گو شروع معاملہ میں شرمندگی دور کرنے کے لئے زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام ہی کیطرف

بُری نیّت کی نسبت کی، مگر پھر بالآخر اسی عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکبازی کی گواہی دی۔ قرآن نے تذکرہ کرتے ہوئے اعلان کیا:

وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ (یوسف۔۳)	"اور واقعی میں نے اس سے اپنا مطلب حاصل کرنیکی خواہش کی تھی مگر یہ پاک صاف رہا۔"

اللہ تعالےٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی اور عصمت کا اعلان کرنے کے بعد وجہ بیان کرتے ہوئے اسی قرآن میں ارشاد فرمایا:

لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ (یوسف۔۴)	"تاکہ ہم ان سے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو دُور رکھیں وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔"

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تعریف میں ارشاد ربّانی ہے:

وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (آل عمران۔۴)	"اور مقتداء ہوں گے اور اپنے نفس کو بہت روکنے والے ہوں گے اور نبی ہونگے اور اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہونگے۔"

"حصور" اس کو کہتے ہیں جو اپنی قوتِ شہوت پر قابو رکھتا ہو اور نفس کے فریب میں مبتلا نہ ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں مریم صدیقہ علیہا السلام پر یہود نے تہمت لگائی تو خود رب العزت نے تردید کی اور قرآن ہی میں اعلان کیا:

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (تحریم۔۲)	"عمران کی بیٹی مریم جنھوں نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔"

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

والتی احصنت فرجہا فنفخنا	"وہ بی بی جنھوں نے اپنے ناموس کو
فیہا من روحنا۔	بچایا، پھر ہم نے ان میں اپنی روح
(انبیاء — ۶)	پھونک دی"

خود اہلِ بیت نبوی کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ	"یہ اس بات سے پاک ہیں جو وہ بکتے
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ۔	پھرتے ہیں انکے واسطے مغفرت
(نور — ۳)	اور عمدہ رزق ہے"

دیکھ رہے ہیں انبیاء و رسل اور ان کے گھرانوں کی عفت و عصمت کا اعلان، قرآنِ پاک میں کس شد و مد سے رب العزت نے کیا ہے — ان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام کی نظر میں عفت و عصمت کتنی اہم اور ضروری صفت ہے جس سے ایک لمحہ کے لیے صرف نظر جائز نہیں۔

پاکیزہ نفس کا مرتبہ

ایک جگہ پاکبازوں کی بلندی کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن ہی میں فرمایا گیا:

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ	گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق
وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ،	ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں
وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَ	کے لائق ہوتے ہیں اور ستھری عورتیں
الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ط	ستھرے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور
(نور — ۳)	ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق
	ہوتے ہیں"

جو خبیث ہے اسکا درجہ طیب سے فروتر بتایا گیا ہے اور سمجھایا گیا ہے کہ

ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتے، خبیث اور خبیثات ایک درجہ میں ہیں، اور پاکدامن مرد اور عورت کا گروہ علیحدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کی جہاں صفتیں بیان کی ہیں۔ وہاں یہ بھی بتایا ہے کہ نیک بندوں کی ایک بڑی صفت یہ ہے کہ وہ بدکار نہیں ہوتے، ارشاد ربانی ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ۔ (فرقان - ٦)	"اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جنکا قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے قتل نہیں کرتے مگر کسی حق شرعی کی بنیاد پر، اور جو زنا نہیں کرتے۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عفت وعصمت اور پاکبازی انسان کی ایسی خوبی ہے جو عزت وآبرو اور اخلاق واعمال کی جان ہے۔ اللہ کے سوا کسی اور کو معبود ماننے سے توحید کی رگِ جان کٹ جاتی ہے اور انسان کافر ہو جاتا ہے اور قتل نفس سے آدمی کی ظاہری زندگی ختم ہو جاتی ہے جو موجودہ زندگی کے تعلق کو کاٹ دیتی ہے اور بدکاری انسان کی عفت وعصمت اور اخلاق کی مٹی پلید کر کے اسکی عزت وآبرو کو ابدی نیند سُلا دیتی ہے۔

عورتوں سے عفت وعصمت پر بیعت

مسلمان عورتوں سے جن باتوں پر بیعت لینے کا حکم تھا، ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ بدکاری نہ کریں گی اور اپنی عفت وعصمت کے دھلے ہوئے دامن پر دھبہ نہ آنے دیں گی جیسا کہ پہلے اس آیت کو نقل کیا جا چکا ہے۔

وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ	"اور نہ وہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ خود ساختہ افترا

يَفْتَرِيْنَهُ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ   باندھیں گے"۔   (ممتحنہ-۲)

بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ یہاں قتل اولاد سے مراد حمل گرانا ہے[1]۔ عموماً بدکاری کے سلسلے میں جو حمل ہوتا ہے وہی گرایا جاتا ہے۔ یوں تو عرب میں قتل اولاد کا بھی بعض قبیلوں میں رواج تھا اور اس سے بھی روکنا مقصود ہے، اور افترا باندھنا یہ کہ چند مردوں سے لطفِ زندگی اٹھایا اور جس پر چاہا، الزام ڈال دیا کہ فلاں کا بچہ ہے۔ اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ عرب میں ایک طریقہ نکاح کا یہ بھی تھا کہ ایک عورت کئی کئی مردوں سے آشنائی کرتی اور بچہ ہوتا تو عورت جس کا بچہ کہہ دیتی اس کو ماننا پڑتا تھا — اسی زمانہ میں بعض عورتیں دوسرے کے بچہ کو اپنا بنا کر پیش کرتیں اور اس کو شوہروں کے سر تھوپ دیتی تھیں[2]۔

آنحضرت صلعم کے اقوال بسلسلہ عفت

احادیث میں بکثرت واقعات مذکور ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف پیرایوں میں لوگوں کو عفت وعصمت اور اخلاق کی تعلیم فرمائی اور ایسا ماحول پیدا کیا کہ لوگ اس عفت وعصمت کی قدر کریں جو اخلاق اور عزت وعظمت کی جان ہے۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا:

یاشباب قریش احفظوا فروجکم، لا تزنوا، الامن حفظ فرجه فله الجنة رواه الحاکم والبیهقی و قال صحیح علی شرطهما (مفتاح الخطابة باب الزنا)	"اے جوانانِ قریش! اپنی شہوت کی جگہوں کی حفاظت کرو، زنا نہ کرو، سنو! جو اپنی شہوت کی جگہ محفوظ رکھے گا اس کے لئے جنت ہے"۔

اس حدیث میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانانِ قریش کو ترغیب دی

---

[1] سیرۃ النبی جلد ششم ص ۲۹۲ [2] ایضاً ج ۶ ص ۲۹۳

ہے کہ وہ عفت وعصمت کے فانوس کو توڑنے سے اجتناب کریں اور اخلاق و پاکبازی کی زندگی بسر کریں۔

پاکدامنی کی تبلیغ

ہرقل شاہ روم نے ابوسفیان سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا کہ وہ تم لوگوں کو کیا بتاتے ہیں اور کن چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں؟ اس وقت ابوسفیان نے ہرقل سے کہا: گو ابوسفیان نے اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

یامرنا بالصلوٰۃ والصدقۃ والعفاف والصلۃ۔ "آپ ہمیں نماز، صدقہ، عفت اور صلہ رحمی کا حکم فرماتے ہیں" (بخاری کتاب الادب باب صلۃ المراۃ ج ۲ ص ۸۸۴)

عفت اور پاک دامنی اتنی اہم چیز ہے کہ اسکی تعلیم آنحضرت نے اول دن سے دی، اسے آپ نے کبھی فراموش نہیں فرمایا۔

عفیف پر ظلّ رحمانی

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب اللہ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، اللہ تعالےٰ سات شخصوں کو اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا، ان میں ایک وہ شخص بھی ہوگا جس کو ایک حسین وجمیل عالی نسب عورت نے دنیا میں اپنی طرف بلایا اور روسیاہی کی دعوت دی مگر اس عفیف بندۂ خدا نے اس حسین مہ جبین کے جواب میں یہ کہہ کر انکار کر دیا۔

انی اخاف اللہ ——— "میں اللہ سے ڈرتا ہوں"

(بخاری کتاب المحاربین باب فضل من ترک الفواحش)

عفیف کیلئے جنّت کی ضمانت: وہ لوگ جو عفت وعصمت کی دمکتی پیشانی پر

کلنک کا ٹیکہ نہیں لگنے دیتے۔ ان کے متعلق سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسا شخص جنتی ہے۔

من توکل لی ما بین رجلیہ و ما بین لحییہ توکلت لہ بالجنۃ

{ بخاری کتاب المحاربین باب فضل من ترک فواحش }

"جو میرے لئے اپنے پاؤں کے درمیان کی چیز یعنی شرمگاہ اور داڑھیوں کے درمیان کی چیز یعنی زبان کی حفاظت کی ذمہ داری لے میں اس کے لئے جنت کی ذمہ داری لوں گا۔"

رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ تین آدمی سفر کر رہے تھے راستے میں ابر و باد سے گھبرا کر ایک کھوہ (غار) میں روپوش ہو گئے اور غار کی پناہ لیکر سر پر جو آفت منڈلا رہی تھی اس سے بچنا چاہا۔ مگر کرشمۂ الٰہی یہ ہوا کہ اوپر سے ایک وزنی (سینکڑوں من کا) پتھر گرا، اور غار کا منہ بند ہو گیا، اور یہ تینوں اسی میں رہ گئے۔

اس ناگہانی مصیبت میں تینوں نے مشورہ کیا کہ اپنی نیکی کا واسطہ دے کر خدا سے نجات کی درخواست کی جائے۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی روداد بیان کی ــــ اور اللہ تعالیٰ نے ان نیکیوں کے بدلہ میں ان کو مصیبت سے نجات دی اور چٹان غار کے منہ سے ہٹ گئی ــ ان میں سے ایک کی روداد یہ تھی:

روداد عفت اور اس کا اثر!

"اے اللہ! میری ایک چچا زاد بہن تھی جس سے مجھے بڑی محبت تھی۔ عام لوگ عورتوں سے جتنی محبت کرتے ہیں اس سے زیادہ میں اس سے محبت کرتا تھا۔ میں نے اپنی اس محبوبہ سے درخواست کی کہ وہ مجھے اپنی ذات سے لطف اندوز

ہونے کا موقع دے۔ اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ سو اشرفی جب تک حاضر نہیں کرتے مجھ سے کھیل نہیں سکتے۔ یہ سنکر میں اس گراں قدر رقم کی فراہمی میں منہمک ہوگیا، اور بالآخر میں نے سو اشرفی جمع کرلیں اور لے جاکر اس کے قدموں پر ڈال دیں، حسب وعدہ وہ مجبور ہوگئی اور میں تیار ہو کر اس کے دونوں پاؤں کے بیچ میں بیٹھ گیا۔ جونہی میں نے روسیاہی کا ارادہ کیا، وہ بول اٹھی:

"اے اللہ کے بندے! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس مُہر کو بغیر جائز حق کے مت توڑو"۔

اس کا یہ کہنا تھا کہ میں اٹھ گیا، اور روسیاہی کی لعنت سے بچ گیا اے رب العزت! اگر تیرے علم میں یہ بات ہے کہ میں نے یہ صرف تیری خوشنودی کے لئے کیا تو آج تو اس غار کے منہ کو ہمارے لئے کھول دے"۔

چنانچہ پتھر ہٹ گیا —— اور دنیا نظر آنے لگی [۱]

دیکھا آپ نے! عفت وعصمت کا لحاظ اس کے حق میں کتنا مفید ثابت ہوا، اور اس معاملہ میں اللہ کا خوف اس کو کتنے آڑے وقت میں کام آیا۔

اوپر آپ پڑھ آئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے پاک و صاف ملے، اسکو چاہیئے کہ شریف عورت سے شادی کرے" [۲]

منشا یہی تھا کہ بدکاری کا ارادہ نہ کرے اور اپنے اور دوسرے کے دامن عفت و

---

[۱] بخاری کتاب الادب باب اجابۃ دعا من بر والدیہ ج ۲ [۲] ابن ماجہ باب تزویج الحرائر والولود

عصمت کو داغدار نہ بنائے جو فطری داعیات ہیں۔ ان کو حلال مقام میں پورا کرے!

عفت کی نیت سے بیوی کے پاس جانا صدقہ ہے!

ایک دفعہ رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی بیوی سے جنسی تسکین حاصل کرنا بھی صدقہ ہے۔ صحابہ کرام نے تعجب سے پوچھا کہ یہ کام بھی باعثِ اجر ہے یارسول اللہ! کیوں نہیں، اگر اسے تم میں کا کوئی حرام مقام میں پورا کرے تو کیا اسے گناہ نہ ہوگا — پس جو چیز گناہ سے بچنے کا ذریعہ ہو، وہ باعث اجر و ثواب ہے[1]۔

اور یہ چیز کیوں باعث اجر نہ ہو: رسول الثقلین فرماتے ہیں کہ تین شخص ہیں جن سے قیامت کے دن رب العالمین کلام نہ فرمائے گا — نہ ان کا تزکیہ فرمائیگا اور نہ ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھے گا، اور یہی نہیں بلکہ اسے دردناک عذاب میں مبتلا فرمائے گا: ایک شیخ زانی جو بڈھا ہو چکا ہے اور زنا کاری کرتا ہے — دوسرا جھوٹا بادشاہ جو شاہِ وقت ہو کر جھوٹ بولتا ہے اور تیسرا فقیر متکبر جو محتاج ہو کر بھی کبر و غرور کرتا ہے[2]۔

صحابہ کرام کا جذبہ عفت

یہ صرف تعلیم ہی تعلیم نہ تھی، بلکہ اس پر برابر عملدرآمد رہا، اور صحابہ کرام نے زندگی بھر اس تعلیم کو سینہ سے لگائے رکھا، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام کے سامنے بڑے بڑے سخت سے سخت نازک موقعے آئے مگر انھوں نے اپنا دامن ملوث نہ ہونے دیا — ایک صحابی ماعز اسلمی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اس سلسلہ میں لغزش ہوئی

---

[1] ریاض الصالحین باب بیان کثرۃ طرق الخیر ص ۷۶ [2] ریاض الصالحین کتاب الملح والمنشورات ص ۶۸۶ عن مسلم

لیکن صحبت نبویہ نے اخلاقی احساس میں اتنی نزاکت پیدا کر دی تھی کہ اپنے جرم کا چھپانا ان کے لئے ناممکن ہو گیا۔ بالآخر بخوشی "رجم" کی سزا برداشت کر کے حضرت ماعزؓ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

ہجرت کے موقع پر جو ناتواں اور بلاکشانِ اسلام مکہ میں رہ گئے تھے، ان کے لانے کی ذمہ داری مرثد بن ابی المرثد الغنوی رضؓ پر تھی۔ حضرت مرثدؓ اسی سلسلہ میں ایک دفعہ مکہ تشریف لائے۔ اسلام سے پہلے ان کی ایک عورت (عناق نامی) سے راہ و رسم محبت تھی، یہ عورت فاحشہ تھی، اس سفر میں حضرت مرثدؓ اس عورت کے مکان کے پاس سے گزرے، اس نے سایہ دیکھ کر حضرت مرثدؓ کو پہچان لیا۔ اور آگے بڑھ کر پرتپاک خیر مقدم کیا، پھر ان سے درخواست کی کہ آج کی شب میرے ساتھ گزاریں۔ حضرت مرثدؓ نے نہایت صفائی سے انکار کر دیا کہ اب پہلا زمانہ باقی نہیں رہا، اسلام نے زنا کو حرام قرار دے دیا، لہذا معاف کرو — اس نے کہا: شور و غل کروں گی ورنہ تم کو گرفتار کرا دوں گی۔ بایں ہمہ حضرت مرثدؓ راضی نہ ہوئے اور بھاگے اور چھپ چھپا کر کسی طرح کافروں کے چنگل سے اپنی جان بچائی۔[1]

ایک صحابیہؓ جو اسلام قبول کرنے سے پہلے اخلاقی گندگی میں مبتلا تھیں اسلام لانے کے بعد ایک شخص نے ان کو جب چھیڑنا چاہا، اور اپنی طرف مائل کرنے کی سعی کی تو بولیں، چلو! ہٹو، وہ زمانہ گیا، اب اسلام کی روشنی کا دورہ ہے۔[2]

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی لونڈیوں کا واقعہ مشہور ہے کہ اسلام کے بعد جب اس منافق نے ان کو عصمت فروشی کے ذریعہ روپیہ کما کر دینے کا حکم دیا تو وہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں اور اپنی حسرت انگیز کہانی سنائی۔ اس پر یہ آیت

---

[1] اسوۂ صحابہ ج ا ص۱۱۱ بحوالہ نسائی کتاب النکاح

[2] ایضاً ج ا ص۱۱۲ بحوالہ مسند ابن حنبل ج ۴ ص۸۷

اتری کہ "تم اپنی لونڈیوں کو زناکاری پر مجبور نہ کیا کرو"۔[1]

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "مجھے یہ پسند ہے کہ میری ناک مردار کی بدبو سے بھر جائے مگر یہ پسند نہیں کہ اس میں کسی غیر عورت کی بو آئے"۔[2]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک حسین عورت عہد نبویؐ میں مسجد میں آیا کرتی تھیں اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتی تھیں بعض صحابہؓ کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ وہ پہلے سے آکر اگلی صف میں بیٹھ جاتے تاکہ ان پر نگاہ نہ پڑنے پائے اور فتنہ سے محفوظ رہیں۔[3]

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور دعائے عفت

یہ تو صحابہ کرامؓ کا حال تھا، مگر آپ یہ سُنکر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ خود ذات برکت سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جو معصوم تھے اور خاتم الرسل باایں ہمہ آپ کا یہ حال تھا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی عفت اور پاک دامنی کو فراموش نہیں فرماتے تھے اور برابر اور چیزوں کے ساتھ پاکبازی کی دعا کرتے رہتے، کبھی دعا کرتے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعِفَافَ وَالْغِنٰی	"اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، عفت اور غنا کی درخواست کرتا ہوں"۔

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ باب الاستعاذہ)

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الصِّحَّۃَ وَالْعِفَّۃَ وَالْحُسْنَ وَالرِّضَا بِالْقَدَرِ	"اے اللہ! تجھ سے صحت، عفت، خوبی اور تقدیر پر رضا کی درخواست کرتا ہوں"

(مشکوٰۃ باب الاستعاذۃ ص۲۲۰)

---

[1] اسوۂ صحابہؓ [2] ایضاً ص۱۱۳ [3] ابن ماجہ ص۷۴

کبھی دل کی گہرائی سے یہ آواز نکلتی اور عرشِ اعظم پر پہنچتی :

اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَ اَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ ص۲۱۷)

"اے اللہ مجھے راہِ راست پر ہونے کی توفیق عطا فرما اور نفس کی برائی سے اپنی پناہ میں رکھ"۔

کبھی رسول الثقلین کی زبان وحی ترجمان پر یہ دعا جاری ہوتی :

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ مُنْکَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَھْوَآءِ (رواہ الترمذی)

"اے اللہ برے اخلاق و اعمال اور بری خواہشوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں"۔

سید الکونین صلے اللہ علیہ وسلم کی ان دعاؤں میں دیکھ رہے ہیں کہ خشیت الٰہی کا آپ پر کتنا اثر اور عفت و اخلاق کی طلب کا کس قدر خیال ہے کہ دوسری چیزوں کے ساتھ عفت کو بھی برابر یاد رکھتے ہیں، کبھی فراموش نہیں فرماتے۔

ان دعاؤں میں افرادِ امت کے لئے کوئی سبق اور درس نہیں ہے؟ اگر ہے، اور یقیناً ہے تو پھر ان دعاؤں سے سبق لینا چاہیئے اور عفت کی اہمیت سمجھنے کی سعی کرنی چاہیئے۔

دشمنِ عفت پر عذابِ الٰہی

یہ جو کچھ عفت و عصمت اور اخلاق و اعمال کی پاکی کا اہتمام نظر آرہا ہے — یہ بے وجہ نہیں ہے۔ اسلام آیا ہی تھا دنیا سے شر و فتن دور کرنے اور اہلِ دنیا کو اخلاق و عفت کی تعلیم دینے — جو لوگ عفت و عصمت اور اخلاق و اعمال کے چہرہ کو داغدار کرتے ہیں، رب العزت نے ان کے لئے دنیا و آخرت میں بڑی دردناک سزائیں مقرر کی ہیں۔ دنیاوی عذاب کا تذکرہ اپنے موقع پر تفصیل سے آئے گا۔ یہاں آخرت کے عذاب کی جھلک ملاحظہ فرمائیں :

معراج کے موقعہ پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہگاروں کے عذاب اور سزا کی مثال دکھائی گئی تھی، اس موقع پر آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا "آگ کا دہکتا ہوا تندور ہے، اس میں چیخ و پکار اور گریہ و بکا کی صدا بلند ہو رہی ہے۔ آپ نے جھانک کر دیکھا کہ آخر واقعہ کیا ہے، رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ آگ کے اس مشتعل تندور میں ننگے مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت ہے اور ان کے نیچے کے حصوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں اور شعلوں کی لپیٹ کے ساتھ ان میں ایک طوفان بپا ہو جاتا ہے اور سب چیخنے چلّانے لگتے ہیں۔" مجھے بتایا گیا "یہ زناکار مردوں اور عورتوں کی جماعت ہے جو دنیا میں بدکاری میں مبتلا رہے[1]۔"

عفت و عصمت اور تعدد ازدواج

اس ذلت کے عذاب سے نجات کی صورت اور فضائلِ عفت کے حصول کا ذریعہ وہی ہے جسکی تعلیم اسلام نے دی ہے:

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ (النساء-۱)

فطری داعیات و جذبات کی تسکین نکاح کے ذریعے حاصل کی جائے اور اس سلسلہ میں اس حد تک اجازت ہے کہ ایک سے لیکر چار عورتوں تک سے بیک وقت شادی کی جا سکتی ہے، بشرطیکہ وہ ان بلند اخلاقیوں کا مالک ہو۔ جن سے اپنی متعدد بیویوں میں عدل و مساوات قائم رکھ سکے، اور یکساں طور پر سب کے حقوق ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

تعدد ازدواج کی اجازت عدل کی شرط کیساتھ

یہ حریص انسان کے لئے علاج کا دروازہ کھول رکھا گیا ہے

[1] ریاض الصالحین باب تحریم الکذب ص ۵۸۸

یہ منشا نہیں ہے کہ ایک سے زیادہ عورتوں کو عقد میں رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یا اسلام ان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ خواہ مخواہ ایک سے زیادہ شادی کریں۔ اس آیت کا یہ مقصد قطعاً نہیں۔ اسلام نے نہایت صفائی سے اعلان کیا ہے اور قرآن مقدس میں ہی اعلان کیا:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَلَّا تَعُوْلُوْا (النساء-۱)

"پھر ایک ہی بیوی پر بس کرو یا جو لونڈی تمہاری ملک میں ہو وہی سہی۔ اس امر مذکور میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے"

مخالفین اسلام جہاں سے اعتراض کرتے ہیں اسکی شہ رگ یہیں سے اسلام نے کاٹ ڈالی ہے کیونکہ جب ایک سے زیادہ شادی کی اجازت اس حالت میں دی ہے کہ عدل و مساوات کے دامن کے چھوٹنے کا خوف نہ ہو، اور اس کو متعدد بیویوں کی صحیح معنی میں ضرورت بھی ہو۔ ایک مقام میں قرآن پاک ہدایت کرتا ہے:

فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (النساء-۱۹)

"پس تم بالکل ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ جس سے اس کو ایسی کر دو کہ وہ بیچوں بیچ لٹکی ہو"۔

عدل و مساوات

اُوپر کی آیت میں "عدل" سے مراد یہ ہے کہ عورتوں کے جو واجب حقوق ہیں اور جن کی ادائیگی شوہر کے ذمہ ضروری ہے اس میں عدل و مساوات کا برتاؤ کیا جائے کیونکہ یہ انسان کے قصد و اختیار سے تعلق رکھتے ہیں جیسے کھانا، کپڑا، مکان بیوی کے ساتھ رہنا سہنا، اوراس طرح کے دوسرے تعلقات۔ باقی محبت طبعی اور تعلق قلب، یہ ایسی چیز ہے جو انسانی طاقت سے باہر ہے۔ اس میں شریعت نے سعی کی تاکید کی ہے۔ اپنی جدوجہد کے باوجود اگر قلبی رجحان اور طبیعت کے

میلان میں کمی و بیشی ہو! اس پر گرفت نہیں۔

وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ	"اور اگر اصلاح کر لو اور احتیاط رکھو تو
كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○	بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے
(النساء - ۱۹)	اور بڑی رحمت والے ہیں"

اور عدل اختیاری میں بقول مولانا عبد الماجد دریا آبادی :

" یہ بھی لازم نہیں کہ ہر معاملہ مساوات عددی ہی کے ساتھ کیا جائے ـــــ ایک افریقی بیوی خوگر دوسری چیزوں کی ہوگی اور امریکی بیوی دوسری چیزوں کی، مسن اور ادھیڑ سن بیوی کی ضرورتیں، خواہشیں، دلچسپیاں سب ایک کم سن نوجوان بیوی کی ضرورتوں دلچسپیوں، خواہشوں سے مختلف ہوں گی۔ مقصود یہ نہیں کہ ساری بھینسیں ایک ہی لاٹھی سے ہانکی جانے لگیں۔ مقصود ہر ایک کو بقدر امکان اور بلحاظ اس کے ذوق حالات کے راحت پہنچانا ہے۔ فقہاء نے عدل بین الازواج (بیویوں کے درمیان انصاف) کو فرض قرار دیا ہے۔ لیکن خود "عدل" کی "تفسیر عدم ظلم" سے کی ہے کسی پر زیادتی نہ ہونے پائے[1]"۔

ظاهر الاٰية انه فرض ان يعدل	"ظاہر آیت سے عدل و مساوات بیویوں
اى لايجوز (در مختار)	میں فرض ہے یعنی حق تلفی نہ ہونی چاہیئے"

عدل میں اندیشہ کے وقت صرف ایک کا حکم

اوپر کی آیت میں " ذلك ادنى ان لاتعولوا " (اس میں زیادتی نہ ہونے کی توقع غالب ہے) اور پھر یہ آیت :

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا	"اگر تم کو خوف ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو
فَوَاحِدَةً (النساء - ۱)	بس ایک ہی بیوی پر بس کرو"۔

[1] صدق جدید لکھنؤ ۸ر ستمبر ۵۰ء

کھلا ہوا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ایک ہی بیوی کے دستور کو اصل قاعدہ اسلام میں قرار دیا گیا ہے ۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی برداشت نہیں کیا گیا کہ انسان کو ضرورت لاحق ہو، اور دوسری شادی کر لے!

بلکہ اگر صحیح معنوں میں ضرورت ہے اور اس بات کو سمجھ میں آ رہی ہے، کہ اگر دوسری شادی نہ کی تو گناہ میں ملوث ہونے کا خطرہ ہے ــ ایسی ضرورت ناگزیر میں اسلام کا قانون یہ ہے کہ ایک سے زیادہ شادی بھی کی جاسکتی ہے، اور اس طرح پاکبازی کی زندگی جس سے ہلنے کا اندیشہ تھا ــ اس پر جم جانے کی کد و کاوش کی جاسکتی ہے اور کوئی شبہ نہیں اس طرح کی ضرورت آئے دن زندگی میں پیش آتی رہتی ہے ــــ انسانی زندگی میں یہ چیزیں عنقا نہیں، کبھی کسی کی بیوی بانجھ ہوتی ہے ۔ اور اولاد کا طبعی اشتیاق مجبور کرتا ہے، کبھی کسی کی بیوی دائمی مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے، اور اس وقت مرد کا طبعی تقاضا اور مریضہ بیوی کو تیمار دار کی ضرورت، دونوں چیزیں متقاضی ہوتی ہیں کہ دوسری شادی کی جائے، کبھی مرد کا جنسی میلان زیادہ قوی ہوتا ہے اور بیوی کمزور ہوتی ہے، اور کبھی ان کے علاوہ دوسری مجبوریاں پیش آتی ہیں ۔

اسلام کا قانون تعدّد ازدواج اور مخالفین

اب تو یہ چیز اتنی عیاں ہو چکی ہے کہ بحث مباحثہ کی ضرورت باقی ہی نہیں رہی ۔ تعدد ازدواج کے مخالفین کو بھی حالات کے پیش نظر اس بات کو ماننا ہی پڑا کہ اسلام کا قانون "تعدد ازدواج" درست ہے، کسی مذہب اور دھرم کا ماننے والا، بشرطیکہ وہ دور اندیش اور تجربہ کار ہو "تعددِ ازدواج" کے جواز سے انکار نہیں کر سکتا اور نہ کسی مذہب و دین میں اس کا انکار کیا گیا ہے بلکہ سب ہی میں اس کی اجازت دی گئی ہے ۔ خصوصاً اسلام نے جن قیود کے ساتھ "تعدد" کی اجازت

دی ہے اس کی ضرورت کا تو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔

مگر عجیب بات ہے کہ یورپ نے اسلام کے "تعددِ ازدواج" کے قانون کو اپنا نشانہ بنا لیا ہے۔ وہی یورپ جسکے ہاں نسوانی ناموس کی کوئی قیمت باقی نہیں رہی ہے بلکہ لٹ رہا ہے، لٹایا جارہا ہے۔ سرِ بازار سب کچھ ہو رہا ہے لیکن دیکھنے والے دیکھتے ہیں اور صرف دیکھتے رہتے ہیں۔ یورپ میں مرد و عورت کے تعلقات میں بیباکیوں کی کیفیت جو حد سے گزر چکی ہے اسی کو دیکھ کر اور دوسرے حالات سے متاثر ہو کر یورپ ہی کے بعض اربابِ فکر نے "تعدد ازدواج" کے جواز کو تسلیم کر لیا ہے بلکہ اسکے جواز کو ضروری قرار دیا ہے۔

اہلِ یورپ کا اعتراف حق

لندن کے ایک اسکول کی اُستانی مس میری اسمتھ نے اپنی ایک کتاب میں (جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے)، لکھا ہے:

"یک زوجی کا جو قاعدہ قانون برطانیہ میں چلا ہوا ہے وہ تمام تر غلط ہے، مردوں کو دوسری شادی کی اجازت ملنا چاہیئے"

میری اسمتھ کی اس کتاب کے متعلق سنڈے ٹربیون (ڈربن۔ نٹال) مورخہ ۲۴ نومبر سنہ ۱۹۵۱ء میں اسکے لندنی وقائع نگار لکھتے ہیں:

"یقین ہے کہ پچیس سال سے اوپر عمر کی پچیس لاکھ بیوائیں جو اس وقت برطانیہ میں موجود ہیں ــــ دلچسپی اور قدر سے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لینگی"

ان اقتباسات سے اندازہ لگائیے کہ تعددِ ازدواج جس کی اسلام نے ناگزیر ضرورت کے وقت اجازت دی ہے، قانونِ فطرت کے کتنا مطابق ہے اور حالات نے لوگوں کو اسلام کے اس قانون کی حقانیت کا کیسا یقین دلایا ہے۔

یہی میری اسمتھ اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھتی ہیں :

" چونکہ اس ملک (برطانیہ) میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے اس لئے ہر عورت شوہر کو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی "۔

اس کے بعد اس نے کہا ہے :

" ایک بیوی کا رواج ناکام ہو چکا ہے اور یہ رواج بھی کوئی سائنٹیفک نہیں ہے "[۱]

" انگلستان میں جنسی بے راہ روی کو روکنے کے لئے سترھویں صدی سے کثرت ازدواج کا چرچا شروع ہو گیا۔ چنانچہ ۱۶۵۸ء میں ایک شخص نے زناکاری اور نومولود حرامی بچوں کی اموات کو روکنے کے لئے کثرت ازدواج کی حمایت میں ایک پمفلٹ شائع کیا۔ اس کے ایک صدی بعد انگلستان کے ایک قابل اعتماد اور صاحب کردار پادری نے اس مسئلہ کی تائید میں ایک کتاب لکھی۔ مشہور ماہر جنسیات جیمس ہلٹن نے فحاشی اور زناکاری کو روکنے کے لئے کثرت ازدواج کے طریقہ کو اختیار کرنے کی رائے دی "[۲]

شوپنہار نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے لکھا تھا :

" ایک بیوی پر اکتفا کرنے والے کہاں ہیں ؟ میں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ ہم میں سے ہر شخص " کثرت ازدواج " کا قائل ہے۔ چونکہ ہر آدمی کو متعدد عورتوں کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے مرد پر کسی قسم کی تحدید عاید نہ ہونی چاہیئے "[۳]

مشہور ماہر جنسیات کیلیچن اپنی کتاب میں لکھتا ہے :

---

[۱] ندائے حرم کراچی۔ ربیع الآخر ۱۳۷۱ھ [۲] اسلام اور جنسیات ص ۲۸۶ [۳] ایضاً ص ۲۸۵

"گو انگلستان میں کثرتِ ازدواج کے اصول پر بالعموم عمل ہوتا ہے لیکن سوسائٹی اور قانون نے ابھی اس چیز کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ سوسائٹی ان اشخاص کے اعمال پر خاموش رہتی ہے جو ایک بیوی یا شوہر سے شادی کر کے دو یا تین داشتاؤں یا آشناؤں سے تعلقات رکھتے ہیں لیکن سوسائٹی چیخ اٹھتی ہے۔ جب کوئی شخص یہ تحریک پیش کرتا ہے کہ مرد ایک سے زائد عورتوں سے شادی کی اجازت دی جانی چاہیئے"[1]

ایک بصیرت افروز واقعہ

علامہ عبدالعزیز ساویش مصری نے ایک واقعہ لکھا ہے، پڑھنے کے لائق ہے۔ "لندن میں ایک ہسپانوی شخص سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ہم نے بہت سے اسلامی مسائل پر تبادلہ خیالات کیا اور جیسے ہی تعدد ازدواج پر بحث چھڑی تو اس شخص نے کہا: کاش اگر میں بھی مسلمان ہوتا تو ایک اور بیوی کر لیتا۔ میں نے اس سے اسکی وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ میری بیوی کو جنون ہو گیا ہے اور اس پر کئی برس گزر چکے ہیں جس کی وجہ سے مجھے مجبوراً آشنائیاں کرنی پڑتی ہیں، کیونکہ میں دوسری بیوی نہیں کر سکتا۔ اگر میرے پاس دوسری جائز بیوی ہوتی تو اس سے میری جائز اولاد ہوتی جو میری کثیر دولت کی وارث بنتی۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور بہتر رفیق ہوتی اور مجھے اس سے اطمینان اور سکون حاصل ہوتا۔[2]

قانون اسلام سے روگردانی کا نتیجہ

مسز برڈسل کال کرز صدر رینگ ومین کرسچن ایسوسی ایشن نے واشنگٹن

---

[1] اسلام اور جنسیات ص۲۸۷ [2] ایضاً ص۲۹۲

میں بکنگ کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا ہے:

"امریکہ میں چودہ سال سے اوپر کی جوان لڑکیوں کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ ہے جو سب کی سب کنواری ہیں۔ ان کے مقابلے میں کنواروں کی تعداد نوے لاکھ ہے۔ اس حساب سے تیس لاکھ کنواری لڑکیوں کے لئے شوہروں کا ملنا محال ہے کیونکہ جنگ نے مردوں اور عورتوں کا عددی توازن بہت بڑی حد تک خراب کر دیا ہے۔"[1]

بتایا جائے کہ ایسی حالت میں کیا کیا جائے گا۔ اگر تعدد ازدواج کی اجازت نہیں دی جاتی ہے تو پھر عفت و عصمت کو دنیا کی کون سی طاقت بچا سکتی ہے اور بفرض محال بچ بھی جائے تو اس ظلم عظیم کا وبال کس کے سر آئیگا؟ اور ان تیس تیس لاکھ تعداد کی گریہ زاری اور ان کے نالہ و شیون کیا کچھ نہ کرینگے۔ جس نے یہ لکھا بالکل سچ لکھا کہ:

"لوگ سمجھتے ہیں تعدد ازدواجی اور وحدت ازدواجی میں مقابلہ ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ اصل میں مقابلہ ہے محدود تعداد ازدواجی کا لامحدود حرامکاری سے۔ اسلام بعض سخت شرائط کے تحت محدود تعداد ازدواجی کی اجازت اس لئے دیتا ہے کہ لامحدود حرام کاری کا سد باب ہو لیکن جو وحدت ازدواجی کے قائل ہیں ان کے پاس لامحدود حرامکاری کے انسداد کا کوئی علاج نہیں۔ اسی لئے تو وہ تعدد ازدواجی کے خلاف زہر افشانی کرتے ہیں، مگر یہ آواز بلند نہیں کرتے کہ ایک عورت والے مرد کو دوسری جگہ شہوانی جذبات کی سیری کے لئے منہ کالا نہ کرنا چاہیئے۔"[2]

---

[1] زمزم لاہور ۱۵ ستمبر ۱۹۴۵ء [2] ایضاً ۱۵ اگست ۱۹۴۵ء

ہندوؤں کا اعتراف حق

یہ تو مغرب کا اعتراف حق تھا۔ اب ہندوؤں کے متعلق سنیئے :-

" مدراس ہندو مہا سبھا نے ہندو لا کمیٹی کے نام جو یادداشت ارسال کی ہے اس میں پہلی بار ہندو سوسائٹی کے لئے بعض حالات میں تعدد ازدواج کی ضرورت کا اعتراف کیا گیا ہے یعنی ہندوؤں کو بعض ایسے حالات بھی پیش آسکتے ہیں، جن میں ایک مرد کو کئی کئی عورتوں سے شادی کی اجازت ہونی چاہیئے۔

ہمیں بتانا یہ ہے کہ اسلام نے عفت وعصمت اور پاکبازی کے لئے جو شاہراہ قائم کی ہے اس پر چلنے سے ہی عزت و آبرو اور پاکدامنی حاصل ہو سکتی ہے دوسری کوئی شکل نہیں اور وہ شاہراہ یہی ہے کہ جو عورتیں پسند آئیں ان سے شادی کر لی جائے، ایک سے کی جائے، ضرورت ہو تو دو سے، تین سے حتیٰ کہ چار تک سے اجازت ہے مگر عدل و مساوات کی ضروری شرطوں کے ساتھ۔

تعدد ازدواج میں عدل و مساوات

کن امور میں عدل و مساوات ضروری ہے، اس کی کچھ بحث عورتوں کے حقوق میں آئے گی، کچھ یہاں لکھی جاتی ہے۔ اگر واقعتہً ضرورت نے ایک سے زیادہ بیویاں کرنے پر مجبور کر دیا ہے تو کر لی جائے، مگر بدکاری اور روسیاہی کی کبھی جرأت نہ کی جائے اور دوسری شادی کی جائے تو یہ یقین کر کے کہ ہمیں اپنی تمام بیویوں کے درمیان عدل و مساوات برتنی ہے اس کے خلاف نہیں کرنا ہے کیونکہ رب العزت کا حکم ہے :

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا   " اگر تم کو احتمال ہو کہ عدل نہ برت سکو گے

لے زمزم لاہور ۲۳ فروری ۴۵ء

فَوَاحِدَةً" (النساء) تو ایسی حالت میں ایک ہی پر بس کرو"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

اذا کانت عند الرجل امرأتان "جب کسی مرد کی دو بیویاں ہوں اور وہ
فلم یعدل بینهما جاء یوم ان دونوں میں عدل نہ کرے تو قیامت
القیامة وشقه ساقط رواه میں اس طرح آئیگا کہ اسکا ایک پہلو
الترمذی وغیرہ (مشکوٰۃ باب القسم) ساقط ہوگا۔"

مقصد ہے کہ متعدد بیویاں ہونے کی صورت میں تمام بیویوں میں عدل و مساوات کی پوری رعایت ملحوظ رکھی جائے، اسکے خلاف کرنے کی شکل میں اللہ تعالیٰ شوہر کو سزا دیگا، اور ساری مخلوق کے سامنے محشر میں اسکی ناانصافی کی یہ علامت ہوگی کہ اس کے جسم کا ایک حصہ ساقط ہوگا، اور یہ ایک طریقہ ہوگا اس شوہر کی تذلیل و توہین کا جس نے اپنی بیویوں میں عدل و مساوات کی ضروری شرطیں پوری نہیں کی ہیں!

اختیاری شے میں عدل

عدل و مساوات ان چیزوں میں ہے جو انسان کے قصد و اختیار میں ہے جس کی تفصیل اوپر گزری، باقی جو چیز انسان کے قصد و اختیار سے باہر ہے اس میں بھی عدل و مساوات کی سعی پیہم کرے، ہاں اس سے آگے اسکی گرفت نہیں ہے مگر رب العزت سے اپنی اس کوتاہی کی معافی مانگتا رہے چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے درمیان تقسیم میں عدل و مساوات سے کام لیتے تھے اور فرماتے تھے :

اللّٰھم ھذا قسمی فیما املك "اے اللہ! جس میں مجھ کو قابو حاصل ہے

فلا تلمنی فیما تملك ولا	اس میں میری یہ تقسیم ہے اس چیز
املك رواہ الترمذی ۔	میں ملامت نہ فرما جس کا تو مالک ہے
(مشکوٰۃ باب القسم)	لیکن میں مالک نہیں۔"

حضرت عائشہ رضؓ ہی کا واقعہ ہے کہ انھوں نے حضرت عروہؓ سے کہا: اے میری بہن کے نورِ نظر رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں جب باری مقرر کرتے تو کسی کو کسی پہ فضیلت نہیں دیتے تھے بلکہ عدل و مساوات کی کار فرمائی ہوتی تھی، ہاں یہ البتہ ہوتا کہ ہم تمام سے آپ ملاقات فرماتے اور سب سے ملتے مگر رات میں انہی کے گھر میں آرام فرماتے جن کی باری ہوتی، دوسری کے یہاں غیر کی باری کے دن قیام نہیں کرتے[1]"

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا آخری لمحاتِ حیات میں عدل و مساوات

مسلم شریف میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے بعد نماز عصر ملتے تھے[2]

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معاملہ میں عدل و مساوات برتنے کا یہ حال تھا کہ مرض الوفات میں بھی اس کو فراموش نہ فرمایا۔ ایام مرض میں بھی دریافت فرماتے رہتے، کل میری باری کہاں ہے؟

کان یسأل فی مرضه الذی	"مرض الوفات میں پوچھتے تھے:
مات فیه "این انا غدا؟"	(کل میری باری کہاں ہے)"

بلوغ المرام باب القسم)

---

[1] بلوغ المرام باب القسم عن احمد وابی داؤد [2] ایضاً

مانوس کرنے کیلئے نئی بیوی کے ساتھ رعایت :

دوسری شادی کرے تو دیکھا جائیگا کہ نئی بیوی جو آئی ہے ، یہ کنواری ہے یا بیاہی - اگر کنواری (باکرہ) ہوگی تو اس کے پاس سات دن قیام کرے گا — پھر مساوات کی باری چلے گی ، اور اگر دوسری بیوی بیاہ کر لایا ہے تو اسکے یہاں تین دن قیام کرے گا پھر اسکے بعد باری مقرر کی جائے گی ، یعنی نئی دلہن جو آئیگی اس کے لئے یہ حق رکھا گیا ہے کہ باکرہ ہو تو اس کو سات دن دیئے جائیں کہ وہ شوہر سے مانوس ہو ، ثیبہ ہو تو تین دن — یہ دن حساب میں وضع نہ ہوں گے !

حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ سُنت یہ ہے :

اذا تزوج الرجل البکر علی الثیب اقام عندھا سبعا ثم قسم واذا تزوج الثیب اقام عندھا ثلاثا ثم قسم متفق علیہ (مشکوٰۃ باب القسم)	"مرد جب ثیبہ کے بعد کنواری سے شادی کرے تو اسکے پاس سات دن قیام کرے پھر تقسیم کرے اور ثیبہ سے جب شادی کرے تو اسکے پاس تین دن قیام کرے پھر باری مقرر کرے۔"

سفر میں لے جانے کے لئے قرعہ :

سفر میں جب کسی بیوی کو لے جانا ہو تو قرعہ کے ذریعے سے فیصلہ کرے جس کا نام قرعہ میں نکلے اسی کو ساتھ لے جائے تاکہ ناانصافی نہ ہونے پائے ، اور خود بیویوں کو بھی یہ خیال نہ گزرے کہ ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا حدیث میں ہے

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد سفرا اقرع بین نسائہ	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج مطہرات میں

فابیتھن خرج اسمھا خرج بھا   قرعہ اندازی کرتے جس کے نام کا قرعہ پڑتا
معہ متفق علیہ (مشکوٰۃ باب القسم)   وہ آپ کے ساتھ جاتیں"

سفر سے واپسی پر پھر حساب و کتاب کس نہج پر ہوگا؟ اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں :

(۱) بعض علماء کی رائے ہے کہ سفر کی مدت کا حساب نہ ہوگا، گھر پہنچنے کے بعد ازسرِ نو سب کے لئے مساوات کے ساتھ باری چلے گی، جو سفر میں گئی ہے اس کی باری سے مدت سفر کی مقدار وضع نہ کی جائیگی، خواہ قرعہ ڈالا گیا ہو اور نام نکلنے پر ساتھ لے گیا ہو یا بغیر قرعہ کے ہی ایسا کیا ہو۔ امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ اسی کے قائل ہیں۔

(۲) بعض علماء کہتے ہیں کہ مدتِ سفر کا حساب ہوگا اور جو عورت ساتھ گئی ہے اس کے حصہ سے اتنے دن وضع کر لئے جائینگے جتنے دن وہ سفر میں ساتھ رہی ہے یہی اہلِ ظاہر کا مذہب ہے۔ قرعہ کے ذریعہ سے ساتھ گئی ہے یا بغیر قرعہ کے،

(۳) بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر قرعہ کے ذریعہ نام نکلا اور ساتھ گئی تو یہ حساب میں وضع نہ کیا جائے گا اور اگر بغیر قرعہ کے کسی بیوی کو اپنی مرضی سے ساتھ لے گیا ہے تو ایسی صورت میں مدت سفر کو حساب میں شمار کیا جائے گا، یہی قول ہے امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا

اپنے حصہ کا ہبہ اور ملنے کی آزادی :

کوئی بیوی چاہے کہ اپنی باری اپنی سوکن کو بخش دے تو ایسا کر سکتی ہے اور شوہر پر لازم ہوگا کہ اس بخشنے والی بیوی کی باری اس کے پاس گزارے جس کو اس نے ہبہ کیا ہے۔ ہاں اگر اپنی باری شوہر ہی کو بخش دے تو پھر شوہر کو اختیار ہے جسکے پاس

چاہے اس دن کو گذارے[1]۔

ملنے اور بات چیت میں آزادی ہے۔ یعنی باری جس کی بھی ہو، ملاقات سبھی سے شوہر کر سکتا ہے اور سب کو جمع کر کے بات چیت بھی کر سکتا ہے البتہ وطی اسی سے کرے گا جس کی باری ہے غیر سے نہیں کر سکتا[2]۔

ایک بحث البتہ رہ گئی کہ کیا بیویوں سے وطی کرنے میں بھی مساوات ضروری ہے؟ چونکہ وطی کا دارومدار محبت اور طبیعت کے میلان پر ہے اس لئے اس میں مساوات ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے لیکن یہ مطلب نہیں کہ مساوات کی سعی نہ کی جائیگی بلکہ کوشش اس میں بھی مساوات ہی کی رہنی چاہیئے۔ اگر سعی کے باوجود طبیعت مائل نہ ہو اور انتشار پیدا نہ ہو تو البتہ معذور سمجھا جائے گا، اور اگر طبعی خواہش اور میلانِ نفس کے باوجود ترک کرنا چاہے تو اس کی ہرگز اجازت نہیں ہے کہ یہ قصداً حق تلفی اور ناانصافی ہے[3]۔

بیوی کی خوشنودی

نان ونفقہ میں بھی عورتوں کے اندر عدل ومساوات سے کام لے اور ماحصل یہ ہے کہ ہر طرح اپنی تمام بیویوں میں عدل ومساوات کو کام میں لائے اور ان کی ہر طرح دلدہی کرے۔

آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ اسلام جو جھوٹ کو بدترین گناہ کہتا ہے اور ایک منٹ کے لئے برداشت نہیں کرتا، مگر بیویوں کی رضامندی کے لئے بوقتِ ضرورت جھوٹ بولنے کی بھی اجازت ہے۔ حدیث میں ہے ام کلثوم راوی ہیں:

---

[1] زاد المعاد جلد ۴ صفحہ ۲۰ [2] ایضاً [3] ایضاً

لم اسمعه النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرخص فی شئ مما یقول الناس الا فی ثلث الحرب والاصلاح بین الناس وحدیث الرجل امرأتہ والمرأۃ زوجھا (موطا مصفی ج۲ ص۲۲۴)

"تین چیزوں کے سوا کسی میں آپ نے کذب کی رخصت نہیں دی، صرف ان چیزوں میں رخصت تھی: لڑائی، صلح صفائی اور مرد کا بیوی سے بات کرنا اور بیوی کا مرد سے"۔

عدم مساوات کا نتیجہ

مگر یہ کسی لمحہ برداشت نہیں کہ ناجائز طور پر بیوی پر مظالم ڈھا کر ان کی دل شکنی کرے اور ان کے شیشۂ دل کو ٹھیس لگائے۔ یہ وہ زریں ہدایات ہیں جنکا لحاظ ومپاس زندگی میں نہایت ضروری ہے۔ جو لوگ چند عورتوں سے بیک وقت شادی کرتے ہیں اور ان زریں اصولوں پر عمل نہیں کرتے ان کی زندگی عذاب الیم میں گھر جاتی ہے۔ بیویوں کی وجہ سے گھر فتنہ و فساد اور جھگڑے کا اکھاڑہ بن جاتا ہے اور زن وشو میں کسی کو ایک لمحہ اطمینان کا سانس نصیب نہیں ہوتا۔ شوہر کا اثر ورسوخ دم توڑ دیتا ہے۔ وقار کی روح مردہ ہو جاتی ہے اور اپنے اور غیر میں اس کی پوزیشن پامال ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہی حال اس کی متعدد بیویوں کا ہوتا ہے۔

پھر یہیں پہنچکر بات ختم نہیں ہو جاتی۔ دونوں بیویاں اپنے بچوں کو دوسری ماں کے خلاف ابھارتی ہیں، خود باپ کی طرف سے بھی نفرت پیدا کرنے کی سعی کی جاتی ہے اور بالآخر ایک شریف گھرانہ جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے۔

اس سے بڑھ کر بات یہ ہوتی ہے کہ اگر تمام بیویوں کے حقوق کا لحاظ نہیں کیا جاتا، ایک ہی بیوی پر مرد جب اس جھک پڑتا ہے کہ دوسری لٹکی رہ جاتی ہے تو دوسری بیوی کبھی اس کام کے لیے اپنے آپ کو آمادہ کر لیتی ہے جس کا

نام لینا بھی ننگ وعار کی بات ہے۔ راجہ مہاراجہ اور نوابوں کی متعدد بیویوں کی کہانی مشہور ہے۔ عفت وعصمت اس طرح لٹائی جاتی ہے جس کی کوئی مثال نہیں اور اسے اسلام ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں

سارے قوانین کا ماحصل ــــــ عفت وعصمت

اس ساری بحث کا منشا یہ تھا کہ اسلام ایک منٹ کے لئے بھی یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ انسان کی عفت وعصمت پامال ہو، اور ان کے اخلاق واعمال کی گندگی دنیا کو متعفن کر ڈالے۔ جنسی میلان آدمی کی فطرت میں رکھا گیا ہے لیکن اسکے لئے قدرتی راہ بھی بنا دی گئی ہے۔ اِس جائز راستہ سے داعیات فطرت پورے کئے جائیں، اگر کسی کو ایک بیوی سے تسکین نہ ہو اور جس معقول وجہ سے بھی سہی اور وہ یقین رکھتا ہے کہ عدل ومساوات کا دامن میرے ہاتھوں سے چھوٹنے نہ پائیگا تو دو بیویاں رکھے، دو بیویاں کافی نہ ہوں تو شروطِ مذکورہ کے ساتھ تین بیویاں رکھے۔ اگر تین بیویاں بھی اس کی زندگی میں سکون نہ پیدا کر سکیں تو شروطِ مذکورہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے چار بیویاں تک رکھ سکتا ہے۔ مگر یہ کسی حالت میں قابلِ برداشت نہیں کہ عصمت وعصمت کا دامن داغدار کرے

بیک وقت چار بیویوں سے زیادہ کی اجازت نہیں!

ہاں چار بیویوں سے زیادہ بیک وقت نہیں رکھ سکتا، جو لوگ چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کے قائل ہیں وہ تحاملِ توراث، بلکہ صدرِ اول کے اجماعی فیصلہ کو مسترد کرکے بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر پر لے رہے ہیں!

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی

مسلمان[۱] ہوئے تو ان کی نو بیویاں تھیں، یہ بھی مسلمان ہوگئیں۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خذ منھن اربعا "ان میں سے چار پسند کرلو"۔

(ابن ماجہ باب الرجل یسلم وعندہ اکثر من اربع نسوۃ)

حضرت قیس[۲] بن حارث کا بیان ہے کہ میں مسلمان ہوا تو اس وقت میرے آٹھ بیویاں تھیں چنانچہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے اپنی آٹھ بیویوں کا تذکرہ کیا، آپ نے یہ سُنکر فرمایا:

اختر منھن اربعا (ابن ماجہ) "ان میں سے چار کو چُن لو"

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتہً چار بیویوں سے زیادہ رکھنے کی اجازت نہیں دی ہے اور جن لوگوں کے پاس چار سے زیادہ بیویاں تھیں، اسلام لانے کے بعد آپ نے صرف ان میں سے چار کی اجازت فرمائی بقیہ کو علیحدہ کرا دیا۔ خود سرور کائنات کا طرز عمل، سو ظاھر ہے کہ آپ کی ذات سے مختص تھا۔

---

[۱] ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

ان غیلان بن سلمۃ الثقفی اسلم ولہ عشرۃ نسوۃ فی الجاھلیۃ فاسلمن معہ فقال النبی صلعم امسك اربعا وفارق سائرھن رواہ احمد والترمذی" (مشکوۃ باب المحرمات)

[۲] دیکھئے مشکوۃ باب المحرمات ۱۲ منہ

شادی کرنیوالوں کے اختیارات و فرائض

اسلام نے جس طرح عفت و عصمت کے تحفظ کے لئے ایک سے زیادہ بیویوں کی بعض ضروری شرطوں کے ساتھ اجازت دی، مگر اسے گوارا نہ کیا کہ انسانی شرافت کے چہرہ پر گندگی کی دھول بھی اُڑ کر پڑے، ٹھیک اسی طرح عفت و عصمت اور اخلاق و اعمال کی پاکیزگی کے لئے انسان کو اس بات کی بھی اجازت دی کہ شادی کرنے میں حدود اللہ کے اندر رہ کر اپنی پسند کی بیوی کرے، اور عورت اپنے پسند کے مطابق شوہر تجویز کرے — ارشادِ ربانی ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (النساء — ۱)

"تم نکاح کرلو عورتوں میں جو تم کو پسند ہو۔"

حقِ انتخاب

ان عورتوں سے شادی کا مشورہ دیا گیا ہے جو پسند ہو اور دل کو بھائے اس مسئلہ میں جو پابندی ہے وہ بس اتنی کہ حدود اللہ ٹوٹنے نہ پائے، یعنی کچھ عورتیں ایسی ہیں جن سے شادی جائز نہیں ہے بلکہ ان سے رشتہ ازدواج کا قیام شریعت نے حرام قرار دیا ہے، ان میں کچھ قرابت دار ہیں اور کچھ غیر مذاہب کی پابند ان کو چھوڑ کر جو عورتیں حلال ہیں ان میں انتخاب کا حق عطا کیا گیا ہے جس طرح مردوں کو عورتوں کے جائز انتخاب میں اختیار ہے۔ اسی طرح عورتوں کو بھی اسلام نے حقِ انتخاب بخشا ہے، حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے ان میں سے کوئی بھی مجبور نہیں کیا گیا ہے کہ کسی خاص عورت یا مرد سے رشتہ جوڑے۔ ہر ذی عقل جانتا ہے

کہ چند پیسے کی جو چیز خریدی جاتی ہے اُسے ٹھوک بجا کر لیا جاتا ہے اور شادی جیسی اہم چیز جس کا پوری زندگی سے واسطہ ہے اور جسکے ذریعہ دو اجنبی مرد عورت ایک مضبوط رشتہ میں منسلک ہو رہے ہیں۔ اس میں غفلت کا مشورہ کون دے سکتا ہے!

اِسلام جو ستم رسیدوں کے لئے عدل و مساوات کا پیام بنکر آیا — اور مظلوم و بے سہارا لوگوں کی جائز حمایت جس کی سرشت میں داخل ہے وہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ حق والوں کو ان کا حق نہ ملے، یا ظالموں کے ظلم کی بیخ کنی نہ ہو، چنانچہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ہر ایک ظلم و جور کی بنیاد ڈھا دینے کا اعلان کیا۔ اس نے زندگی کے اس شعبہ میں بھی جس میں دو اجنبی ملتے ہیں، اصلاح کی، مظلوموں کو ان کا حق دلایا اور ظالم کا ظلم سے ہاتھ پکڑ لیا، تاکہ رشتۂ ازدواج سے جو بنیادی مقاصد وابستہ ہیں وہ حسن و خوبی سے وجود میں آئیں۔

رشتۂ ازدواج کے سلسلہ میں قرآن پاک کی ہدایتوں اور مشکوٰۃ نبوت کی روشنی کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے تو یقینی طور پر بہتر ہوگا کہ نہ مرد مسلوب الاختیار رہے اور نہ عورتیں، جو بات پابندی کی نکلے گی، وہ صرف اتنی کہ حدود اللہ کے اندر رہنا ضروری ہے۔

ظلم و جور کی بیخ کنی

حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے اسلام نے مرد و عورت جس کی شادی ہو رہی ہے اس کی رائے کو ترجیح دی ہے، اور ان کی رائے قبول کرنے کو بہر حال ضروری بتایا ہے اسلام سے پہلے اس باب میں ظلم ہوتا تھا، لڑکیوں پر ان کے ولی ناجائز دباؤ ڈالتے تھے اور ایسے مردوں سے ان کی شادی کر دیتے تھے جنکو لڑکیاں پسند نہ کرتی تھیں

یہ یتیم لڑکیوں کے حق میں خصوصیت سے ناانصافی ہوتی تھی۔

جاہلیت کی تاریخ پڑھیے تو معلوم ہو کہ جاہلی معاشرہ میں عورتوں کی حیثیت کس قدر پست تھی، یہ غریب مال منقولہ سمجھی جاتی تھیں، شادی کے بعد شوہر یہ سمجھتا تھا کہ میں نے مہر کے بدلہ بیوی کو خرید لیا ہے، چنانچہ شوہر کے مرنے کے بعد شوہر کے وارث عورت کو اپنی ملکیت میں شمار کرتے اور اس طرح دوسرے مظالم ہوتے تھے۔ اسلام جب آیا تو اس نے اس ظلم وستم کی بیخ کنی کو بھی ضروری سمجھا۔

ولی کو مشورہ کا حق :

حد بلوغ تک پہنچنے کے بعد عاقل لڑکا اور لڑکی جسطرح دنیا کے دوسرے معاملات میں بڑی حد تک آزاد ہوتے ہیں۔ اسی طرح اسلام نے ان کو شادی کرنے میں بھی حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے آزادی بخشی ہے۔ والدین اور دوسرے اقرباء اس شعبۂ زندگی میں اپنے تجربات کی روشنی میں معتدل مشورے ضرور دے سکتے ہیں اور ان کو مشورہ دینا بھی چاہیئے۔ مگر یہ دباؤ اور جبر نہیں ڈال سکتے، شادی کرنے والے جوڑے کو بھی چاہیئے کہ اپنے بزرگوں کے مشوروں کو قبول کریں کہ ان کی رائیں پختہ ہوتی ہیں اور محبت وشفقت میں ڈوبی ہوتی۔ بایں ہمہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ان کو ان مشوروں کے قبول کرنے پر اسلام نے مجبور نہیں کیا ہے

عورتوں کو شوہر کے انتخاب میں اختیار

عورتیں جنکو ہندوستان کے ماحول میں ہم مجبور محض سمجھتے ہیں اسلام نے ان کو اتنا مجبور ہرگز نہیں کیا، جتنا سمجھا جاتا ہے، بالغ لڑکوں کی طرح بالغ لڑکیوں

کو بھی اس باب میں بڑی حد تک آزادی ہے۔ نکاح کے باب میں بالغ لڑکیوں کی رضا اور ان کی اجازت ہر حالت میں ضروری قرار دی گئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا تنکح الایم حتے تستامر ولا تنکح البکر حتے تستاذن (بخاری باب لا ینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاہا)

"شوہر دیدہ کی شادی اس وقت تک نہ کی جائے جب تک اس کا حکم نہ لے لیا جائے اور کنواری عورت کا نکاح بھی اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے۔"

دوسری حدیث اس سے بھی واضح ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

الایم احق بنفسها من ولیها والبکر یستاذنها فی نفسها واذنها صماتها (مسلم باب استیذان الثیب بالنطق والبکر بالسکوت)

"شوہر دیدہ عورت خود اپنی ذات کی ولی سے زیادہ حقدار ہے اور کنواری کے نکاح کے وقت اس سے اجازت نے لی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔"

تیسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الثیب احق بنفسها من ولیها والبکر یستاذنها ابوها و اذنها صماتها (مسلم باب: ایضاً)

"وہ عورت جو شوہر دیکھ چکی ہے بذات خود ولی سے زیادہ حقدار ہے اور کنواری سے اس کا باپ اجازت حاصل کرے اور اس کی اجازت اس کا چپ رہنا ہے"

ان حدیثوں میں جو لب و لہجہ اختیار کیا گیا ہے اور جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان پر سنجیدگی سے غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ پیغمبر اسلام کا منشا کیا ہے،

عورتوں کو شادی کے باب میں مختار بنایا گیا ہے، یا ان کو مسلوب الاختیار گردانا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جن کو ذرا بھی فہم و عقل عطا کی وہ یہ فیصلہ دینے پر مجبور ہوں گے کہ اسلام نے عورتوں کی شادی کرنے کے سلسلہ میں مسلوب الاختیار نہیں بنایا ہے بلکہ ان کی منظوری کو ضروری قرار دیا ہے۔ بغیر عورت کی رضا حاصل کیے ہوئے اس کی شادی کسی مرد سے نہیں کی جاسکتی۔

ولی کا فریضہ:

ولی کا فریضہ ہے کہ پہلے بالغ سے رضا حاصل کرے پھر وہ کسی مرد سے اس کی شادی کی بات چیت طے کرے، حد یہ ہے کہ باپ جو لڑکی کے حق میں سراپا رحیم و شفیق ہوتا ہے اس کو بھی پیغمبرِ اسلام حکم دے رہے ہیں کہ لڑکی کی رائے معلوم کرے اور اس کی اِجازت حاصل کر لے، پھر اس کی شادی اسکی پسند کے مطابق کرے،

مگر اسلام نے جہاں لڑکی کی رضا اور اجازت کو ضروری قرار دیا ہے، وہاں لڑکی حیا اور شرم کو بھی مجروح نہیں ہونے دیا، بلکہ پاس ادب یہ ہے کہ لڑکی کے سکوت کو بھی اجازت کا درجہ دیا ہے۔ اگر وہ کنواری ہے۔ ہاں اگر ثیبہ ہے تو اس کی صراحتاً اجازت کی ضرورت ہے، استیمار اور استیذان سے اسی طرف اشارہ ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ سکوت یا قرہ جواذن کے درجہ میں اس کے لئے اچھا ہے کہ عورت کو یہ مسئلہ معلوم ہو۔

عورت کی عدم رضا سے نکاح کا رَدّ عہدِ نبوی کے میں

حدیث میں ایک صحابیہ حضرت خنسا بنت حزام کا واقعہ مذکور ہے کہ ان کے باپ نے

کسی شخص سے ان کی شادی کر دی، حضرت خنساءؓ کو یہ رشتہ پسند نہ آیا دربارِ نبوی میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی ۔ رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت خنساءؓ کی درخواست قبول فرمالی اور ان کے باپ کے کئے ہوئے نکاح کو ردّ فرما دیا۔

دوسرا واقعہ عبداللہ بن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک باکرہ عورت، رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں آئی اور بیان کیا کہ میرے باپ نے جس سے میری شادی کر دی ہے، وہ مجھے پسند نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اختیار دے دیا: جی چاہے رکھو، جی چاہے: رَد کر دو!

باپ کو بھی جبر کا اختیار نہیں

ایک واقعہ بریدہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک نوجوان عورت دربارِ نبوی میں حاضر ہوئی اور بیان کیا کہ میرے والد محترم نے میری شادی میرے چچا زاد بھائی سے کر دی ہے جو مجھے پسند نہیں ہے، اس عورت کی اس رشتہ سے ناگواری سُن کر آپ نے معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے دیا کہ تم کو اس نکاح کے رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے۔ عورت نے یہ سُنکر اطمینان کی سانس لی اور بولی کہ میرے باپ نے جو کچھ کیا اس کی اجازت دے چکی ہوں، لیکن اس وقت سوال کرنے اور حضور سے جواب حاصل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ عورتوں کو سبق دوں: کہ باپ کے ہاتھ میں یہ نہیں ہے کہ بالغ لڑکی کی رضا حاصل کئے بغیر شادی کر دے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

---

[۱] بخاری باب اذا زوج ابنتہ وہی کارہۃ فنکاحہ مردود [۲] ابن ماجہ باب من زوج ابنتہ وہی کارہۃ

ولکن اردت ان تعلم النساء ان لیس الی الآباء من الامر شیء (ابن ماجہ باب من زوج ابنتہ وہی کارہۃ)

"لیکن میں نے عورتوں کو یہ بتا دینا چاہا کہ باپ دادا کے ہاتھ میں نکاح کے معاملہ میں کچھ نہیں ہے"

عبدالرحمٰن بن یزید اور مجمع بن یزید رضؓ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص سے جو خدام کے نام سے مشہور تھے۔ انھوں نے اپنی لڑکی کی شادی کی، ان کی لڑکی کو یہ رشتہ پسند نہ آیا، چنانچہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی، اور اپنی ناپسندیدگی کا تذکرہ کیا۔ چنانچہ آپ نے اس کے باپ کے کئے ہوئے نکاح کو باطل قرار دیا اور پھر اس عورت نے ابولبابہ بن عبدالمنذر سے شادی کی۔[1]

اِن حدیثوں کو پڑھنے کے بعد اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ بالغہ عورت کی شادی میں اس کو مجبور نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس کو شوہر کے انتخاب میں پورا اختیار ہے اور اس ساری کدوکاوش اور اختیارات کا مقصد یہ ہے کہ عفت و عصمت، محبت ومودت اور بقائے نسل انسانی جو نکاح کے بنیادی مقاصد ہیں وہ بحسن وخوبی انجام پذیر ہوں۔

ولی کو حق مشورہ اور اسکا لحاظ:

نابالغہ لڑکی کا نکاح البتہ اسکی اجازت کے بغیر ولی کرسکتا ہے، اس کے باب میں باپ کو بھی اختیار ہے اور دوسرے ولی کو بھی، مگر باپ کا اختیار مضبوط ہے کہ بلوغ کے بعد لڑکی کو خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خود اپنا بیان ہے کہ میری شادی نبی کریم صلے اللہ علیہ

---

[1] ابن ماجہ باب من زوج ابنتہ وہی کارہۃ

وسلم سے اس وقت ہوئی جب میری عمر چھ سال کی تھی [1]

بہرحال نکاح کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے اس لئے جو کچھ کیا جائے خوب سوچ سمجھ کر کیا جائے، ولی بھی اپنی حد تک اطمینانی شکل پیدا کرلیں اور جس کی شادی ہو رہی ہے وہ بھی سکونِ قلب پالیں۔

یہاں ایک اور بات سمجھنے کی ہے، وہ یہ کہ آجکل گذشتہ دور کا ردِ عمل یہ ہو رہا ہے کہ شادی کرنے والے اپنی شادی کے معاملہ میں ولی حتٰی کہ والدین کی رائے بھی ضروری نہیں سمجھتے، کوئی شبہ نہیں کہ "شادی اپنی پسند ہی کی ٹھیک ہوتی ہے"۔ مگر ساتھ ہی یہ بات بھی نہ بھولنی چاہیئے کہ "جوش" کے ساتھ "ہوش" نہایت ضروری ہے اور شادی کا جہاں "جنسی میلان کی تسکین" سے تعلق ہے۔ اس کے ساتھ شادی کا تعلق گھر، خاندان، قوم اور ملک سے بھی ہے "حال" کے ساتھ "مستقبل" پر نگاہ رکھنا بھی ہر دُور اندیش کا فریضہ ہے، اس لئے اگر یہ کہا جائے تو غیر مناسب ہوگا کہ شادی کے معاملہ میں والدین، یا جو ولی ہوں ان کا مشورہ بڑی حد تک ضروری ہے۔

اختلاف کے وقت عورت کی پسند قابلِ ترجیح

اب یہ سوال باقی رہ گیا کہ عورت کی رائے اور مرد کی رائے میں ٹکراؤ ناگزیر طور پر ہوتا ہے تو ایسے موقع پر کیا فیصلہ ہوگا؟ تو یہاں تک بغیر شک وشبہ یہ کہا جائے گا کہ عورت کی مرضی مقدم ہوگی اور اسی کی رائے کو شرعی طور پر ترجیح دی جائے گی، کیونکہ شادی عورت کی ہو رہی ہے۔ عفت وعصمت کا تعلق اس سے عورت کا ہے، ولی کی شادی نہیں ہو رہی ہے، اور نہ اس بندھن کے نباہنے

---

[1] ابن ماجہ نکاح الصغار یزوجہن الآبار

کی ذمہ داری ہی ولی پر ہے۔ پس یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ٹکراؤ کے وقت میں ولی کی رائے کو ترجیح دی جائے اور عورت کی رائے و رضا کی پرواہ نہ کی جائے پھر عہدِ نبوی کے فیصلے اور واقعات موجود ہیں کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے عورت کی رضا کو ترجیح دی، باپ کا کیا ہوا، نکاح بھی رد فرما دیا مگر عورت کے خلاف مرضی فیصلہ نہیں فرمایا، جیساکہ میں اوپر نقل کر آیا ہوں' پھر قرآنِ پاک کی یہ آیت بھی سامنے رکھیے :

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِیْ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (بقرہ - ۳۰)

"وہ عورتیں جب اپنی میعاد پوری کر لے تو تم کو اس بات میں کوئی گناہ نہ ہوگا جو وہ قاعدہ کے مطابق اپنی ذات کے لئے کچھ کارروائی کریں'

اس آیت میں عورت کو اپنا معاملہ نبٹنے کی پوری آزادی ہے۔ عورت انسان ہے عقل وفہم کی مالک ہے، وہ کوئی عضو معطل نہیں کہ بغیر ولی کی اجازت کے کوئی کام کر ہی نہیں سکتی۔

ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر ماننا پڑے گا کہ نکاح میں حتے الوسع عورت اور ولی دونوں کی موافقت ضروری ہے تاکہ کام خوش اسلوبی سے انجام پاسکے اس باب میں حضرت مولانا انورشاہ کشمیری رح کی رائے بہت درست ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :

مولانا کشمیری رح کا اصول اور فیصلہ :

مولانا کشمیری رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

ایسے معاملات جن کا تعلق جماعت سے ہے، شریعت (اسلام) نے ان

میں طرفین کی رعایت ملحوظ رکھی ہے۔ اور ایسے باب میں مجموعۂ احادیث کو سامنے رکھکر فیصلہ کرنا چاہیئے۔ صرف ایک جانب کو سامنے رکھکر جو بھی فیصلہ ہوگا اس سے شارع علیہ السلام کی مراد کا پالینا مشکل ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کا معاملہ ہے اس معاملہ کا زکوٰۃ دینے والے، اور زکوٰۃ وصول کرنے والے، دونوں سے تعلق ہے زکوٰۃ دینے والے کے متعلق حدیث میں صراحت کے ساتھ یہ بات ہے کہ اگر اس کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے والا آئے تو زکوٰۃ دینے والا اس کو خوش کرے جو مانگے، دے۔ انصاف کرے گا اپنے لئے کرے گا، اور اگر خدانخواستہ ظلم کو راہ دے گا تو اپنے لئے وبال خریدے گا۔ کیونکہ زکوٰۃ کا کمال یہ ہے۔ کہ وصول کرنے والا خوش جائے۔

کسی حدیث میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ صلے اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے زکوٰۃ وصول کرنے والے عامل کی شکایت کی، آپؐ نے فرمایا: اس کو خوش کرو! زکوٰۃ میں جیسا مال مانگے دو۔ پوچھنے والے نے دریافت کیا، یاحضرتؐ! ظلم کرے تو بھی، آپ نے فرمایا: ہاں پھر بھی!

دوسری طرف عامل کے متعلق حدیث میں صراحت ہے کہ آنحضرتؐ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خبردار! مال والوں کا بہترین مال زکوٰۃ میں لینے سے پرہیز کرو، مظلوم کی دعا سے ڈرو کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے!

دونوں کو سامنے رکھئے اور سوچیئے تو معلوم ہوگا کہ زکوٰۃ دینے والوں کو... نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جو ہدایت دے رہے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اس معاملہ میں بولنے کا حق نہیں ہے۔ عامل جو مانگے دے، ظلم کرے تو بھی نہ بولے اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کے متعلق جو ہدایت نبویؐ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو زیادتی کا کوئی حق ہی نہیں ہے۔ انصاف

سے مالا مال جو دے دے، لے لے، ورنہ وعید کا مستحق ہوگا۔

خود میاں بیوی کا باہمی معاملہ قابلِ غور ہے: ایک طرف بیوی کو حکم ہے: کہ شوہر کو خوش رکھو! بیوی کے لئے ذرا سی بد خلقی پر دوزخ کی وعید شدید ہے مگر دوسری طرف شوہر کو فرمایا جا رہا ہے کہ تم میں کامل فی الایمان وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو اور اپنی بیوی کے لئے بہترین ہو۔

ٹھیک اسی طرح عورت اور اس کے ولی کا معاملہ ہے۔ عورت کو کہا جا رہا ہے کہ تمھارے نکاح میں ولی کا حق ہے اور اس قدر حق ہے کہ بغیر اسکی اجازت کے نکاح باطل، اور ولی کو کہا جاتا ہے کہ عورت اپنے حق کی تم سے زیادہ حقدار ہے گویا ولی کو اس میں دخل دینے کی ضرورت نہیں!

مگر اس باب کے پورے ذخیرۂ احادیث کو سامنے رکھ کر یہی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ دونوں پر ذمہ داری ہے کہ ایک دوسرے کی رضا کے بغیر نکاح نہ کرے۔ عورت کو ولی کی بات کا وسعت بھر پاس رکھنا چاہیئے اور ولی کو عورت کی رضا حاصل کرنا ضروری ہے، نہ ولی اس حد تک زیادتی کرے کہ عورت اپنے جائز حق سے محروم ہو جائے اور نہ عورت اتنی بے راہ روی اختیار کرے کہ ولی اور خاندان کے لئے باعث ننگ و عار بن جائے۔

پس بالغہ عورت پر ولی کو جبر کا بالکل اختیار نہیں۔ ہاں مستحب ہے کہ مشورہ دے، نابالغ کے باب میں جبر کا البتہ اختیار ہے، اور ولی اور عورت کی رائے میں جب اختلاف ہوگا تو بالغہ عورت کی رائے کو ترجیح ہوگی جس کو قرآن وحدیث سے تائید ہوتی ہے۔[1]

---

[1] فیض الباری جلد رابع باب من قال لا نکاح الا بولی۔

مولانا کشمیریؒ کی یہ رائے صرف اسی ایک مسئلہ میں نہیں، بلکہ ہر اجتماعی مسئلہ میں قابل عمل اور لائقِ ترجیح ہے، انھوں نے امر نبویؐ کی گہرائیوں کو پالیا ہے اور اس طرح کی حدیثوں کا جو انداز بیان ہے اس کو خوب سمجھا ہے۔

شاہ ولی اللہ کی تائید:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس مسئلہ کی جو توجیہہ بیان کی ہے، اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ گو انداز بیان بدلا ہوا ہے اور کوئی شبہ نہیں، اس مسئلہ میں جو طرز ادا مولانا کشمیریؒ نے اختیار کی ہے۔ وہ سب سے عمدہ اور پاکیزہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

"نکاح میں تنہا عورت کی رائے جائز نہیں کیونکہ ان کی عقل میں نقص ہے، ان کا غور و فکر نسبتاً زیادہ اہم نہیں، پھر مردوں کو عورتوں پر قوام بنایا گیا ہے۔ ارباب حل و عقد مرد ہی ہیں، پھر معاملہ ایسا ہے عورت کرے تو بے حیائی سے تعبیر ہو، دوسرے آشنائی اور نکاح میں تمیز کے لئے بیچ میں اولیاء کا ہونا ضروری ہے تاکہ اس کی شہرت ہو سکے اس لئے عورت کو ولی کی رائے لینی چاہیئے مگر ولی کو بھی یہ اختیار ہرگز نہیں کہ صرف اپنی رائے سے عورت کی شادی کر دے اس لئے کہ معاملہ عورت کا ہے اور اپنا معاملہ جو خود عورت سمجھتی ہے، مرد نہیں سمجھ سکتا ہے۔ نفع و نقصان عورت کو پہنچنے والا ہے اس لئے حکم اس سے لینا ضروری ہے"[1]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ باب صفۃ النکاح جلد دوم۔

امام نوویؒ کی رائے

امام نوویؒ جو شافعی المذہب ہیں وہ بھی فرماتے ہیں کہ لڑکی کی رائے کو ولی کی رائے پر ترجیح ہوگی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں، تحریر فرماتے ہیں:

وحقها اوکد من حقه فانه لواراد تزویجها کفوًا وامتنعت لم تجبر ولو ارادت ان تتزوج کفوا فامتنع الولی اُجبر فان اصر زوجها القاضی، فدل علی تاکد حقها ورجحانها

شرح مسلم نووی
ج ۱ ص ۴۵۵

"عورت کا حق ولی کے حق سے زیادہ مؤکد ہے، اگر ولی کسی کفو سے اسکی شادی کرنا چاہے اور لڑکی آمادہ نہ ہو تو اس کو مجبور نہیں کیا جاسکتا اور اگر خود عورت کسی کفو سے شادی کرنے کا ارادہ کرے اور اس کا ولی راضی نہ ہو تو اس ولی کو مجبور کیا جائے گا، اور اگر ولی اصرار کریگا تو قاضی اس عورت کی شادی کر دے گا — یہ دلیل ہے کہ عورت کا حق موکد، اور راجح ہے۔"

ہر حال میں بالغہ لڑکی کی رائے قابلِ ترجیح ہے

تمام مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت شادی کے معاملہ میں مجبور محض نہیں بلکہ اچھا طریقہ وہی ہے کہ عورت کی رائے معلوم کرکے ولی اسکی شادی کا انتظام کرے، اگر کسی لڑکے سے عورت شادی کرنے سے انکار کردے تو اسکی زبردستی اس سے شادی کرنے کی جرأت نہ کی جائے۔ قرآنِ پاک نے جس

سکون وطمانیت کو مقصد اولی قرار دیا ہے بغیر عورت کی رضا کے غیر ممکن ہے۔ طلاق، خلع وغیرہ مسائل اسی لئے وضع کئے گئے ہیں۔

چنانچہ مبسوط میں ہے کہ نکاح کے موقع پر عورت سے اجازت لے لی جائے، کیونکہ ہو سکتا ہے اس کو کوئی اندرونی مرض ہو جس کی وجہ سے عورت سے صحبت نہیں ہو سکتی ہے یا ممکن ہے عورت کا دل اس شخص کے علاوہ کسی دوسرے سے معلق ہو جس سے شادی ہو رہی ہے۔ تو اگر عورت سے حکم حاصل کئے بغیر اس کی شادی کر دی جائے گی تو اس حالت میں اس شوہر سے اس کا نباہ نہ ہوگا اور عورت فتنہ میں پڑ جائے گی کیونکہ اس کا دل تو غیر سے معلق ہے اور عشق کی بیماری سے بڑھ کر دوسری بیماری کون ہو سکتی ہے؟[1]

مردوں کو اختیارات

عورت کے مسئلہ کے حل ہو جانے کے بعد مرد کی رضا کا سوال پیدا ہوتا ہے اس کے متعلق صرف اس قدر کہنا ہے کہ بالغ عاقل مرد جس کی شادی ہو رہی ہے اس کی رضا اور اجازت مقدم ہے۔ مرد کو چونکہ کبھی مجبور محض نہیں سمجھا گیا ہے اس لئے اس مسئلہ کی بحث کی ضرورت ہی نہیں، بلکہ یہاں تو یہ کہنا چاہیئے کہ لڑکا جب اپنی شادی کرنے لگے تو اپنے بڑے بزرگ کی رائے پر ضرور غور کرے یہ کہہ کر نظر انداز نہ کر دے کہ " اس ذاتی معاملہ میں والدین اور گھر کے بڑے بوڑھے دخل دینے والے ہوتے ہیں کون ؟" ۔ کیونکہ شادی میں تجربہ کار اور علم الانسان کے ماہرین کی رائیں اہمیت رکھتی ہیں، اور یہ ایک ظاہر بات ہے کہ دُور اندیشی جو بڑے بوڑھوں میں ہوتی ہے، ان نوجوانوں میں ہر گز نہیں ہوتی جنکے ہوش پر

[1] مبسوط للسرخسی ج۴ ص ۱۹۷

جوش کا غلبہ ہوتا ہے۔

عورت کے انتخاب میں ہدایت نبوی:

اب رہا عورت کے انتخاب کا مسئلہ، اس میں شریعت مطہرہ کا مشورہ یہ ہے کہ دینداری کا لحاظ مقدم ہونا چاہیئے۔ مال دار سے شادی کی جائے، اونچے حسب ونسب والی سے شادی کی جائے، حسین اور خوب صورت سے شادی کی جائے یا کسی معمولی عورت سے، بہر حال پہلے عورت کی دینداری اور سیرت کا جائزہ لیا جائے، ارشاد نبوی ہے:

تنکح المرأة لاربع لمالها و	"عورت سے چار چیز کی وجہ سے شادی
لحسبها و لجمالها ولدينها	کی جاتی ہے: اسکی مالداری کی وجہ سے
فاظفر بذات الدين تربت	اور اسکی دینداری کی وجہ سے حسب و
يداك۔	نسب کی وجہ سے اور خوبصورتی کیوجہ
(بخاری، باب الاکفاء فی الدین)	سے پس دیندار کو لیکر کامیاب ہو"

محض دولت پرستی:

مقصد یہ ہے کہ انسان جب شادی کرنے لگتا ہے تو عورت کا انتخاب انہی چیزوں کے پیش نظر کرتا ہے، کبھی بیوی کا انتخاب اس کی مالداری کی وجہ سے کرتا ہے کہ عورت صاحب جائداد ہے، با ثروت ہے اور شان دار کوٹھی کی مالک ہے۔ اگر اس سے شادی ہوگئی تو زندگی مزے سے گزرے گی، بہت سی فکروں سے نجات مل جائیگی اور اپنے افلاس کے باوجود مطمئن زندگی کا ذریعہ پیدا ہو جائے گا، دیندار ہو، یا نہ ہو ــــ مگر انسان عجلت پسندی کی وجہ سے دوسرے

پہلو پر غور نہیں کرتا ہے کہ مالدار بیوی کو شریک حیات بنائے گا تو زندگی کا لطف جاتا رہے گا۔ لذت و مسرت مفقود ہو جائے گی۔ اللہ تعالےٰ نے زن و شوئی کی اجتماعی زندگی کی جو صدارت مرد کے حوالہ کی ہے، اس میں رخنہ پڑ جائے گا۔ عورت کے نان و نفقہ کا قیام باقی نہ رہ سکے گا، اور گھر کے سامان اور فرنیچر کو دیکھ کر جو مسرت ہوا کرتی ہے۔ بال بچوں کے لباس سے طبیعت میں جو کیف و انبساط پیدا ہوتا ہے یہ کرکرا ہو جائے گا، کیونکہ یہ سب غیر کا اثر نعمت ہے ــ اپنی کمائی نہیں۔ بیوی کی نگاہ میں جو عزت و وقعت چاہیئے، باقی نہ رہیگی کیونکہ مالدار بیوی کی نظر میں مفلس شوہر کی وقعت مینجر اور منتظم سے زیادہ نہیں ہوتی ہے اور یہ بھی اس وقت جب عورت بلند اخلاق ہو، اور اگر خدا نخواستہ عورت بے ادب ہوئی تو ہر قدم پر ٹھوکر لگائے گی اور احسان جتائے گی۔ پھر اپنی اس مالدار بیوی سے جو اولاد ہوگی۔ یہ اولاد بھی باپ کی وہ عزت و مکرمت نہیں کر سکتی ہے جو کرنی چاہیئے ــ بیوی کی کسی غلطی پر شوہر تنبیہ کرنا چاہے گا تو ایسی بیوی مقابلہ کے لئے آمادہ ہو جائے گی، اور نہ معلوم کیا کیا کہہ دے گی۔ پھر خود سوچا جائے ایسے حالات میں زندگی کی لذت و مسرت کیا باقی رہے گی اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تزوجوھن لاموالھن فعسے اموالھن ان تطغیھن (ابن ماجہ باب افضل النسآء)	"عورتوں سے ان کی مالداری کیوجہ سے شادی نہ کرو عموماً ان کا مال ان کو سرکشی پر آمادہ کر دیتا ہے"

نسل و نسب کے بت پر جان دینا:

کبھی کوئی عورت کا انتخاب محض اسکے حسب و نسب کی وجہ سے کرتا ہے ــ

ذاتی شرافت اور صلاحیت بھی نہ ہو، اور پھر اگر صرف نسلی امتیاز ہو اور دینداری نہ ہو تو یہ نسلی امتیاز میں عورت کبر و غرور پیدا کر دیتی ہے اور وہ اپنے مقام سے آگے بڑھ جانے کی سعی کرتی ہے، بتدریج یہ چیز بھی مرد کی قوامیت کو مجروح کر ڈالتی ہے۔ مقصد یہ نہیں ہے کہ نسب کا لحاظ کیا ہی نہ جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ نری نسلی امتیاز کوئی مفید چیز نہیں جب تک ذاتی صلاحیت اور دینداری نہ ہو، اور یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ اسلام میں اول دینداری، پھر کوئی چیز ہے۔ دین کے مقابلہ میں حسب نسب کوئی چیز نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ولامۃ خرماء سوداء ذات دین افضل (ابن ماجہ باب افضل النساء)

"کالی کلوٹی، بے وقوف لونڈی — جو دیندار ہو افضل ہے"

دوسری حدیثوں سے بھی اس نقطۂ نظر کی تائید ہوتی ہے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اولیاء متقی ہیں جہاں کہیں بھی ہوں اور جو کوئی بھی ہوں۔

حُسن پرستی

اور کبھی کوئی بیوی کے انتخاب میں محض خوبصورتی کو معیار بنا لیتے ہیں کہ تراش خراش اور نوک پلک دلکش ہو، رنگ و روپ میں جاذبیت ہو عشوہ و ادا کی مجسمہ ہو اور اس کے اعضاء متناسب ہوں، اور صرف یہی نہیں بلکہ جدید روشنی سے آراستہ ہو، شوخ اور بیباک ہو اور زمانہ کے اثر سے پوری متاثر ہو۔

مگر ان خیالات کے وقت سوچتے نہیں کہ یہ کوئی خاص خوبی نہیں۔ اگر اس میں صلاحیت اور سلیقہ نہیں، محض خوبصورتی کوئی معیار نہیں اگر خوبصورتی

کے ساتھ قبول سیرت نہ ہو کیونکہ پھر یہ حسن وجمال سراپا فتنہ بن جائے گا، اور یہ حسن بیوی میں تبختر اور ناز ضرورت سے زیادہ پیدا کر دے گا، اور وہ فضول خرچ اور متکبر ثابت ہوگی، دوسرے لوگ الگ فتنہ میں ڈالنے کی سعی کریں گے، اور اسی تنہا خوبصورتی کے متعلق ارشاد نبوی ہے۔

لا تزوجوا النساء لحسنهن	"عورتوں سے محض ان کے حُسن کیوجہ
فعسى حسنهن يرديهن	سے شادی کی خواہش نہ کرو کیونکہ حسن
(ابن ماجہ باب افضل النساء)	عموماً ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔"

معیار دینداری اور ذاتی صلاحیت ہو

اسلئے رسول الثقلین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شادی کے موقع پر عورت کے انتخاب میں "دینداری" کو معیار بناؤ۔ مال و دولت، حسن وجمال اور حسب ونسب ایسی چیزیں نہیں ہیں جنکو اس باب میں معیار قرار دیا جائے بیوی کے انتخاب میں آدمی کا فریضہ ہے کہ وہ اس کی ذاتی صلاحیت اور لائقیت پر نگاہ رکھے، چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا: "حسن وجمال اور دولت و ثروت" کی بنیاد پر شادی نہ کیا کرو کہ ان سے فتنے کے اندیشے ہیں، تم دینداری کو البتہ وجہ ترجیح بناؤ کہ کالی کلوٹی دیندار عورت بہرحال بہتر ہے ــــ

لہ صاحب فتح القدیر نے طبرانی کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا۔

"من تزوج امراءة لعزها لم يزده الله الا ذلا ومن تزوجها لمالها لم يزده الا فقرا ومن تزوجها لحسبها لم يزده الله الا دناءة ومن تزوج امراءة لم يرد بها الا ان يغض بها الا ان يغض بصره ويحصن فرجه او يصل رحمه بارك الله له فيها وبارك لها فيه (شامی جلد ۲ ص ۲۸۴)

ارشاد نبوی ہے :

ولکن تزوجوھن علی الدین — "اور لیکن عورتوں سے شادی، ان کی

(ابن ماجہ باب افضل النساء) — دینداری کی بنیاد پر کرو۔"

بات بھی معقول ہے کہ باصلاحیت اور دیندار بیوی شوہر کے حقوق کا ہر وقت احساس رکھتی ہے، شوہر کی خوشنودی اپنا فریضہ سمجھتی ہے اور گھر کے کام ہر حال میں عمدہ انداز سے چلاتی ہے۔ ایسی عورت میں بے جا کبر و غرور نہیں پیدا ہوتا، بچوں کی تعلیم و تربیت کا پورا دھیان رہتا ہے ۔۔ پڑوسیوں قرابت داروں اور دوسرے لوگوں سے جھگڑا نہیں کرتی۔ خود دوسرے لوگوں کو بھی دیندار اور نیک عورت پر اعتماد ہوتا ہے۔ محلہ پڑوس کے لوگ اسکی عزت کرتے ہیں اور اس طرح شوہر کا گھر باوقار بن جاتا ہے ۔۔ اسی لئے نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو چار چیزیں حاصل ہوجائیں اس کو دین و دنیا دونوں کی بہتری حاصل ہوگئی، ایک شکر گذار دل، دوسرے ذاکر زبان تیسرے مصائب پر صبر کرنے والا بدن اور چوتھے ایسی بیوی جو گناہ سے اجتناب کرنے والی اور شوہر کے مال کی محافظ ہو[1]۔

ایک مرتبہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شادی ایسی عورت سے کی جائے جو اپنے اندر کمال درجہ کا ایمان رکھتی ہو اور آخرت کے لئے معین اور مددگار ثابت ہو[2]۔

اخلاق و اعمال سے صرف نظر اور اسکا نتیجہ :

یہ بات قابل غور ہے کہ اگر لوگوں کا نقطۂ نگاہ اخلاق و اعمال کے بجائے

---

[1] مفتاح الخطابة ص ۱۸۱ — [2] ابن ماجہ باب افضل النساء

مدفن جاہ ومرتبہ اور حسن وجمال ہو جائے تو پھر دنیا کا کیا حال ہوگا؟ شر وفتن کے چشمے ابل پڑیں گے، امن وامان خطرہ میں گھر جائیگا اور عزت وآبرو ناپید ہو جائیگی، بہت سی لڑکیاں ایسی گھروں میں بیٹھی نظر آئینگی جنکو شوہر میسر نہ ہوگا اور جب بے شوہر کی عورتیں بے کار ہوں گی تو اس وقت شیطان کو اپنی شیطنت کا پورا موقع ملے گا، اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا خطب الیکم من ترضون دینه وخلقه فزوجوه الا تفعلوا تکن فتنة فی الارض وفساد عریض	"تمہارے پاس جب کوئی ایسا شخص پیام نکاح لیکر پہنچے جس کا دین و اخلاق تم کو پسند ہے تو اس سے شادی کر دو، ورنہ زمین میں فتنہ وفساد پھیل پڑے گا۔"
(ترمذی باب ماجاء من ترضون دینہ الخ)	

بیوی کا انتخاب اور فقہائے کرام:

بیوی کے انتخاب کے سلسلہ میں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ یہ اصول پیش نظر ہوں تو مناسب ہے:

یندب ان تکون اقل منه حسبا ونسبا وعزا ومالا وسنا واعلیٰ منه خلقا وادبا وورعا وجمالا (در مختار کتاب النکاح)	"اچھا یہ ہے کہ عورت حسب ونسب عزت ومال اور عمر میں مرد سے کم ہو اور اخلاق وادب اور حسن وورع میں عورت مرد سے زیادہ ہو۔"

ساتھ ہی ان امور کا بھی شادی کرتے وقت خیال رکھنا چاہیئے کہ

ولا یتزوج طویلة مھزولة	وہ عورت جس سے شادی کر رہا ہے

ولا قصيرة دميمة ولا سئة	وہ لمبی، دُبلی، کوتاہ قد، بدصورت، بد
الخلق ولا ذات الولد و لا	اخلاق، صاحب اولاد، سن رسیدہ
المسنة ولا زانية (شامی ج۲ ص۲۸۲)	اور بدکار نہ ہو؟

ماحصل یہ ہے کہ جس عورت سے شادی ہو رہی ہے، وہ ہر اعتبار سے مناسب وموزوں ہو، دنیوی لحاظ سے بھی اور دینی پہلو سے بھی، تاکہ باہم موافقت اور انس ومحبت قائم رہے۔ مشکوٰۃ نبوت کی روشنی میں عورتوں میں جن خوبیوں کا ہونا سمجھ میں آتا ہے ان کا اجمالی بیان یہ ہے:

۱۔ عورت دیندار اور نیک طینت ہو، ارشاد نبوی ہے: فاظفر بذات الدین۔

۲۔ خوشی وغم میں شریک ہونے والی اور فرماں بردار ہو۔ "تسرۃ اذا نظر، و تطیعہ اذا امر"

۳۔ پاک دامن، امانت دار، گھر کی منتظم، مہذب اور شاکر وصابر ہو" ولا تخالفہ فی نفسھا ومالہ"

۴۔ بال بچوں کی خدمت گذار، ان سے محبت وشفقت کا برتاؤ کرنے والی اور تندرست ہو۔ "خیر نساء رکبن الابل، صالح نساء قریش احناہ علی ولد فی صغرہ وارعاہ علی زوج فی ذات یدہ"

۵۔ شوہر سے انس ومحبت کرنے والی اور زیادہ اولاد جننے والی "تزوجوا الودود الولود"

۶۔ صالحہ اور باعزت خاندان کی رکن اور خود بھی تعلیمیافتہ ہو "فلیتزوج الحرائر"

۷۔ نیک صفتوں کی مالک اور عیوب سے پاک ہو۔

۸۔ دنیا میں رہ کر آخرت سے بے فکر نہ رہتی ہو۔

شوہر کا انتخاب!

عورت اپنے شوہر کا انتخاب کرنے میں بھی کم و بیش انہی امور کو ملحوظ رکھے تاکہ اس کی زندگی خوشگوار اور مطمئن گزرے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں:

"عورت ایسے مرد کو اپنا شوہر بنائے جو دیندار، با اخلاق اور وسیع الظرف ہو، عورت اس مرد کو شوہر نہ بنائے جو دین سے بیگانہ ہو"۔	والمرأۃ تختار الزوج الدین الحسن والخلق الموسر ولا تتزوج فاسقا۔ ردالمحتار ج ۲ ص ۲۰۴

اسی طرح اگر باپ اپنی لڑکی کی شادی کرے تو وہ بھی ان ضروری باتوں کو پیش نظر رکھے جیسا رواج ہوگیا ہے کہ جاہل اور لالچی باپ جب اپنی لخت جگر کے لئے شوہر کا انتخاب کرتا ہے تو اس کی نگاہ دولت پر ہوتی ہے۔ عمر، صلاحیت اور ذاتی شرافت پر نہیں ہوتی۔ اس رواج سے بھی متنفر ہونا اور گریز کرنا انسانی فریضہ ہے۔ فقہا کرام لکھتے ہیں:

"باپ اپنی جوان لڑکی کو کسی بڈھے اور بدصورت مرد سے نہ بیاہے"۔	ولا یزوج ابنتہ الشابۃ شیخا کبیرا ولا رجلا دمیما (ردالمحتار ایضاً)

ہم عمری کا لحاظ

لڑکی کی شادی میں شوہر کے ہم عمر ہونے کا لحاظ بھی ولی کا اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے۔ سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگر گوشہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالے عنہا کی شادی میں "ہم عمری" کا لحاظ رکھا تھا۔ نسائی نے

نے ایک باب الگ باندھا ہے "تزوج المرأۃ مثلھا فی السن" یعنی عورت کی شادی اسکے ہم عمر سے کرنا، اور اس باب کے تحت میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے:

خطب ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما فاطمہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھا صغیرۃ فخطبھا علیؓ فزوجھا منہ۔	"حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کے لئے پیغام بھیجا۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ (فاطمہؓ) کمسن ہیں۔ پھر حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ سے نکاح کے لئے پیام دیا تو آپ نے ان سے حضرت فاطمہؓ کی شادی کردی۔"
(نسائی ج ۲ ص ۶۹)	

محدثین نے اس حدیث کے ضمن میں لکھا ہے کہ ہم عمری کا لحاظ بڑی حد تک ضروری ہے اور یہ بڑے فوائد پر مشتمل ہے۔ گویہ بات مسلم ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے ان کی کم سنی میں شادی کی، مگر یہاں جو مقصد پیش نظر تھا وہ سب سے اہم تھا، دنیا کو اس کا علم ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے ذریعہ دین کا کتنا بڑا حصہ پھیلا اور اسلام کی کتنی عظیم الشان خدمت اس سلسلہ سے انجام پذیر ہوئی۔

سیرت کے ساتھ صورت کا لحاظ

مگر عورت کے انتخاب کے سلسلہ میں جو کچھ اوپر لکھا گیا۔ اس سے یہ سمجھنے کی

کوشش نہ کی جائے کہ مرد خوب صورت عورت سے شادی نہ کرے، بدصورت سے کرے، یہ منشاء ہرگز نہیں ہے۔ مقصد صرف اتنا تھا کہ سیرت کے ساتھ ساتھ صورت پر نظر کی جائے، سیرت کو نظر انداز کر کے صرف صورت پر جان دینا نہ چاہیئے، ورنہ خوب صورتی کوئی بُری چیز نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔

حدیث میں ایک صحابی کا واقعہ مذکور ہے کہ انھوں نے خدمت نبویؐ میں آکر کہا کہ ایک انصاری عورت سے شادی کی ہے تو آپ نے فرمایا: دیکھ لیا کرو، اس لئے کہ انصاری عورتوں کی آنکھوں میں کچھ عیب ہوتا ہے۔

مطلب یہ کہ دیکھ بھال کر شادی کیا کرو، بعد میں ایسی نوبت نہ آئے کہ تم کو اس سے شکایت پیدا ہو جائے اور اس بہانہ سے آپس کی زندگی میں کشیدگی اور شکر رنجی آجائے۔

نوجوان عورت

حضرت جابر رض کا واقعہ حدیث میں مذکور ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ ابھی حال میں میری شادی ہوئی ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ باکرہ (کنواری) ہے یا ثیبہ (بیاہی)؟ حضرت جابر رض نے کہا: ثیبہ ہے۔ یہ سنکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فھلا بکرا تلا عبھا و تلا عبك۔ (بخاری باب الثیبات)	"کنواری سے کیوں نہیں کی کہ تم اس سے دلبستگی کرتے اور وہ تم سے دلبستگی کرتی!"

مسلم کی روایت میں اس کے ساتھ اتنے الفاظ زیادہ ہیں:

تضاحکھا وتضاحکک ۔ "وہ تم سے ہنستی بولتی اور تم اُس سے ہنستے بولتے"
(مسلم ج ۱ ص ۴۷۵)

میں مانتا ہوں کہ باکرہ اس لئے فرمایا کہ اس سے موافقت اور اتحاد عمل کی زیادہ امید ہوتی ہے، کم سے کم پر راضی وشاکر رہتی ہے، محبت زیادہ کرتی ہے لیکن اگر اس سے خوبصورتی ورعنائی بھی سمجھی جائے تو کیا بُرا ہے جبکہ حدیث کا لب ولہجہ بھی اس کی تائید میں ہے کہ آپس کی تفریح اور دلبستگی میں رعنائی اور قبول سیرت اور صورت کو دخل ہے۔ اسی سلسلہ کی دوسری حدیث میں ہے کہ رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

علیکم بالابکار فانھن اعذب افواھا وانتق ارحاما وارضی بالیسیر۔ "تم کو کنواری عورتوں سے شادی کرنا لازم ہے کہ وہ شیریں دہن ہوتی ہیں، بچے بہت جنتی ہیں اور تھوڑے پر خوش و خرم رہتی ہیں"
(مشکوۃ کتاب النکاح)

اس حدیث میں باکرہ کی تخصیص صراحت کے ساتھ ہے اس میں بھی ایک پہلو ایسا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی میں عورت کی دلربائی اور رعنائی دیکھی جائے تو کوئی بُری بات نہیں ہے بلکہ کسی درجہ میں شاید مطلوب ہے۔

نوجوان عورت کی خصوصیات

حضرت علقمہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ کے ساتھ جارہا تھا۔ راستہ میں ان کی ملاقات حضرت عثمان سے ہو گئی، وہ کھڑے ہو کر ان سے گفتگو کرنے لگے، حضرت عثمان رضؓ نے حضرت عبد اللہ سے کہا:

الا تزوجك جاریۃ شابۃ لعلھا "آپ کیوں نہیں اپنی شادی کسی نوجوان

تذکر بعض ما مضی من زمانک	لڑکی سے کرتے کہ وہ آپ کے گزرے
مسلم کتاب النکاح ج ۱ ص ۴۷۵	ہوئے دنوں کو یاد دلادے۔

اس حدیث کے ضمن میں امام نووی تحریر فرماتے ہیں :

فیه استحباب نکاح الشابة	"اس حدیث میں ہے کہ نوجوان سے
لانها المحصلة لمقاصد النکاح	شادی مستحب ہے کہ مقاصد نکاح کے
فانها الذ استمتاعا واطیب	حصول کے لئے موزوں ہے لطف
نکهة وارغب فی الاستمتاع	اندوزی میں مزیدار ہے۔ خوشبو میں
الذی هو مقصود النکاح	سب سے عمدہ ہے اور لطف اندوزی
واحسن عشرة وافکه	میں طبیعت زیادہ مائل ہوتی ہے ۔
محادثة واجمل منظرا والین	رہن سہن میں بہت اچھی معلوم ہوتی
ملمسا واقرب ان یعود هازوجها	ہے۔ گفتگو میں خوش طبع ہوتی ہے
الاخلاق التی یرتضیها	دیکھنے میں خوبصورت اور چھونے
(نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۴۷۵)	میں نرم و نازک اور اس کی قوی امید
	ہے کہ شوہر اپنے رنگ کا اسے عادی
	بنا دے۔

دین اور حسن کا اجتماع :

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو ترغیب دیتے کہ دیندار اور خوبصورت عورت سے شادی کیا کریں، الفاظ یہ ہیں :

وکان صلی اللہ علیه وسلم یحرض	نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی امت
امته علی النکاح الابکار الحسان	کو باکرہ، خوبصورت اور دیندار عورتوں
ذوات الدین (زاد المعاد ج ۳ ص ۱۴۶)	سے شادی کرنے کی ترغیب دیتے۔

جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے، اس سے آتنی بات آسانی سے ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی خوبصورت عورت سے شادی کرے تو یہ کوئی عیب کی بات نہیں بلکہ اچھی بات ہے مگر حسن وجمال کو مقصدِ اصلی قرار نہ دینا چاہیئے اور نہ صرف خوبصورتی ہی پر نظر رکھنی چاہیئے بلکہ ساتھ ساتھ اخلاق واعمال اور سیرت وکردار پر بھی نظر ہونی چاہیئے

خوبصورتی کا معیار

پھر واضح رہنا چاہیئے کہ خوبصورتی کا مطلب صرف چمڑے اور رنگ وروپ کی خوبصورتی نہیں ہے بلکہ ساتھ ہی سیرت بھی خوب ہو، اخلاق واعمال پاکیزہ ہوں اور دین میں پختگی بھی ہو، پھر خوبصورتی کا معیار رنگ وروپ میں بھی اپنے طبعی ذوق پر ہے، کسی آدمی کو وہ عورت بھی خوبصورت معلوم ہوتی ہے جو بہتوں کی نگاہ میں بدصورت سمجھی جاتی ہے تو اب اس معاملہ میں دوسروں کی پسند کا اعتبار نہ ہوگا سچی بات پوچھئے تو بہت سے واقعات کی روشنی میں کہنا پڑتا ہے کہ خوبصورتی محبت سے پیدا ہوتی ہے اور موافقت وپسندیدہ سیرت سے، واقعات شاہد ہیں کہ محبت وعشق نے رنگ وروپ کی جاذبیت کو غلط ثابت کر دیا ہے پھر اس وقت اور بھی جب اعمال واخلاق اچھے نہ ہوں، اس لئے رنگ وروپ پر جان دینا عقلمندی نہیں ہے ہاں دینداری اور پسندیدہ اعمال واخلاق کے ساتھ خوبصورتی مل جائے تو نعمت سمجھنا چاہیئے۔

ماحصل یہ ہے کہ عفت وعصمت کی حفاظت کی خاطر اسلام نے اس بات کی بھی اجازت دی ہے بلکہ کہنا چاہیئے رغبت دلائی ہے کہ نوجوان شیریں دہن اور پیکر حسن سے شادی کرے مگر گوہر عفت اور درِ عصمت کی بے وقعتی کا دھیان ہرگز دل میں نہ آنے دے۔

بیوہ عورت سے شادی

یہ مطلب نکالنے کی سعی نہ کی جائے کہ کنواری ہی سے شادی ضروری ہے بیوہ سے شادی کرنا مناسب نہیں ہے۔ بلاشبہ احادیث میں کنواری عورتوں سے شادی کی ترغیب پائی جاتی ہے اور اسکی معقول وجہ بھی ہے جیسا کہ بعض حدیثوں میں سبب بیان کر دیا گیا ہے کہ کنواری سے میل ملاپ اور ہم ذوقی جلد پیدا ہو جاتی ہے۔ پہلے پہل شوہر کے یہاں آتی ہے اس لئے شوہر جس چیز کا عادی بناتا ہے آسانی سے ہوجاتی ہے، کم سے کم چیزوں پر خوش رہتی ہے، اور ان سب سے بڑھ کر مرد اُن سے دلی طور پر اتنا گھل مل جاتا ہے کہ اسکی محبت دل میں گھر کر لیتی ہے اور اسطرح مرد نظر اور خیالات کی بدکاری سے محفوظ ہوجاتا ہے

مرد اگر خود دوسری شادی کر رہا ہو یا زیادہ عمر کا ہو تو کمسن لڑکی سے اس کی شادی بے جوڑ ہوگی اور فقہا کرام کی رائے آپ پڑھ آئے ہیں کہ اُنھوں نے نوجوان لڑکی کی شادی بوڑھے مرد کے ساتھ کرنے سے منع کیا ہے اس لئے ایسے معمر و مسن مرد کو بیوہ ہی سے شادی کرنی چاہیئے کہ میاں بیوی میں نباہ ہوسکے۔

بیوہ سے شادی

عہد نبوی اور عہدِ صحابہ میں!

پھر اسکے علاوہ خود ذات بابرکت رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کا عملی نمونہ ہے کہ آپ نے ایک کے سوا بقیہ تمام بیوہ عورتوں ہی سے شادی کی اپنی بعض صاحبزادیوں کی جو بیوہ ہوگئی تھیں شادی کرائی۔ جلیل القدر خلفاء اور صحابہ کرام کی تاریخ پڑھ جائیے تو معلوم ہو گا کہ ان حضرات نے بیوہ عورتوں سے

کس کثرت سے شادیاں کیں، صحابیات کی زندگی پڑھیں گے تو دیکھینگے کہ انہوں نے شوہروں کی وفات کے بعد دوسری، تیسری شادیاں کیں،

ان واقعات کو عرض کرکے بتانا یہ ہے کہ اگر بیوہ سے شادی کرنا کوئی ناپسندیدہ بات ہوتی، تو خود عہدِ نبوی و عہد صحابہ میں ان بیواؤں سے کیسے شادی کی جاتی پس معلوم ہوا کہ بیواؤں سے شادی کوئی جرعہ تلخ نہیں بلکہ ایک کار ثواب ہے، اور شرعی نقطہ نظر سے ایک پسندیدہ عمل ہے۔

شادی سے پہلے عورت کو دیکھنا

اسلام نے عفت وعصمت کے تحفظ کے لئے اس کی بھی اجازت دی ہے کہ ممکن ہو تو بغیر کسی خاص اہتمام کے عورت کو شادی سے پہلے دیکھا بھی جا سکتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا:

اذا خطب احدکم المرأة فان استطاع ان ینظر الی ما یدعوہ الی نکاحھا فلیفعل رواہ ابو داؤد (مشکوٰۃ کتاب النکاح)

"تم سے جب کوئی عورت کو پیام نکاح دے اور وہ اس چیز کے دیکھنے پر قدرت رکھتا ہو، جو اس عورت کے نکاح کیطرف داعی ہو تو اس کو ایسا کرنا چاہیئے۔"

معلوم ہوا نکاح کے پہلے مہذب اور شرعی طریقہ پر عورت کو دیکھ سکتا ہے تو دیکھ لے تاکہ تذبذب جاتا رہے اور شادی کرنے میں عورت کی طرف سے جو شکوک و شبہات ہیں وہ دُور جائیں۔ آئندہ کے لئے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ عورت کے متعلق کوئی بات ایسی کہنے کا موقع نہ رہے گا جس سے عورت کی سبکی ہو، اور اس طرح مقاصد نکاح بحسن وخوبی بروئے کار آسکیں گے گو یہ ضروری نہیں ہے کہ خود ہی

دیکھے، کوئی دوسرا دیکھ لے اور اسکے بیان پر اعتماد ہو تو یہی کیا جائے۔ مزید اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی کہ عورت کے متعلق جو معلومات حاصل کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ دین، جمال، خاندان، خوشحالی اور اس طرح کی دوسری باتیں تاکہ اطمینان حاصل کیا جا سکے۔

دیکھنے کے لئے مشورۂ نبویؐ:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنی شادی کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا: تو نے دیکھ لیا ہے؟ حضرت مغیرہ کہتے ہیں میں نے کہا: نہیں یا رسول اللہ! یہ سن کر آپ نے فرمایا:

فانظر الیھا فانہ احری ان	اس عورت کو دیکھ لو، اس لئے کہ یہ
یودم بینکما۔	باہمی تعلقات کی استواری کے
ترمذی باب ماجاء فی النظر الی المخطوبہ)	مناسب ہے"

یہ فرمانِ نبوی کھلا ثبوت ہے کہ جس عورت سے شادی ہونے والی ہے اسکو دیکھ لینا اور کچھ نہیں تو مستحب ضرور ہے۔ ترمذی نے بھی لکھا ہے بعض اہل علم اس حدیث کیطرف گئے ہیں اور انھوں نے کہا ہے کہ عورت کو شادی سے پہلے دیکھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ اس کا وہ حصہ نہ دیکھا جائے جسکا دیکھنا حرام ہے اور یہی مذہب امام احمدؒ اور اسحاق کا ہے۔ پھر امام ترمذی فرماتے ہیں:

ومعنی ان یودم بینکما قال	"ان یودم بینکما کے معنی ہیں کہ تم میں
احری ان تدوم المودۃ بینکما۔ (ترمذی)	پائیدار محبت رہ سکے"!

حضرت ابوہریرہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے جس نے کسی عورت سے شادی کرنے کا ارادہ کیا تھا پوچھا: انظرت الیھا؟

(کیا تو نے اس کو دیکھ لیا ہے) اس نے نفی میں جواب دیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ اس نے دیکھا نہیں ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے، تو آپ نے فرمایا:

اذھب فانظر الیھا فان فی اعین الانصار شیئاً۔	"جاؤ اس عورت کو دیکھ لو کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ (عیب) ہے"!

{ مسلم باب ندب من اراد امرأة الی ان ینظر قبل خطبتہا ج ۱ ص۴۵۶ }

امام نوویؒ کی شرح

امام نوویؒ اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اس عورت کو دیکھنا جس سے شادی کرنے کا ارادہ کیا جائے مستحب ہے۔ یہی ہمارا شافعی مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے، امام مالک کا مذہب ہے اور تمام کوفیین کا۔ امام احمدؒ کا بھی یہی مذہب ہے اور جمہور علماء کا بھی۔ قاضی نے ایک قوم کی کراہت کا جو قول نقل کیا ہے وہ غلط ہے اور اس صریح حدیث کے خلاف اور اجماع امت کے مخالف ہے۔

آگے لکھتے ہیں:

" پھر ہمارا، امام مالکؒ کا، امام احمدؒ کا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس دیکھنے میں عورت کی رضا شرط نہیں ہے، بلکہ بغیر اطلاع عورت کی غفلت پاکر بھی اسکو دیکھا جاسکتا ہے۔ عورت سے طلب اذن کی بھی شرط نہیں ہے۔ عورت سے بغیر اجازت حاصل کئے اسے دیکھا جاسکتا ہے، اجازت کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے، اور اسطرح کے معاملہ میں عورت کو اجازت دینے میں حیا بھی دامنگیر ہوا کرتی ہے اور معاملہ دھوکا کا ہے یقینی نہیں ہے کیونکہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ عورت

کو دیکھا جاتا ہے اور وہ پسند نہیں آتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والا ... شادی نہیں کرتا ہے ۔ تو اگر اجازت کے حصول کے بعد دیکھا جائے اور شادی نہ کی جائے تو اس کو اس سے اذیت اور دلی تکلیف ہوگی اور اگر بغیر اطلاع دیکھ لی گئی اور اس سے شادی نہ کی گئی تو یہ فعل اس کے لئے موجب اذیت نہ ہوگا کیونکہ اس کو علم ہی نہیں ہے اور اسی وجہ سے ہمارے اصحاب (شوافع) کہتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ شادی کا پیغام بھیجنے سے پہلے ہی دیکھ لیا جائے تاکہ اگر پسند نہ آئے تو بغیر کسی تکلیف دیئے ہوئے معاملہ ختم ہو جائے بخلاف اس صورت کے کہ پیام نکاح کے بعد دیکھی جائے اور پسند نہ آئے پر چھوڑ دی جائے ۔ ہمارے اصحاب (شوافع) کا قول ہے کہ اگر خود دیکھنا ممکن نہ ہو تو کسی ایسی عورت کو اسے دیکھنے کے لئے بھیجا جائے جس پر اعتماد اور وثوق ہو تاکہ وہ آکر صحیح صحیح خبر دے اور یہ سب نکاح کی بات چیت کرنے سے پہلے ہونا چاہیئے[1]۔

محمد بن مسلمہؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

اذا القی اللہ فی قلب امرء خطبۃ امراۃ فلا باس ان ینظر الیھا۔	"اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کے دل میں کسی عورت سے شادی کرنے کی خواہش ڈال دے تو اس کے لئے اس عورت کو دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے!"
ابن ماجہ باب النظر الی المراۃ الخ)	

دیکھنے میں اخلاص و اعتدال

ان تمام حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شادی سے پہلے عورت کو دیکھ

---

[1] شرح مسلم نووی ج ۱ ص ۴۵۶ ، ۴۵۷

لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ اچھا ہے۔ خواہ خود اپنی آنکھوں سے ہو یا کسی معتمد عورت کے ذریعہ ہو، اس سے بڑی حد تک اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے، اور شادی کرنے میں شکوک و شبہات اور شیطانی وساوس پیدا نہیں ہوتے۔ پھر اس سلسلہ کے ابتدائی فتنے سر اٹھانے نہیں پاتے۔ البتہ لازمی شرط یہ ہے کہ اخلاص ہو، دیکھنے سے منشاء فتنہ پیدا کرنا نہ ہو۔ فقہاء کرام بھی دیکھنے کو جائز کہتے ہیں۔ مولانا انور شاہ کشمیری رح فرماتے ہیں:

قالوا یجوز النظر الی المخطوبة کیلا ینجر الامر الی الفساد و قالوا یخلص النیة عند ابتداء النظر ثم یفوض الامر الی اللہ (العرف الشذی باب النظر الی المخطوبة ص ۳۹۰)	"فقہا نے کہا ہے کہ جس سے شادی کرنا چاہتا ہے اس کو دیکھنا جائز ہے تاکہ معاملہ فساد برپا نہ کرے اور یہ بھی کہا ہے کہ دیکھتے وقت نیت میں خلوص ہو پھر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے"

شادی سے پہلے دیکھنا مستحب ہے

اب یہ سوال کہ شادی سے پہلے عورت کو دیکھنا کیسا ہے، اس باب میں عموماً مستحب کے قائل ہیں۔ جیسے وہ ندب کے لفظ سے ظاہر کرتے ہیں۔ صرف مولانا ثناء اللہ پانی پتی رح کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ انہوں نے سنت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے مگر مقصد ایک ہی ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

سن للخاطب ان ینظر الی وجه المخطوبة وکفیها قبل النکاح اجماعاً۔ (تفسیر مظہری سورۃ النساء ص ۶)	"شادی کرنے والے کے لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ نکاح سے پہلے (عورت) مخطوبہ کو دیکھ لے، مخطوبہ کا چہرہ اور ہتھیلی دیکھنا بالاتفاق جائز ہے۔"

فقہ کی کتابوں میں عام طور سے مندب ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے :

یندب اعلانہ ...... والنظر قبلہ (درمختار ج ۲ صـ۱)	"نکاح کا اعلان اور نکاح سے پہلے دیکھنا مستحب ہے"۔
ویندب نظر الزوج الی زوجتہ قبل العقد وان خاف الشھوۃ (الکواکب المشرقہ صـ۳)	"عقد کے پہلے شوہر کا بیوی کو دیکھنا مستحب ہے گو شہوت کا خوف ہو"۔

حدیثیں جو نقل کی جا چکی ہیں وہی بنیاد ہیں، صحابہ کرام کا بھی اسی پر عمل تھا وہ بھی شادی سے پہلے عورت کو دیکھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ کا خود بیان ہے کہ میں نے ایک عورت کو شادی کا پیام دیا، اور میں نے چھپ کر اسے دیکھنے کی سعی کی اور اس میں کامیاب ہو گیا اور دیکھنے کے بعد اس میں کچھ ایسی باتیں دیکھیں کہ میں نے اس سے شادی کر لی۔[1]

حضرت محمد بن مسلمہؓ فرماتے ہیں کہ میری نسبت ایک عورت سے ٹھہری، میں نے چھپ کر اس کو دیکھنے کی سعی کی۔ بالآخر ایک دن میں نے اس کو اپنے باغ میں دیکھ لیا۔ ان کی اس حرکت پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ رسول اللہ صلعم کے صحابی ہو کر ایسا کرتے ہیں۔ محمد بن مسلمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ صلعم کو فرماتے ہوئے سنا کہ دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔[2]

حضرت عمر کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے حضرت علیؓ کو کہلا بھیجا کہ آپ کی لڑکی ام کلثومؓ سے شادی کا ارادہ رکھتا ہوں اور اس روایت کے اخیر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے پہلے ان کو دیکھ لیا تھا۔[3]

---

[1] جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۱۷ عن ابی داؤد [2] ابن ماجہ باب النظر الی المرأۃ اذا اراد ان یتزوجہا
[3] ندا للجنس ص ۱۱۱ -

دیکھنے کا شرعی طریقہ

مگر یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ ہمارے یہاں دیکھنے کی اجازت تو ضرور ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سلسلہ میں وہ رواج بھی ہمارے یہاں جائز ہے جو غیر قوموں میں ہے کہ شادی کے پہلے ہونے والے میاں بیوی ایک مدت تک بیاکی کے ساتھ ملی جلی زندگی گزارتے ہیں اور عشق و محبت کی وادی طے کر کے نکاح کی منزل پر پہنچتے ہیں۔ یہ طریقے اسلام میں قطعاً جائز نہیں ہیں۔ ابھی حضرت جابرؓ کے دیکھنے کا واقعہ نقل کیا گیا، اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام میں دیکھنے کی کیا نوعیت تھی۔ پھر یہ بات بھی واضح رہے کہ اسلام میں شریف عورت کا تمام جسم ستر ہے سوائے چہرہ اور ہتھیلی یا زیادہ سے زیادہ قدمین بھی ان تین (چہرہ۔ ہتھیلی۔ قدمین) کے سوا دوسرے حصۂ جسم کا عورت کے لئے کھولنا غیر مرد کے سامنے جائز نہیں ہے جیسا کہ تفصیل کے ساتھ آئندہ معلوم ہوگا، تو بس ہمارے یہاں اسی حد تک دیکھنا چاہیئے۔

دیکھنے میں تجسس جائز نہیں، یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ عورت کو علم ہو کر مجھے دیکھا جا رہا ہے۔ مرد کو مخطوبہ کے متعلق یقین کے ساتھ کسی طرح ضروری معلومات ہو جانا چاہیئے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ صرف چہرہ اور ہتھیلی دیکھنا چاہیئے چنانچہ لکھتے ہیں:

ثم انما یباح له النظر الی وجهها	"مرد کے لئے جائز ہے کہ مخطوبہ۔
وکفیها فقط لانهما لیسا	(جس سے شادی کرنا ہے) کا چہرہ اور
بعورة ولانه یستدل بالوجه	ہتھیلی دیکھ لے کہ یہ دونوں ستر میں
علی الجمال وبالکفین علی	نہیں ہیں اور اس لئے کہ چہرہ سے

خصوبة البدن او عدمها	خوبصورتی معلوم ہوجائے گی، اور
(شرح مسلم ج ۱ ص ۴۵۶)	ہتھیلی سے بدن کی تر و تازگی کا اندازہ
	مل جائے گا۔

یہ بالکل درست ہے کہ چہرہ دیکھ کر آدمی عورت کی تراش خراش کا بڑی حد تک اندازہ لگا سکتا ہے۔ خوبصورتی و بدصورتی چہرہ سے عیاں ہوجاتی ہے بلکہ آدمی ذرا ذہین ہو تو صرف چہرہ سے اس کی زندگی کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل کر سکتا ہے۔ قدرت نے چہرہ کو ظاہری بدن کا قلب بنایا ہے، اور اگر اسے آئینہ باطن کہا جائے تو غلط نہیں۔

اس سلسلہ میں مولانا ثناء اللہ پانی پتی کا قول پہلے نقل کیا جا چکا ہے وہ بھی کہتے ہیں کہ نکاح سے پہلے مخطوبہ کا چہرہ اور اس کی ہتھیلی دیکھ لی جائے گی حدیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ باقی قدمین، اس کا فقہائے نے بعض شرعی بنیاد پر اضافہ کیا ہے۔

گو اس باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ مخطوبہ کا کونسا اور کتنا حصہ دیکھا جائے۔ چہرہ اور ہتھیلی پر تو اجماع ہے اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں اور امام اوزاعیؒ کہتے ہیں مواضع لحم کو دیکھا جائے گا، اور داؤد ظاہری فرماتے ہیں کہ غلیظ حصوں کے سوا تمام بدن کا دیکھنا جائز ہے۔[۱]

آپ آگے پڑھیں گے کہ شریعت اسلام میں پہلی نگاہ جو پڑ جائے اس کی اجازت ہے، باقی پھر دوبارہ نہ ڈالی جائے، اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے کہ کوئی مرد اجنبی عورت سے تنہائی میں ملے اور بات چیت کرے، بوقت ضرورت لوگوں کے سامنے البتہ مل سکتا ہے۔ یہ اور اسطرح کی بہت ساری ہدایات آپ

---

[۱] نداء الجنس اللطیف ص ۱۱۱ و تفسیر مظہری سورۃ نساء ص ۶

وہاں پڑھیں گے۔ ان کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے یہاں دیکھنے کی گو اجازت ہے مگر ضروری حد تک، اور اعتدال کے ساتھ۔ اس سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ عورت کو اس کے گھر میں اس کے رات دن کے لباس میں دیکھ لے گا اور بس، پھر شرط یہ ہے کہ نگاہ پاکیزہ ہو اور دل میں کوئی روگ نہ ہو۔

قالوا یخلص النیۃ عند ابتداء النظر ثم یفوض الامر الی اللہ

"شروع میں دیکھتے وقت نیت مخلص ہو، پھر معاملہ اللہ کے سپرد ہو۔"

(العرف الشذی صفحہ ۳۹)

ان قوانین سے اسلام کا منشا یہ ہے کہ شادی میں ان تمام ضروری امور کا لحاظ رکھا جائے جس کی وجہ سے آئندہ ملی جلی زندگی میں کوئی بدمزگی پیدا نہ ہونے پائے اور مقاصدِ نکاح اس رشتہ سے پوری طرح ادا ہوں۔

عشق و محبت علامہ رشید رضا مصری کے تجربہ کی روشنی میں:

علامہ رشید رضا مصریؒ کی یہ بات بالکل درست ہے کہ میں تیس چالیس سال سے عورت کے متعلق مسائل اور زن و شوئی تعلقات پر کام کر رہا ہوں۔ اس سلسلہ میں بہت سی قدیم و جدید کتابیں، رسالے اور اخبارات پڑھنے پڑے اور اس مسئلہ پر اپنی تفسیر المنار میں بہت کچھ لکھ بھی چکا ہوں مگر بایں ہمہ اہل مغرب و مشرق کے اس قول کے غلط ہونے کا اعتقاد رکھتا ہوں کہ ـــ " زن و شوئی تعلقات کی خوشگواری کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ شادی سے پہلے ہونے والے میاں بیوی میں تعارف ہو اور ہر ایک کو دوسرے سے عشق ہو"۔

تجربات نے اس بات کی غلطی آشکارا کر دی ہے اور یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ

نوجوانوں کا باہمی عشق و محبت شادی کے بعد عموماً ختم ہو جاتا ہے اور عرب کا یہ قول بالکل صادق آتا ہے: الزواج یفسد الحب: شادی پہلی محبت کی بنیاد ہلا دیتی ہے۔ زن و شوئی تعلقات کی خوشگواری کے لئے صحیح قاعدہ وہی ہے جو حضرت عمرؓ نے اس عورت سے کہا تھا جس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست دی تھی اور اپنے شوہر کے متعلق کھل کر کہا تھا کہ "اس سے طبعی محبت نہیں کرتی ہوں۔ یعنی میرے دل میں اس کی طبعی محبت جاگزیں نہیں ہوتی ہے"

حضرت عمرؓ نے یہ سنکر اس عورت سے فرمایا: اگر عورتوں میں سے کسی عورت کو اپنے شوہر سے طبعی محبت نہ ہو تو اس عورت کو چاہیئے کہ یہ بات اپنے شوہر سے نہ بیان کرے کیونکہ بہت کم ایسے گھر ہیں جنکی بنیاد طبعی محبت پر ہوتی ہے، لوگ باہمی زندگی حسب اور اسلام پر بسر کیا کریں۔ یعنی میاں بیوی میں ہر ایک اس بات کا التزام کرے کہ ایک دوسرے کے شرف و مجد کا لحاظ کرے اور اسلام نے زن و شوئی تعلقات کے سلسلہ میں جو ضروری ذمہ داریاں — آداب اور فرائض عائد کئے ہیں ان کو نباہنے اور بجالانے کی سعی کرے، بس اسی طریقہ سے زندگی کی خوشگواری نصیب ہو سکتی ہے۔[1]"

یہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کو چاہیئے کہ دل میں جتنی محبت پاتا ہے، اظہار اس سے زیادہ کا کرے تاکہ اس طرح بتدریج محبت دلوں میں جاگزیں ہو جائے اور باہمی زندگی اطمینان و سکون، اور مسرت و انبساط سے نباہ دے ✤

---

[1] ندا للجنس اللطیف ص ۱۴۱

بلوغ کے بعد شادی کا حکم اور دیگر ہدایات

اسلام نے عفت و عصمت کے ان تمام لوازمات کو اپنی تعلیمات میں سمو دیا ہے، جن سے عفت و اخلاق کی بنیادیں استوار ہوں اور پاکبازی و پاکدامنی کا ماحول فراہم ہوجائے ساتھ ہی کہیں سے کوئی ایسا رخنہ پیدا ہونے کا موقع نہیں دیا ہے جس سے شیطانی وسوسے راستہ پاسکیں اور انسان کو عفت و عصمت کی مٹی پلید کرنے پر آمادہ کرسکیں۔

یوں تو اسلام نے اجازت دے رکھی ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے ہی لڑکا اور لڑکی کا نکاح کیا جاسکتا ہے اور جوانی کا ہنگامی دور آنے سے پہلے ہی ایسا رشتہ قائم کیا جاسکتا ہے جو مرد و عورت کے خیالات کو بھٹکنے سے روک دے، اور اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ابتدائے بلوغ ہیں بھی جب سوچیں گے تو دونوں جائز ہی محبت اور رشتہ داری پر سوچیں گے۔

بلوغ کے بعد شادی کی تاکید

مگر بلوغ کے بعد تو اسلام نے یہ قانون بنادیا ہے کہ جلد سے جلد شادی ہو جانی چاہیئے کہ یہ دور شباب کا ہے، امنگ کا زمانہ ہے اور جنسی خواہشات کے ابھرنے کا موقع ہے، آدمی میں اس عمر میں گو مستقبل پر غور کرنیکی صلاحیت ہوتی ہے مگر وہ جذبات کے نیچے دبی دبائی ہوتی ہے۔ عموماً کمتر ہی لوگ عمر کے اس حصہ میں نفع و نقصان سوچنے کی زحمت برداشت کرتے ہیں، اس لئے اگر عمر کے اس نازک ترین حصہ میں قانونی نگرانی نہ کی جائے تو راہِ راست سے

دور پڑ جانے کا قوی اندیشہ ہے۔ اس لئے خصوصیت سے نوجوانوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

یامعشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج (بخاری)	"اے نوجوانو! تم میں جو اسباب جماع پر قادر ہو اسکو شادی کر لینا چاہئے"

شباب کا زمانہ بلوغ کے بعد شروع ہوتا ہے اور بتیس برس کی عمر تک رہتا ہے اور بعض کے نزدیک تیس تک۔

قال الزمخشری ان الشباب من لدن البلوغ الی اثنین وثلاثین وقال النووی الاصح المختار ان الشباب من بلغ ولم یجاوز الثلاثین ثم کھل الی ان یجاوز الاربعین ثم ھو شیخ ھکذا فی فتح الباری	زمخشری نے کہا ہے کہ شباب بلوغ سے بتیس سال کی عمر تک ہے اور نووی نے کہا صحیح یہ ہے کہ شباب بلوغ کے وقت سے لے کر تیس برس کی عمر تک ہے تیس سے چالیس تک کہل (ادھیڑپن) ہے چالیس کے بعد شیخ (بڑھاپا)

(مفتاح الحاجہ حاشیہ ابن ماجہ ص ۱۳۲)

بال سفید ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ یہ مزاجوں کے اختلاف سے مختلف ہوا کرتا ہے، اس تفصیل سے مقصد یہ ہے کہ بلوغ کے فوراً بعد اسلام نے شادی کرنے کا مطالبہ کیا ہے اور منشا یہی ہے کہ عمر کے اس ہنگامہ خیز زمانہ میں انسان غلط راستہ پر پڑ کر عفت وعصمت کے دامن کو داغدار کرنے نہ پائے۔

لڑکے اور لڑکی کی شادی کا بار والد پر

اس عمر میں عموماً انسان والدین کی زیر نگرانی ہوتا ہے، شادی کا سامان خود فراہم کرنا چاہے تو اکثر انسان نہیں فراہم کر سکتا۔ حیا وشرم الگ دامنگیر ہوتی ہے،

جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ضرورت محسوس کرنے پر بھی والدین سے کہنے کی جرأت نہیں ہوتی اور ایسے زمانہ میں عفت و عصمت کبھی کبھی خطرہ میں گھر جاتی ہے اسلئے پیغمبر اسلام نے اس عمر کی شادی کی ذمہ داری والدین پر ڈالی ہے۔ ہدایت نبوی ہے:

من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وادبہ فاذا بلغ فلیزوجہ فان بلغ ولم یزوجہ فاصاب اثما فانما اثمہ علیٰ ابیہ رواہ البیہقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ ص ۲۷۱)

"جس شخص کے بچہ ہو اسکو چاہیئے بچہ کا اچھا نام رکھے تعلیم و تربیت دے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کر دے، بلوغ کے بعد اگر باپ نے شادی نہیں کی اور اس سے گناہ ہو گیا تو اسکا گناہ اسکے باپ پر ہے"

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں، پہلی بات یہ کہ لڑکے لڑکی کو تعلیم و تربیت دے جو اسکی آئندہ زندگی میں رہبر کا کام دے اور اسکے دل میں خشیت الٰہی کی پرورش کرے تاکہ یہ گناہ کے کاموں سے مجتنب اور متنفر رہے، دوسری بات یہ کہ جونہی بالغ ہو باپ اس کی شادی کر دے، تاخیر اور تساہلی سے کام نہ لے، کیونکہ اگر والدین کی عدم توجہی سے تاخیر ہوئی اور اس اثناء میں اس سے گناہ سرزد ہو گیا تو والدین بھی گناہ سے نہ بچ سکیں گے۔

دوسری حدیث میں لڑکی کے متعلق ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

قال فی التوراۃ مکتوب من بلغت ابنتہ اثنتی عشرۃ سنۃ ولم یزوجھا فاصابت اثما فاثم ذالک علیہ رواہ البیہقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ ص ۲۷۱)

"توریت میں لکھا ہے کہ جس کی لڑکی بارہ سال کی ہو جائے اور وہ اسکی شادی نہ کرے اور اس لڑکی سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ گناہ اس شخص پر ہوگا

ان دونوں حدیثوں کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکا اور لڑکی بالغ ہو جائے

تو والدین پر ذمہ داری ہے کہ جلد سے جلد ان کی شادی کر دیں، خود لڑکا اور لڑکی پر بھی ذمہ داری ہے کہ شادی کرنے میں ٹال مٹول نہ کرے۔ وقت آئے تو فوراً تیار ہو جائے اور والدین کا بھی فریضہ ہے کہ لڑکے لڑکی کی شادی وقت پر کر دیں مگر ان کی رائے معلوم کر کے — تاکہ رشتہ مضبوط ہو سکے۔

شادی کی اہمیت

والدین پر تاکید جتانے اور مسئلہ کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر وقت پر شادی نہ ہوئی اور والدین نے اپنی ذمہ داری کا احساس نہ کیا اور اس کی وجہ سے لغزش ہو گئی، اور لڑکے یا لڑکی میں سے زنا یا دواعی زنا کا ارتکاب ہو گیا تو گناہ کا ایک حصہ والدین کا بھی ہو گا، اور مرتکب معصیت تو گناہ میں ڈوب ہی جائے گا۔

رشتۂ ازدواج میں استواری:

رشتہ ازدواج کے انعقاد میں اسلام نے اسکا بھی خیال رکھا ہے کہ رشتہ مضبوط سے مضبوط بنیاد پر قائم ہو، تاکہ آئندہ چل کر اس میں ضعف و اضمحلال نہ پیدا ہونے پائے، اسی وجہ سے شریعت نے اس کا لحاظ رکھا ہے کہ جو دو اجنبی رشتۂ مناکحت سے آپس میں مل رہے ہیں وہ دونوں اپنے عقائد و اعمال، طرز معاشرت اور مسلک و مذہب میں ایک جیسے ہوں - اسی بنیاد پر مشرک مرد و عورت سے مسلمان مرد و عورت کی شادی کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کی یہ آیت: "لَا تنکحوا المشرکات حتّٰی یومن"۔ جو نکاح مشرک کی حرمت کو بتاتی ہے اس کے ضمن میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ لکھتے ہیں:

"مشرکین اور مشرکات جنکا اوپر ذکر ہوا، ان کے اقوال، انکے افعال

ان کی محبت، ان کے ساتھ اختلاط کرنا، شرک کی نفرت اور اسکی برائی کو دل سے کم کرتا ہے اور شرک کیطرف رغبت کا باعث ہوتا ہے، جس کا انجام دوزخ ہے اس لئے ایسوں کے ساتھ نکاح کرنے سے اجتناب کلی لازم ہے[۱]۔"

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

"اس آیت میں مصلحت بیان کی گئی ہے کہ مسلمانوں کی صحبت جب کفار و مشرکین کے ساتھ رہے گی اور کافروں اور مسلمانوں میں مواسات کا تعلق ہوگا تو بالخصوص یہ سب تعلقات ازدواج کے طور پر ہوں گے تو دین کے لئے ایک مفسدہ کا پیدا ہونا لازم ہے اور پھر کفر کا شعوری اور غیر شعوری طور پر قلب میں اثر انداز ہونا ہے[۲]۔"

یہ تو دینی مفاسد ہیں، دنیاوی طور پر نقصان یہ ہے کہ اختلاف دین کی صورت میں محبت اور پیار کی زندگی پروان نہیں چڑھ سکتی، خوشگواری کا پیدا ہونا مشکل ہے بلکہ تلخیوں کی خلیج وسیع ہوتی جائے گی جسکے نتائج میں بہت ممکن ہے عفت و عصمت خطرے میں گھر جائے یا سرے سے مقاصد نکاح ہی انجام پذیر نہ ہو سکیں۔

مسئلہ کفائت

اس مؤدت و محبت اور خوشگواری کی وجہ سے خود مسلمانوں میں بھی بعض چیزوں میں کفائت کا اعتبار کیا گیا ہے، مثلاً یہ کہ نیکوکار عورت کی شادی بدکار مرد سے یا نیکوکار مرد کی شادی بدکار عورت سے نہ کی جائے گی۔ قرآن پاک نے بتایا:

---

[۱] موضح فرقان بر حاشیہ قرآن پاک ص ۳۱ [۲] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲، ص ۱۲۳

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْکِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ (نور - ۱۰)

"زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے اور زانیہ کیساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے اور یہ مسلمانوں پر حرام کیا گیا ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ زنا کار مرد اور زنا کار عورت نیک مرد اور نیک عورت کے کفو نہیں ہیں کیونکہ عملی طور پر ان دونوں میں بڑا فرق ہوگا، میل ملاپ ہونے کی اُمید بہت کم ہے۔ چنانچہ ایک جگہ اور قرآن میں کہا گیا ہے۔

اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقًا لَا یَسْتَوٗنَ (السجدہ - ۲)

"کیا ایمان لانے والا (بستی کے) اس درجہ میں ہوگا جس درجہ میں نافرمان ہے، ہرگز وہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے"

مال میں کفو کا تقریباً اعتبار نہیں ہے صرف امام شافعیؒ مالی کفو کے قائل ہیں، مگر تجربات کی روشنی میں یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو محبت اور پریم میں حائل ہو یوں تو کبھی کبھی ثروت و دولت بھی باعث فساد ہوجایا کرتی ہے۔

نسبی کفو زیادہ قابلِ اعتماد نہیں:

نسب میں بھی بعض ائمہ نے کفو کا اعتبار کیا ہے۔ غالباً عقلی مصالح ان کے پیش نظر تھے۔ تجربہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خاندانوں کے معاشرتی اختلافات کیوجہ سے مختلف پیچیدگیاں عملی زندگی میں پیدا ہوتی ہیں لیکن جہاں تک مسئلہ کی دینی حیثیت ہے بقول ابن جحرح کفو نسبی کے معتبر ہونے میں کوئی بھی صحیح حدیث نہیں ہے بلکہ برعکس اسکے ایسے آثار و روایات کا ذخیرہ کتابوں میں پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوت و عہد صحابہ میں نسبی کفو کو کسی قسم کی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔

بخاریؒ نے باب الاکفاء فی الدین کے عنوان کے نیچے دو ایسے واقعات نقل کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نسبی کفو کا اعتبار نہ تھا۔ پہلا واقعہ حضرت ابو حذیفہؓ کا ہے جو بدری صحابی ہیں کہ انھوں نے حضرت سالمؓ کی شادی جو ایک انصاری عورت کے آزاد کردہ غلام تھے اپنی بھتیجی ہند بنت ولیدؓ کے ساتھ کی، اور یہ ہندؓ مہاجرات میں سے ہیں۔

دوسرا واقعہ ضباعہ بنت زبیرؓ کا نقل کیا ہے کہ ان کی شادی حضرت مقدادؓ سے ہوئی تھی، حالانکہ ضباعہؓ اپنے نسب کے اعتبار سے بہت اونچی تھیں۔[1]

حافظ ابن القیمؒ نے اس پر بڑی تفصیل سے لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ نسب میں کفو معتبر نہیں ہے اور کفو فی النسب میں شدت اختیار کرنا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے، اللہ تعالیٰ نے شعوب و قبائل کو دنیا میں باہمی تعارف کا ذریعہ بنایا ہے۔ اسلام میں اس کا کوئی خاص حصہ نہیں ہے۔ کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ (الحجرات ۱-۲)

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلاشبہ تم میں سے وہ بڑا شریف ہے جو تم میں خدا سے زیادہ ڈرتا ہو!"

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ (حجرات)

"بلاشبہ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں"

نسبی کفو کے متعلق حضور کا ارشاد اور آپکے عہد کا عمل

یہ اور اسی طرح کی دوسری آیتیں مسلمانوں کی باہمی مساوات کو بتاتی ہیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اور بھی اس مسئلہ کو اجاگر کیا ہے۔ ترمذی کی یہ حدیث اوپر نقل کرآیا ہوں کہ اگر تمھارے پاس پیام نکاح ان لوگوں کی طرف سے آئے جن کا اخلاق

[1] بخاری باب ۱۶ الاکفاء فی الدین

اور دین تمہارے پسند کے لائق ہے تو اس سے شادی کر لو، کیونکہ دین اور اخلاق کے ماسوا کوئی دوسری چیز کو بنیاد بناؤ گے تو روئے زمین میں فتنہ و فساد کے چشمے ابل پڑینگے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ان آل بنی فلان لیسوا الی باولیأ	"بنی فلاں کی اولاد میرے اولیا نہیں ہیں
ان اولیائی المتقون حیث	میرے اولیا متقی لوگ ہیں جہاں ہوں اور
کانوا واین کانوا (زادلمعاد ج ۴ ص ۲۲)	جس طرح کے ہوں"

پھر یہ بات بھی کوئی چھپی ڈھکی نہیں ہے کہ رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش قرشیہ کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضؓ سے کی۔ فاطمہ بنت قیس رضؓ فہریہ کی شادی زید رضؓ کے بیٹے حضرت اسامہ رضؓ سے کی۔ حضرت بلال بن رباح حبشی کی شادی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کی ہمشیرہ سے ہوئی۔

اس طرح کے واقعات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے کہ کفایت فی النسب کی کتنی اہمیت باقی رہ جاتی ہے۔ اس ساری تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ کفاءت کے مسئلہ میں سختی اختیار نہ کی جائے۔

نکاح کا اعلان

اسلامی قوانین عفت میں تمام فتنہ و فساد کے سرچشموں کو بند کرنے کی کوشش کی گئی ہے، سوسائٹی اور سماج کے اندر جس چیز سے بد اخلاقی نشو و نما پا سکتی ہے۔ حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے اس کو بند کرنے کی سعی بلیغ کرنی چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نکاح کا اعلان بڑی حد تک ضروری سمجھا ہے کیونکہ اگر نکاح کا اعلان نہ ہوا تو اس راستہ سے فتنوں کے سر اٹھانے کا اندیشہ کیا جاتا ہے،

لہ زادالمعاد ج ۴ ص ۲۲

پہلی بات تو یہ ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ کھلے طور پر نکاح اور ناجائز تعلقات کے درمیان مابہ الامتیاز کوئی حد ضرور ہونی چاہیئے تاکہ التباس پاس نہ پھٹکنے پائے۔ اور آدمی ذہنی گمراہی میں مبتلا نہ ہو۔

اوپر اشارہ کر آیا ہوں کہ نکاح کی صحت کی شرط یہ بھی ہے کہ کم از کم دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتیں اس معاملہ کی گواہ ہوں جو نکاح کی مجلس میں موجود ہوں اور ایجاب وقبول اس طرح ہو کہ گواہ سُن سکیں اور اولیٰ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ آدمی شریک ہوں، چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اعلنوا هذا النکاح واجعلوه فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف

"اس نکاح کا اعلان کرو اور نکاح مسجد میں کرو اور اس پر دف پیٹو کہ خوب اعلان ہو جائے"

(ترمذی باب ماجاء فی اعلان النکاح)

مسجد میں نکاح کا ایک بڑا فائدہ اعلان کا حصول بھی ہے، جہاں آزادی کیساتھ ہر خاص وعام آسکیں، کسی کو پہنچنے میں کوئی اعتراض باقی نہ رہے اور دف بجانے کا مقصود اعلان کے سوا اور کوئی ہو نہیں سکتا۔ اسلام میں فضول لہو ولعب کی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فصل مابین الحلال والحرام الصوت والدف فی النکاح

"حلال اور حرام میں حدِ فاصل نکاح کی شہرت اور دف ہے (کہ لوگوں کو خبر ہو"

ترمذی باب ماجاء فی اعلان النکاح)

اعلان کی ضرورت

واقعہ یہ ہے کہ اگر نکاح کی شہرت ضروری قرار نہ دی جائے تو پھر لوگ چوری چھپی

آشنائی اور ناجائز تعلق کو بھی نکاح کی صف میں لاکر ملادیں اور اس طرح ایک چور دروازہ قائم ہوجائے۔ اللہ تعالےٰ نے اسی وجہ سے سختی کے ساتھ روکا ہے جہاں شادی کا تذکرہ ہے کہ عفت مقصود ہونا چاہیئے صرف ہوس رانی نہ ہو۔ اس سلسلہ میں قرآن پاک میں ایک جملہ لاکر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ نکاح اعلان کے ساتھ ہونا چاہیئے، ارشادِ ربانی ہے:

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْ اَخْدَانٍ (المائدہ)	"وہ مرد پارسا ہو، نہ صرف مستی نکالنے والا ہو اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والا۔"
مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسَافِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ (النساء-۴)	"عورتیں پاکباز ہوں، نہ مستی نکالنے والی ہوں اور نہ چھپے چوری آشنائی کرنے والیاں۔"

ان آیتوں میں معجزانہ پیرایۂ بیان میں اختیار کیا گیا ہے اور اعلان کی اہمیت ظاہر کی گئی ہے۔

نکاح کی شہرت بذریعہ دعوت ولیمہ

نکاح کے اعلان کی ایک اور صورت اختیار کی گئی ہے جس کی دلچسپی اور پاکیزگی کا ہر ایک کو اعتراف کرنا پڑتا ہے، وہ یہ ہے کہ عورت کے پاس شب باشی کے بعد دعوت ولیمہ مستحب ہے۔ حدیثوں میں دعوت ولیمہ کی خاص تاکید پائی جاتی ہے خود ذات بابرکت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ دعوت دی ہے اور لوگوں کو ولیمہ کا کھانا کھلایا ہے۔ حضرت زینب بنت جحش رضؓ سے جب آپ نے عقد کیا تو بکری ذبح کی گئی اور اسکے گوشت سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضؓ کی دعوتِ ولیمہ کی۔ حضرت صفیہ رضؓ سے شادی کی تو حیس پکوایا اور لوگوں کو کھلایا۔ حیس ایک خاص طرح کا عربی کھانا ہوتا ہے جو کھجور، پنیر اور گھی ملاکر بنتا ہے۔ حتے کہ بعض ازواجِ مطہرات

میں اور کچھ فراہم نہ ہو سکا تو دو مُد جو سے دعوت کی[1]۔

صحابہ کرام کو بھی دعوتِ ولیمہ کی تاکید فرمائی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کا خود بیان ہے:

قال لی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولم ولو بشاۃ (بخاری باب الولیمۃ حق)	"مجھ سے نبی کریم صلعم نے فرمایا دعوت ولیمہ کرو، گو ایک ہی بکری سے ہو"۔

بعض لوگوں نے اسی وجہ سے اس دعوت کو واجب کہا ہے مگر صحیح یہی ہے، کہ سنت ہے یا مستحب، جس کو جتنا میسر ہو، کچھ لوگوں کو بھی کھلانے کی سعی کرے، یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ قرض لے کر اور سود ادا کر کے روپیہ ملے تو بھی ضرور لے اور دعوتِ ولیمہ کرے۔

دعوتِ ولیمہ کا قبول کرنا:

اور پھر غور فرمایئے: دعوت ولیمہ کا ایک طرف حکم ہے اور دوسری طرف جن لوگوں کو دعوت ملے ان کو حکم ہے کہ ضرور دعوتِ ولیمہ میں شریک ہوں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

اذا دعی احدکم الی ولیمۃ عرس فلیجب (ابن ماجہ باب اجابۃ الداعی)	"شادی میں جب کسی کو دعوتِ ولیمہ دی جائے تو اس کو قبول کرنا چاہیئے"۔

مفلس کو بھی دعوت دی جائے:

پھر تاکید نبوی ہے کہ دعوت ایسی ہونی چاہیئے کہ مالداروں کو بلایا جائے اور

---

[1] مشکوٰۃ و ابن ماجہ باب الولیمہ

غریبوں کو چھوڑ دیا جائے، بلکہ بھوکوں اور غریبوں کو بھی بلایا جائے۔ ارشادِ نبوی ہے:

شر الطعام طعام الولیمۃ یدعی الاغنیاء و یترک الفقراء (متفق علیہ)	بدترین کھانا، ولیمہ کا وہ کھانا ہے جس میں مالدار بلائے جائیں اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔"
من ترک الدعوۃ فقد عصی اللہ و رسولہٗ متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ باب الولیمہ)	جس نے دعوت ولیمہ میں دعوت کے باوجود شرکت نہ کی اس نے اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کی!

ان حدیثوں کو سامنے رکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس دعوت کی کتنی اہمیت ہے، اس میں اظہارِ خوشی کے ساتھ ساتھ ایک بڑا فائدہ یہ ہے: کہ نکاح کی خوب شہرت ہوتی ہے اور کسی کو شک و شبہ کا موقع نہیں ملتا۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اعلان و شہرت کا بڑی حد تک مقصد یہی ہے کہ عفت و عصمت کی پوری طرح حفاظت عمل میں آئے اور کوئی اس راستہ سے ناجائز طور پر عفت و عصمت کی مٹی پلید کرنے نہ پائے اور نہ نکاح کا نام لے کر کوئی بدنیت کوئی دوسری کارروائی کر سکے اور ساتھ ہی جائز نکاح کے سلسلہ میں کسی کے دل میں شکوک و شبہات نہ رہ جائیں۔

جائز لطف اندوزی کی آزادی

شادی ہوجانے کے بعد اسلام نے اس کا پورا موقع دیا ہے کہ شوہر بیوی سے اور بیوی شوہر سے دستور کے مطابق پوری طرح متمتع ہوں، اس سلسلہ میں کوئی ادنیٰ رکاوٹ بھی باقی رکھی نہیں گئی ہے اور نہ دوسروں کی رکاوٹ برداشت کی گئی ہے۔ باہمی لطف اندوزی میں دن رات کی کوئی قید نہیں۔ جاڑا، گرمی کا کوئی سوال نہیں۔ بہار وخزاں کی کوئی شرط نہیں، برسات اور غیر برسات کی کوئی بات نہیں اور نہ کسی غیر شرعی مداخلت کی گنجائش ہے۔

صرف سال کے کچھ حصّوں میں ممانعت

پورے سال میں ایک مہینہ رمضان کا آتا ہے جس میں روزہ دونوں پر فرض ہے اور حالتِ روزہ میں مقاربت کی اجازت نہیں ہے، پھر بھی باہم گفتگو اور دلچسپی کی باتوں کی ممانعت نہیں کی گئی ہے۔ بہرحال ممانعت کا تعلق صرف روزے کی حد تک ہے، افطار کے بعد اور ان وقتوں کے علاوہ جیسا کہ معلوم ہے رمضان میں بھی آزادی عطا کی گئی، خود قرآن ہی میں صراحۃً فرما دیا گیا ہے۔

اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ۔ (بقرہ ـ ۲۳)	روزوں کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی عورتوں کے پاس جانا جائز کردیا گیا ہے وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔"

اس آیت میں رمضان کی رات کا نام لیا گیا ہے۔ ایک دوسری آیت میں تذکرہ ہے کہ غروب آفتاب کے بعد سے میاں بیوی سے اور بیوی میاں سے ہر طرح لطف اندوز ہو سکتی ہے۔ اسطرح جس طرح کھانے پینے کی عام اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَالْاٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا	"سو تم ان سے ملو ملاؤ اور جو تمہارے
مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا	لئے تجویز کر دیا ہے اس کا سامان کرو
وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ	اور کھاؤ پیو، اس وقت تک کہ تم کو
الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ	سفید خط صبح کا متمیز ہو جائے سیاہ
الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (بقرہ ۲۳)	خط سے۔"

رمضان کے علاوہ دوسرے کسی بھی روزہ میں عورت کو حکم ہے کہ بغیر شوہر کی اجازت حاصل کئے روزہ ہی نہ رکھے کہ کس وقت اس کو ضرورت آپڑتی ہے۔

حیض ونفاس

دو موقعے اور ہیں جن میں عورت قدرتی گندگی میں مبتلا رہتی ہے: ایک حیض کا وقت ہے جو خون غیر حاملہ کو ہر مہینہ آیا کرتا ہے۔ جس کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے اور کم سے کم تین دن، دوسرا نفاس کا زمانہ ہے کہ عورت کو جب ولادت ہوتی ہے اس کے بعد مسلسل کئی ہفتے اس کو خون آتا رہتا ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس یوم ہے اور کم کے لئے کوئی خاص مدت متعین نہیں ہے۔ اباحیہ کے ان دنوں میں بھی مقاربت سے پرہیز کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ عرض کیا جاچکا کہ یہ گندگی کا زمانہ ہوتا ہے، طبعاً ایسے وقت میں عورت کے پاس جانے سے نفرت ہوتی ہے۔ دوسرے مہلک امراض کے

پیدا ہونے کا بھی خطرہ رہتا ہے۔ قرآن پاک نے اس کا تذکرہ کیا ہے:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ قُلْ	"لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں
هُوَ اَذًی فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ	آپ فرما دیجئے وہ گندی چیز ہے پس
فِی الْمَحِیْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ	تم حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو
حَتّٰی یَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ	اور ان سے قربت نہ کیا کرو جبتک وہ
فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَکُمُ	پاک نہ ہو جائیں، پھر جب وہ اچھی طرح
اللّٰهُ ط	پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آ جاؤ
(بقرہ - ۲۸)	جس جگہ سے اللہ تعالے نے تم کو
	اجازت دی ہے"۔

اس حیض و نفاس کے بعد پھر کوئی رکاوٹ نہیں ہے: ان چند دنوں میں عورتیں آرام کر کے تازہ دم ہو جاتی ہیں اور حیض کے بعد ان میں حمل کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے — ان مواقع کے علاوہ اگر کوئی شرعی قباحت پیش نہیں آ گئی ہے تو ہر وقت زن و شوہر باہم مل سکتے ہیں اور تسکینِ نفس حاصل کر سکتے ہیں، اس سے زیادہ آزادی اس باب میں اور کیا مل سکتی ہے!

عورتوں سے تمتع کا بلیغ بیان

قرآن پاک نے زن و شو کے باہمی تعلقات کے لئے جو عنوان اختیار کیا ہے وہ بڑا ہی بلیغ ہے اور دونوں کے باہمی داعیاتِ فطرت کی تکمیل کے لئے جو طرزِ تعبیر مقرر کیا ہے وہ بہت ہی مہذب اور پاکیزہ ہے۔ ابھی اوپر کی آیت میں یہ حصہ گزر چکا۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ	وہ (عورتیں)، تمہاری پوشاک ہیں اور

لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔ "تم ان کی پوشاک ہو"

اس آیت میں ہر ایک کو دوسرے کے لئے پوشاک قرار دیا گیا ہے عورت مرد کی عفت و عصمت کی حفاظت کرتی ہے اور مرد عورت کے ناموس کو بربادی سے بچاتا ہے۔ اسی طرح عورت مرد کے لئے زینت ہے اور مرد عورت کیلئے لباس کو جب جی چاہتا ہے آدمی زیب تن کر لیتا ہے، یہی حال زن و شو کا ہے کہ ہر ایک دوسرے سے جس وقت چاہیں مل سکتے ہیں، اس میں محبت اور یگانگت کی طرف بھی لطیف اشارہ ہے جو ازدواجی تعلق کی جان ہے "لباس" کے لفظ میں یہ ساری باتیں مندرج ہیں: ایک دوسری آیت میں عورت کو کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے، ارشاد ہے:

نِسَآءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ۔ (البقرہ — ۲۸)

"تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیت ہیں، سو اپنے کھیت میں جسطرف سے ہو کر چاہو، آؤ"

لواطت کی حُرمت

عورت مرد کے لئے بمنزلہ کھیتی کے ہے، اس کھیتی سے مرد کو متمتع ہونے کا حق ہے، اسی لئے عورت سے جو اولاد ہوتی ہے وہ بھی باپ ہی کی کہی جاتی ہے اس آیت میں اس بات کیطرف لطیف اشارہ ہے کہ مقاربت میں کسی خاص شکل یا ہیئت کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ البتہ "حرث" یعنی کھیتی کا لفظ خود بتا رہا ہے کہ پیداواری کی حدود تک یہ حکم محدود ہے۔ اسی وجہ سے لواطت حرام ہے کیونکہ یہ تو انسانی تخم کی بربادی ہے نہ کہ اس کی کاشت۔ مذکورہ بالا آیت سے بعضوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے "حرث" ہی کا

لفظ کافی ہے۔ ماسوا اس کے صحیح حدیثوں میں گزر چکا کہ غیر فطری استعمال خواہ بیوی ہی کے ساتھ ہو قطعی حرام ہے۔ قرآن نے ایک دوسری جگہ اس کی صراحت کی ہے کہ عورت کے آگے میں ہی آنا چاہیئے"!

فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ۔ (البقرہ - ۲۸)	"تم ان کے پاس آؤ جاؤ جس جگہ سے تم کو اللہ تعالےٰ نے اجازت دی ہے"

اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ حکم صرف مقامِ کاشت میں ہے اس حصہ میں نہیں جو حیوان میں بھی پایا نہیں جاتا اور جس کی وجہ سے آدمی انسانیت کو پامال کرتا ہوا بہائم سے بھی نیچے گر جائے، بھلا اس کو اسلام کیسے جائز رکھ سکتا ہے۔ حدیث میں کھلے طور پر اس سے روکا گیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من اتی حائضا او امراٗۃ فی دبرھا اوکاھنا فقد کفر بما انزل علےٰ محمد رواہ الترمذی (مشکوٰۃ - ۵۶)	"جو شخص حائضہ کے پاس آئے یا کسی عورت سے لواطت کرے یا کسی کاہن کے پاس آئے اس نے دین محمد صلعم کا انکار کر دیا"۔
لا ینظر اللہ تعالیٰ الی رجل اتے رجلا او امراٗۃ فی الدبر (ترمذی ج ۱ ص ۱۴۸)	"جو شخص کسی مرد سے اغلام کرے یا کسی عورت سے لواطت کرے، اللہ اس کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیگا"۔
من اتی النسار فی اعجازھن فقد کفر رواہ الطبرانی فی الاوسط و رواتہ ثقات (مفتاح الخطابۃ ص ۲۱۷)	"جن لوگوں نے عورتوں سے لواطت کی وہ کافر ہو گئے"۔

اس مسئلہ کے بعض پہلوؤں کا ذکر آگے اپنے محل پر کیا جائے گا:

ذ

محبّت اور پیار

میاں بیوی کے تعلقات کو قرآن نے محبت اور پیار کی زندگی سے تعبیر کیا ہے اور سکون و طمانیت کی زندگی بتایا ہے، اللہ تعالےٰ نے اپنی اہم نشانیوں میں زن و شو کے تعلق کو ایک اہم نشانی قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے:

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً	"اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری قسم سے جوڑے پیدا کیا تاکہ تم ان کے پاس چین حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان پیار اور مہربانی رکھی۔" (روم - ۳)

ایک دوسری آیت اور ہے جس میں اسی ملی جلی پرسکون زندگی کا نقشہ کھینچا ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے:

ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّجَعَلَ مِنْھَا زَوْجَھَا لِیَسْکُنَ اِلَیْھَا۔ (الاعراف ۲۴)	"وہی ذات ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا، تاکہ وہ اس سے چین حاصل کرے"

یہ اور اس طرح کی دوسری آیتیں ہیں جو زن و شوئی تعلقات کو عمدہ پیرایہ میں بتاتی ہیں، اور انسان کی رہنمائی کرتی ہیں کہ انسان اپنے ان پاک طریقوں سے اپنی جنسی خواہشوں کی تسکین کرے اور روحانی بے چینی کا مداوا تلاش کرے، اللہ تعالےٰ نے ہر جاندار کو جوڑا پیدا کیا کہ تنہائی کی بے چینی میں دوسرا غمگسار بنے اور اس طرح دونوں مطمئن زندگی گزار سکیں۔

بیوی بچوں کی محبت اور اس پر تنبیہ :

بیوی بچے انسان کو طبعاً اتنے محبوب ہوتے ہیں کہ انسان کبھی ان میں اُلجھ کر خدائی فرمان بھول جاتا ہے۔ لذت و مسرت اور کیف و انبساط کی خوشگوار زندگی میں محو ہو جاتا ہے، اور یہ دولت و راحت جس مالک نے عطا کی ہے اس کی یاد سے غفلت طاری ہو جاتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو تنبیہ فرمائی اور آگاہ کیا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ	"اے ایمان والو! تمہاری بعض جوروئیں
اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا	اور اولاد تمہارے دشمن ہیں، سو ان
لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ وَاِنْ تَعْفُوْا	سے بچتے رہو، اور اگر معاف کردو اور
وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ	درگزرو، اور بخش دو تو اللہ بخشنے والا
غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (تغابن - ۲)	مہربان ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا شبیر احمد عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

"بہت مرتبہ آدمی بیوی بچوں کی محبت اور فکر میں پھنس کر اللہ کو اور اس کے احکام کو بھلا دیتا ہے۔ ان تعلقات کے پیچھے کتنی برائیوں کا ارتکاب کرتا، اور کتنی بھلائیوں سے محروم رہتا ہے۔ بیوی اور اولاد کی فرمائشیں اور رضا جوئی اسے کسی وقت دم نہیں لینے دیتیں۔ اس چکر میں پڑ کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے ظاہر ہے جو اہل و عیال اتنے خسارہ اور نقصان کا سبب بنیں، وہ حقیقۃً دوست نہیں کہلا سکتے بلکہ بدترین دشمن ہیں، جنکی دشمنی کا احساس بھی بسا اوقات انسان کو نہیں ہوتا، اسلئے حق تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ ان دشمنوں سے ہوشیار رہو اور ایسا رویہ اختیار کرنے سے بچو جسکا نتیجہ ان کی دنیا سنوارنے کی خاطر اپنا دین برباد کرنے کے سوا کچھ نہ ہو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں سب بیویاں اور ساری اولاد اسی

قماش کی ہوتی ہیں، بہت اللہ کی بندیاں ہیں جو اپنے شوہروں کے دین کی حفاظت کرتیں اور نیک کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہیں، اور کتنی ہی سعادت مند اولاد ہے جو اپنے والدین کے لئے باقیات صالحات بنتی ہے"

(تفسیر موضح قرآن برحاشیہ قرآن پاک مترجم شیخ الہند ص۷۲۲)

شوہر کے فرائض واختیارات

اس جائز لطف اندوزی کے برقرار رہنے اور رشتۂ ازدواج کی استواری کے لئے اسلام نے کچھ حقوق اور احکام بیان کئے ہیں اور اُن کے اوپر عمل پیرا ہونیکی تاکید کی ہے۔ یہ ایک مسلم بات ہے کہ دو اجنبی جو نکاح کے رشتہ سے مل رہے ہیں الگ الگ دل ودماغ اور فکر وعمل رکھتے ہیں، بسااوقات دونوں کی طرزِ معاشرت میں بھی کسی نہ کسی درجہ میں فرق ہوتا ہے، اس لئے دونوں میں کلی موافقت پہلی ملاقات ہی میں ہوجانا ایک بعید از قیاس بات ہے۔ پھر عورت ومرد کے دماغی توازن میں یکسانیت بھی غیر ممکن ہے، دونوں کی فطرت میں بھی قدرت نے کچھ خاص عادات و اخلاق مرکوز رکھے ہیں، ان ساری باتوں کو پیشِ نظر رکھ کر اسلام نے مرد کو عورت کے تعلقات کے سلسلہ میں کچھ ضروری ہدایتیں دی ہیں اور کچھ اختیارات سپرد کئے ہیں، اور اسی طرح عورتوں کے بھی کچھ فرائض واختیارات ہیں، یہاں پہلے "شوہر کے فرائض و اختیارات کا اجمالی بیان ہوگا۔

صبر وتحمل زندگی میں یہ کوئی حیرت انگیز واقعہ نہیں کہ میاں بیوی میں کشیدگی پیدا ہوجاتی ہے اور یہ بھی ہوتا رہتا ہے کہ اس سلسلہ میں شیطان کو بہکانے کا موقع ہاتھ آجاتا ہے، اور اس سے "عفت وعصمت" کو خطرہ لاحق ہوجاتا ہے؛ پھر اس وقت اور بھی جبکہ عورتیں نازک طبع، تند خو اور تلون مزاج ہوتی ہیں۔ اس لئے اسلام میں ان حقائق وواقعات سے چشم پوشی اختیار نہیں کی گئی ہے۔ عورتوں کی فطری کمزوریوں کو پیشِ نظر رکھ کر

مردوں کو اس سلسلہ میں مفید ہدایتیں دی گئی ہیں، تاکہ زن وشو کی باہمی زندگی میں ناخوشگواری نہ آنے پائے، اور اگر عورتوں کے کسی قول وفعل سے ان کو اذیت پہنچے تو ایسے موقع پر صبر وتحمل سے کام لیا جائے۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ	اور ان عورتوں کے ساتھ حسن وخوبی
فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ	سے گزر بسر کرو۔ اور اگر تم کو وہ ناپسند
تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ	ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک چیز ناپسند
فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا	کرو اور اللہ تعالےٰ اس کے اندر کوئی
(النسار ۔ ۳)	بڑی منفعت رکھ دے۔

اس آیت میں ایک جامع ہدایتِ ربانی ہے کہ مردوں کو اگر ان کی بیویاں ناپسند ہوں اور طبیعت کے تقاضے کے خلاف معلوم ہوں تو ایسے وقت جذبات کی جگہ عقل سے کام لینا چاہیئے اور ناگواری کو برداشت کرنا چاہیئے، کیونکہ یہ کوئی عجوبہ بات نہیں ہے کہ انسان کو اپنی افتادِ طبع کی وجہ سے ایک چیز ناپسند ہو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں کوئی منفعت مضمر ہو، جو اس کے لئے دین ودنیا دونوں میں موجبِ خیر وبرکت ہو" اور سب سے اہم حکیمانہ نکتہ وہ ہے جسکی طرف اس ارشادِ نبوی میں اشارہ کیا گیا ہے۔

لا يفرك مومن مومنة	کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت کو
ان كره منها خلقا رضى	اس لئے مبغوض نہ رکھے کہ اس کی کوئی
منها اٰخر	عادت ناگوارِ خاطر ہے، اس لئے کہ
(مسلم باب الوصية بالنساء)	اگر ایک عادت ناپسند ہے اسکی کوئی
	دوسری عادت پسندیدہ ہوگی۔

اور یہی واقعہ ہے بُرے پہلوں کے ساتھ بھلائی کے پہلو بھی عموماً عورت میں پائے جاتے ہیں، پس چاہیئے کہ برائیوں کی تلافی بھلائی کے پہلوؤں سے آدمی کرتا رہے۔

سرورِ کائناتؐ کی وصیتؐ

سیّد الکونین صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی طبعی وفطری کمزوری کی نشاندہی فرماتے ہوئے مردوں کو ہدایت فرمائی :

استوصوا بالنساء خیرا فانھن	تم وصیت قبول کرو کہ عورتوں سے بھلائی
خلقن من ضلع وانہ اعوج	کرو، کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں
شیٔ فی الضلع اعلاہ فان	اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصّہ اوپر
ذھبت تقیمہ کسرتہ وان	والا ہے، لہٰذا تم اگر اس کو سیدھا کرنا چاہو
ترکتہ لم یزل اعوج فاستوصوا	گے تو توڑ ڈالو گے اور اگر چھوڑ دو گے تو
بالنساء۔	ہمیشہ کے لئے کجی رہ جائیگی، اس لئے
بخاری باب الوصاۃ بالنساء)	عورتوں کے متعلق نصیحت قبول کرو۔

اس حدیث میں بتایا گیا کہ ٹیڑھا پن عورتوں کی سرشت میں داخل ہے، اس سے جدا نہیں ہو سکتی ہاں ان کی ضروری حد تک اصلاح ہو سکتی ہے اور وہ بھی رفق وملاطفت سے، اس لئے اس کی تو کوشش ہی نہ کی جائے کہ وہ بالکل سیدھی ہو جائے اور ہر چیز، اور ہر کام میں مرد کی موافقت کرے، کیونکہ دونوں کی طبیعت دو طرح پیدا کی گئی ہے اگر کسی نے غلط فہمی سے ایسی سعی کی تو اطمینان کے بجائے بلا ہی سامنے آئے گی، ہاں اس سے غافل بھی نہ ہونا چاہئے، کہ عورت اپنی من مانی کارروائی پر اتر آئے کیونکہ میاں بیوی کے درمیان جو تعلقات ہیں وہ بہت گہرے ہیں۔ گھر کا سارا نظام دونوں کی مصالحت اور اتحادِ عمل میں مضمر ہے، عورت زندگی کی ساتھی ہے اس سے ایک منٹ کے لئے ہم بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ اگر باہر کا سارا نظام مرد درست رکھتا ہے تو گھر کا سارا اندرونی نظام عورت کے ہاتھ میں ہے۔ گھر میں کھانے پینے کا نظم، بچوں

کی پرورش اور انکی تربیت اور اس طرح کی دوسری تمام چیزیں عورت سے تعلق رکھتی ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میاں بیوی میں یگانگت اور موافقت نہ ہو، اور زندگی کی گاڑی تیز رفتاری سے رواں دواں ہو، جس نے کہا سچ کہا کہ "مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے لئے دو پہیئے ہیں"۔ بغیران کی دوستی اور اتحادِ عمل کے یہ گاڑی نہیں چل سکتی

اوپر والی حدیث کے سلسلہ میں صاحب فتح الباری نے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی تھیں۔ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام سوئے ہوئے تھے اس لئے آپ کو اس کی خبر نہ ہوئی۔

رفق و ملاطفت!

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ بخاری نے اس باب کے بعد یہ باب باندھا ہے، باب قولہ قوا انفسکم واھلیکم نارًا جس کا منشاء یہ ہے کہ عورتوں کو ان کی حالت پر نہ چھوڑنا چاہیئے، بلکہ نرمی سے بتدریج اصلاح کی سعی پیہم کرنی چاہیئے کہ مرد پر اس قدر اصلاح کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، نیز حدیث مذکور میں اس طرف راہنمائی کی گئی ہے کہ عورتوں کے ساتھ مدارات اور ملاطفت کا برتاؤ ناگزیر ہے جو دلوں میں محبت والفت کے رسوخ کا باعث ہو۔ پھر ساتھ ہی یہ تدبیر بھی ہے کہ عورتوں کی بہت سی باتوں سے عفوو درگزر کی جاتے اور ان کی بدخلقی پر صبر و تحمل سے کام لیا جائے بات سمجھنے کی ہے کہ عورت میں جب خلقۃً کجی ہے تو اس کا بالکلیہ استیصال کیسے ممکن ہے ہاں محبت اور نرمی سے اس کی اصلاح بقدر ضرورت ہو سکتی ہے جس میں کوئی اشکال نہیں۔ نرمی اور محبت سے سمجھانے کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کو اپنا پورا اعتماد دے کر بتایا جائے کہ تم اپنے مقام کو پہچانو، تمہاری ذرا سی لغزش سے اتنے

فتنے اٹھ سکتے ہیں۔ اس بات سے تمہارے خاندانی وقار کو بھی ٹھیس لگے گی، اور تمہارے پیارے شوہر کے لئے بھی یہ ضرر رساں ثابت ہوگی، اگر بیوی دیندار اور غیرت مند ہے تو یہی پہلو اختیار کیا جائے، الغرض عورت کے مزاج کا لحاظ بہر حال ضروری ہے۔

ایک دفعہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مرد کو تحمل کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا

المرأۃ کالضلع ان اقمتھا	"عورت پسلی کی ہڈی کیطرح ٹیڑھی ہے
کسرتھا وان استمتعت بھا	اگر اس کو سیدھا کرو گے تو توڑ ڈالو گے
وفیھا عوج۔	اور اگر فائدہ اٹھانا چاہو گے تو اس کی
(بخاری باب المداراۃ بالنساء)	کجی کے ساتھ فائدہ اٹھا سکو گے۔"

اس سے واضح روایت مسلم شریف کی ہے: ارشاد نبوی ہے:

ان المرأۃ خلقت من ضلع لن	"عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔
تستقیم علی طریقۃ فان استمتعت	بالکل سیدھی ہرگز نہ ہوگی اس سے فائدہ
بھا وبھا عوج وذھبت تقیمھا	کے حصول کی خواہش ہو تو اسکی کجی
کسرتھا وکسرھا طلاقھا	کے ساتھ فائدہ حاصل کر سکتے ہو، اور
(مسلم باب الوصیۃ	اگر بالکل سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ
بالنساء)	ڈالو گے اور اس کو توڑنا اس کو طلاق
	دینا ہے۔"

عورت کی تلون مزاجی:

تجربات کی دنیا میں ان حدیثوں کے سمجھنے میں ذرا بھی دشواری پیش نہ آئے گی۔ ہم اپنی زندگی میں رات دن دیکھتے ہیں کہ عموماً عورتیں ضدی، اپنی بات پر اڑ جانے والی اور درشت خو ہوتی ہیں، پھر ان کو کسی حالت پر بھی قرار نہیں ۔۔۔

خوش رہیں تو سراپا امتنان و تشکر، اور اگر خفا ہو جائیں تو ناشکری کی انتہائی سرحد سے بھی پار ہو جائیں۔ سورج گرہن والی حدیث میں عورتوں کے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول موجود ہے:

یکفرن العشیر ویکفرن الاحسان لواحسنت الیٰ احدٰھن الدھر ثم رأت منك شیئًا قالت ما رأیت منك خیر اقط۔ بخاری (باب کفران العشیر)	"عورتیں شوہروں کی ناشکر گذار ہوتی ہیں اور ان کے احسان کی منکر تم اگر ان کے ساتھ زندگی بھر احسان کرو، پھر اگر کوئی بات تمہاری طرف سے ان کے خلاف طبیعت ہو گئی تو بول اٹھیں گی کہ میں نے کبھی بھی تم سے کوئی بہتری نہیں دیکھی"

مرد ایک ایک بات پر اگر داروگیر شروع کر دے تو نباہ مشکل ہو جائے مرد میں نسبتًا ضبط و تحمل کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ اگر کوئی باہمی زندگی میں نازک موقعہ آجائے تو صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ دے۔ عورت اس معاملہ میں کمزور ہے۔

جدید تحقیقات اور عورت:

فرید وجدی آفندی نے "المرأۃ المسلمہ" نامی کتاب میں عورت کے مزاج کے متعلق کافی بحث کی ہے۔ مولانا آزاد مدظلہ، نے اس کتاب کا ترجمہ اور تلخیص کی ہے جسکا نام "مسلمان عورت" ہے۔ اس کتاب میں ایک جگہ فرید وجدی نے انیسویں صدی کی انسائیکلوپیڈیا کے حوالہ سے لکھا ہے:

درحقیقت عورت کی جسمانی ترکیب قریب بچے کی جسمانی

ترکیب کے واقع ہوئی ہے ۔ اسی لئے تم دیکھتے ہو کہ بچے کی طرح عورت کا بھی حاسۂ ہر قسم کے اثر سے بہت جلد اور بہت متاثر ہو جاتا ہے ، بچے کا قاعدہ ہے کہ اگر کوئی رنج اور افسوس کا واقعہ پیش آئے تو فوراً رونے لگتا ہے اور اگر کوئی خوشی کی بات ہو تو بے اختیار ہو کر اچھلنے کودنے لگتا ہے ۔ قریب قریب یہی حال عورتوں کا ہے کہ بہ نسبت مرد کے بہت زیادہ اس قسم کے جذبات سے متاثر ہوتی ہیں ، کیونکہ یہ مؤثرات اس کے تصور پر اس طرح اثر ڈالتے ہیں کہ عقل کا ان سے لگاؤ نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ ان میں استقلال نہیں ہوتا اور اسی لئے سخت اور خوفناک موقعوں پر عورت ثابت قدم نہیں رہ سکتی ۔“[1]

عورت کے عضلات: عورت اپنی قوت میں بھی مرد کے مقابل نہیں ہے ۔ صبر کا تحمل کا مادہ اس میں فطرتاً کم ہے ۔ کیونکہ ضبط اور برداشت کی قوت کا دارومدار عضلات کی طاقت پر ہے اور عورت کے عضلات نسبتاً کمزور ہوتے ہیں ۔ ڈاکٹر دوفارینی انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے :

”مجموعی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو عورت کے جسم کے عضلات مرد کے عضلات سے اس درجہ مختلف ہیں ، اور حجم اور قوت کے لحاظ سے اول الذکر (عورت) کے عضلات اس قدر ضعیف ہیں کہ اگر ان کی طبعی قوت کے تین حصے کئے جائیں تو دو حصے قوت مرد کے حصہ میں آئے گی اور صرف ایک حصہ قوت عورت میں ثابت ہوگی ، عضلات کی حرکت کی سرعت اور ضبط کا بھی یہی حال ہے ۔ مرد کے عضلات جسمی عورت کی نسبت حرکت میں زیادہ تیز اور اپنے فعل میں زیادہ قوی ہیں ۔“

عورت میں خوبیاں :

مگر ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ عورت میں بہت سی خوبیاں بھی ہیں جو مرد کو بہت بھاتی ہیں اور جن سے مرد کو قلبی سکون و اطمینان میسر ہوتا ہے۔ اس لیے عورت کی ایک پہلو کی کمزوری کو سامنے رکھ کر اس کو مطعون نہیں کرنا چاہیئے۔

تجربات کی دنیا میں اسے ماننا پڑے گا کہ عورتیں عموماً جفاکش[1]، قناعت پسند شوہر پر جان چھڑکنے والی، بچوں کی پرورش پر نثار، گھریلو معاملات کی بہتر منتظم، اور وفا و اخلاص کی پیکر ہوتی ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ کمزوری سے زیادہ پہلو خیر اور بھلائی کے عورت میں پائے جاتے ہیں۔

عورت کی محنت وجفاکشی کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب گردشِ زمانہ کی وجہ سے مصائب کا ہجوم ہوتا ہے اور اس کا شوہر کسی وجہ سے مصیبت اور تکلیف میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ جدید تحقیق نے بھی اس کو ثابت کر دیا ہے۔

علامہ لومبروز لکھتے ہیں :

"حمل اور وضع حمل کی شدید تکلیف پر نظر کرو اور دیکھو کہ عورت دنیا میں کیسے کیسے آلام اور مصائب کی متحمل ہو سکتی ہے۔ اگر مرد کیطرح اس کا احساس قوی ہوتا تو ان تمام سختیوں کی کیونکر متحمل ہو سکتی، درحقیقت نوعِ انسانی کی یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ قدرت نے اس کو قوی احساس سے محروم کر رکھا ہے، ورنہ بنی نوع انسان کے نازک اور تکلیف دہ فرائض کی انجام دہی ایک غیر ممکن بات ہو جاتی۔"[2]

---

[1] ہڈی سے عورت کی پیدائش میں شاید اس کی جفاکشی کی طرف بھی اشارہ ہو، نیز حسن و جمال میں مرد سے برتری شاید اسی لئے حاصل ہوئی کہ مرد حماءٍ مسنون، صلصال کالفخار سے پیدا ہوا ہے اور عورت ایک سفید چمکدار چیز سے بنی ۱۲۔

[2] مسلمان عورت ص ۱۰۲

بلاشبہ یہ صنفِ نازک ہیں۔ اِن کے دل چھوٹے اور نازک ہوتے ہیں، عشوہ و ادا ان کی فطرت ہے، بات بات پر ہنسنے اور خوش ہونے والی بھی ہے اور ذراسی خلاف طبیعت بات پر چراغ پا ہونا بھی جانتی ہے۔ اس لئے مرد کو عورت کی مجموعی حیثیت کا پاس کرتے ہوئے کوئی برتاؤ کرنا چاہیئے۔ قرآن پاک میں طلاق دینے کا جہاں تذکرہ کیا گیا ہے وہاں مردوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ عورتوں پر ظلم و تعدی نہ ہونے پائے۔

ظلم وتعدی کی ممانعت

پروردگار عالم کا ارشاد ہے:

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا۔ (بقرہ - ۲۹)	"اور ان کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے مت رکھو اس ارادے سے کہ ان پر ظلم کیا کروگے جو شخص ایسا کریگا سو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور حق تعالیٰ کے احکام کو لہو ولعب مت سمجھو"

یوں تو یہ آیت طلاق کے سلسلہ ہی میں ظلم وتعدی کی روک تھام کے لیے اُتری مگر غور کیا جائے تو اس معجزانہ بیان میں بڑی جامعیت ہے اور عورت کے حالات پر رب العزت نے ترس کھایا ہے اور مردوں کو زیادتی سے روکا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی تلون مزاجی کو سامنے رکھ کر ارشاد فرمایا:

لا یجلد احدکم امرأتہ جلد العبد ثم یجامعھا فی الیوم الآخر۔ (بخاری باب مایکرہ من ضرب النساء)	"تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو اسطرح نہ پیٹنے لگے جسطرح غلام کو پیٹا جاتا ہے اور پھر دوسرے دن جنسی میلان کی تکمیل کے لئے اسکے پاس پہنچے"۔

عورت میں ہیجان

عورت اس لیے نہیں پیدا کی گئی کہ اسے پیٹا جائے، ہاں اسکی خام عقلی اور ضدی طبیعت کے پیش نظر اسلام نے ضرورتاً خاص حالات مین معمولی تنبیہہ کی اجازت دی ہے اور اسکا موقعہ بھی بہت بعد کو رکھا ہے، یہ بھی غالباً اس لئے کہ نظام حیات میں برہمی نہ آنے پائے اور عورت کی عفت وعصمت محفوظ رہ سکے۔ تجربہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے مزاج میں ہیجان کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ عورت طبعاً زود رنج واقع ہوئی ہے اور مرد میں عقل وفہم زیادہ ہے اس لئے یہ ضبط وتحمل پر قابو رکھتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا میں دو فارینی فرماتے ہیں

"یہ اختلاف ان دونوں کے ظاہری ممیزات سے بالکل مطابق ہے مرد میں ذکاوفہم اور ادراک کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اور عورت میں انفعال اور ہیجان کا جذبہ بڑھا ہوا ہے[لہ]"

ایک ماہر انگریز تروسیہ کا قول ہے:

"عورت کے عصبی ضعف کا یہ نتیجہ ہے کہ تم اسکے مزاج میں مرد کی نسبت ہیجان زیادہ پاتے ہو"

زدوکوب کی ممانعت!

عورت کی مارپیٹ سے رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر اور روکا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

لاتضرب ظعینتک ضربک امتک (مشکوۃ صد ۲۸۳ عن ابی داؤد) "اپنی شریک حیات کو لونڈی کیطرح ہرگز نہ پیٹو"

ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ بیویوں کے حقوق ہم پر کیا ہیں؟ اسکے جواب میں آپ نے فرمایا:

ان تطعمها اذا طعمت و	"تم جب کھاؤ اسکو کھلاؤ، اور تم جب
تکسوها اذا اکتسبت ولا تضرب	پہنو اسکو پہناؤ، نہ اسکے چہرہ پر مارو
الوجہ ولا تقبح ولا تہجر الا فی	اور نہ برا بھلا کہو، اور نہ جدائی اختیار
البیت رواہ ابوداؤد	کرو، اس کا موقع بھی آئے تو یہ گھر
(مشکوۃ باب عشرۃ النساء)	میں ہی ہو۔"

یہ ساری تاکید نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس لئے فرما رہے ہیں کہ بعض موقعوں پر مردوں کو اجازت دی گئی ہے کہ بعض خاص حالات میں عورتوں کو تنبیہہ کی جا سکتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ مرد اس اجازت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی سعی کریں۔ اور عورتوں کو ستانے یا اذیت دینے لگیں یا اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھیں اور غریب عورت کی زندگی بے کیف بنا ڈالیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کے ساتھ جو برتاؤ اور حسن سلوک کر کے دکھایا، عبرت کے اسباق سے وہ معمور ہے، نازک ترین مواقع میں بھی جسمانی اذیت پہنچانے کا خیال بھی شاید نہیں کیا گیا۔

سرزنش کی اجازت اور اسکا مطلب:

حالانکہ قرآن پاک میں "جسمانی اذیت" تک کی اجازت خاص حالات میں دی گئی ہے۔ یعنی ارشاد ہوا ہے:

وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ	"ایسی عورتیں جن کی بد دماغی کا تم کو
فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي	احتمال ہو، ان کو زبانی نصیحت کرو

الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ	اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہ میں تنہا
اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ	چھوڑ دو اور ان کو مارو، پھر اگر وہ
سَبِيْلًا (النساء۔ ۶)	تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں
	تو ان پر بہانہ مت تلاش کرو"

لیکن پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ بتا رہا ہے کہ عملی طور پر اس اجازت سے مجبوریوں کے خاص حالات ہی میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، بہر حال قرآن میں جو کچھ فرمایا گیا۔ اسکا مطلب ہے کہ ضد اور ہٹ دھرمی کی صورت میں پہلا درجہ یہ ہے کہ مرد عورت کو زبان سے سمجھائے اور منا لینے کی کوشش کرے، دوسرا درجہ یعنی زبانی فہمائش بے اثر ہو کر رہ جائے تب حکم دیا گیا ہے کہ اپنی خوابگاہ میں عورت کے ساتھ سونا چھوڑ دے اور علیحدگی کی یہ شکل بھی جب ناکام ہو جائے تب فاضربوھن کی اجازت سے چاہے تو مرد فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن اس ضرب یا مار کی نوعیت کیا ہو۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی حدبندی کرتے ہوئے فرمایا ہے:

واضربوھن ضربا غیر مبرج	"ان (عورتوں) کو مارو اس طرح کہ
(المعتصر من المختصر ج ا صـ۱۹۲)	جلد نہ کھلے"

جس کا مطلب یہی ہوا کہ معمولی سرزنش (چاہیے گوشمالی کہہ لیجئے) سے آگے نہ بڑھنا چاہیئے۔

خطبہ حجۃ الوداع میں عورتوں کے متعلق ارشادات نبوی

حجۃ الوداع کا مشہور تاریخی خطبہ جہاں دوسرے اہم حقائق کا حامل ہے، ان ہی میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا:

الا استوصوا بالنساء خیرًا	"سنو! عورتوں کے متعلق بھلائی کا

فانما هن عوان عندکم لیس	تاکیدی حکم قبول کرو کیونکہ وہ تمہارے
تملکون منھن شیئاً غیر ذلك	یہاں قیدی ہیں، اسکے سوا تم ان کی
الا ان یاتین بفاحشة مبینة	کسی چیز کے مالک نہیں ہو، اگر وہ
فان فعلن فاھجروھن فی المضاجع	کھلی ہوئی نافرمانی پر اتر آئیں تو ان کو بستر
واضربوھن ضربا غیر مبرح فان	پر تنہا چھوڑ دو اور معمولی تنبیہہ کرو۔
اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا	اطاعت کرلیں تو پھر زیادتی کی ضرورت
الا ان لکم علیٰ نسائکم حقا ولنسائکم	نہیں۔سنو تمہاری عورتوں پر تمہارے
علیکم حقا فحقکم علیھن ان لا	حقوق ہیں اور اسی طرح تمہاری عورتوں
یوطئن فرشکم من تکرھون	کے تم پر، تمہارے حقوق میں سے یہ
ولا یاذن فی بیوتکم لمن	ہے کہ وہ ان کو تمہارے بستر نہ بیٹھنے
تکرھون الا وحقھن علیکم	دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور تمہارے
ان تحسنوا الیھن فی کسوتھن	گھروں میں ان کو نہ بلائیں جنکا آنا تمہیں
وطعامھن۔	پسند نہیں اور تم پر حق ہے کہ تم ان کے
(ترمذی باب ما جاء فی حق المراۃ علیٰ زوجھا)	کپڑا دینے اور کھانا دینے میں احسان کرو"۔

سچ تو یہ ہے کہ ضرب جس کی اجازت قرآن میں دی گئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء معلوم ہوتا ہے کہ "فاحشہ مبینہ" ہی کی حد تک اجازت کو محدود رکھا جائے، ماسوا اس کے خطبۂ نبویہ کے مذکورہ بالا قطعہ کا ایک ایک فقرہ "زن و شو" کے باہمی تعلقات کے متعلق بصیرتوں کی دنیا اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے غور کیجئے! اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے متعلق جو ہدایتیں دی ہیں۔پہلی بات تو یہی ہے کہ خانگی زندگی کے نظام میں مرکزیت پیدا کرنے کے لیے مردوں کو عورتوں پر برتری عطا کی گئی ہے، آخر دونوں کی حیثیت اگر

برابر ہوگی تو اقتداری مساوات کا نتیجہ اسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ عائلی زندگی کا شیرازہ منتشر ہو کر رہ جائے، دو بادشاہ ایک اقلیم میں نہیں رہ سکتے۔ اس کے بعد وہی بات یعنی "فاحشہ مبینہ" کی صورت میں فہمائش، ترک خواب گاہ کے بعد ضرب غیر مبرح (یعنی گوشمالی اور سرزنش) کی اجازت دی گئی ہے، اور پھر دونوں کے حقوق کا بیان ہے: اس میں مرد کو ہدایت ہے کہ پوشاک و خوراک میں حسن سلوک سے پیش آؤ، قوام بن جانے سے دھوکا نہ کھاؤ کہ جو جی میں آئے کر بیٹھو — بلکہ عورتوں کی فطری ضرورتوں اور دلچسپیوں کا خیال رکھو، کھانے پینے اور لباس میں ان کے شوق کو پورا کرو، کیونکہ اس باب میں عورتیں تمہاری محتاج ہیں۔

اصول یہ ہے کہ جس شعبۂ زندگی میں آدمی دوسرے کا محتاج ہوتا ہے اسمیں اگر اسکے ذوق کی آسودگی نہیں ہوتی تو اس کو دلی آزردگی ہوتی ہے اور اسکے نازک قلب کو ٹھیس لگتی ہے۔

جاہلیت میں عرب کا یہ جاہلی دستور تھا کہ غیر محرم عورتوں اور مردوں کے میل جول اور بات چیت میں کسی قسم کا مضائقہ محسوس نہیں کرتے تھے جیسا کہ آجکل بھی یورپ کی جدید جاہلیت میں دیکھا جا رہا ہے۔

اس حدیث میں "ان لا یوطئن فرشکم" سے اسی طرف اشارہ ہے کہ عورتیں اب پہلی جاہلیت کی رسموں کو ختم کر دیں۔ "وطی فرش" کی مراد نفس زنا نہیں ہے کیونکہ یہ تو من کل الوجوہ حرام ہے، پھر مکروہ سمجھنے کا کیا منشا ہوگا؟ اس سلسلہ کا دوسرا حق عورتوں پر یہ ڈالا گیا کہ گھر میں محرم یا غیر محرم جو بھی داخل ہو، اس کے آنے کے متعلق شوہر کی رائے معلوم کر لی جائے، کسی کو شوہر کی رضا معلوم کئے بغیر یونہی گھر میں نہ آنے دے۔

عورتوں سے حسنِ سلوک کا برتاؤ نگاہِ نبوی میں

رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی کہ مومن کی شان یہ ہے کہ حسنِ اخلاق کا پیکر اور مروت وحسنِ کردار کا مجسمہ ہو، اور اس شعبہ میں بہترین مسلمان وہ ہے جو اپنے بال بچوں اور بیوی کے لیے اخلاق ومروت میں سب سے اچھا ثابت ہو، ارشاد نبویؐ ہے:

"ایمان میں کامل ترین مومن وہ ہے	اکمل المومنین ایمانا احسنہم
جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو۔	خلقا وخیارکم خیارکم
اور تم میں بہترین وہ ہے جو اپنی بیویوں	لنسائکم۔ (ترمذی باب ماجاء
کے لیے بہترین ثابت ہو"	فی حق المرأۃ علی زوجہا)

اس حدیث میں صراحت ہے کہ کامل اور بہترین مومن کی شناخت یہ ہے کہ حسنِ سلوک میں سب سے اچھا اپنی بیوی کے ساتھ ہو، یہ طرزِ بیان بتاتا ہے کہ مردوں کو اپنی بیویوں کے حق میں سراپا محبت وشفقت ہونا چاہیئے، اور بیوی کی ہر جائز دلدہی کرنی چاہیئے۔ الغرض بیوی کے ساتھ جو اپنے آپ کو اچھا ثابت کرنے میں کامیاب ہو، بتایا گیا ہے کہ یہی مرد کی فطرت کی نیکی کی دلیل ہے، ورنہ کچھ دیر کے لیے مصنوعی طور پر تو بد سے بدتر آدمی بھی جما دیتا ہے، کہ وہ بڑا نیک ہے لیکن بیوی کی دائمی رفاقت اصل فطرت اور افتادِ طبع کو تباہ کر دیتی ہے اور یہی مرد کی فطرت کی حقیقی کسوٹی ہے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالےٰ کی پیاری

بندیوں کو مارنے پیٹنے سے اجتناب کرو"۔ عرب جہاں عورتوں کو جانوروں سے زیادہ اہمیت نہ تھی، مردوں کے جو جی میں آتا تھا ان کے ساتھ برتاؤ کرتے تھے مار بیٹھنا، پیٹ دینا، یہ تو معمولی بات تھی، لیکن حکم کے نفاذ کے ساتھ ہی سارے ظالمانہ قصے ختم ہو گئے، عورتوں کی جان میں جان آئی۔

صدیوں کی مظلومیت سے خلاصی کا ردِ عمل جیسا کہ ہونا چاہیئے تھا وہ بھی سامنے آیا، جسکا پتہ اس روایت سے چلتا ہے۔ یعنی ایک دن فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی ــــ "عورتیں اپنے شوہروں کے مقابلہ میں جری ہوگئیں"۔ یہ سنکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مذکورہ بالا فرمان کی سختی نرمی سے بدل گئی۔ مگر مردوں نے اس "نرمی" سے معلوم ہوتا ہے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کیا۔ جس کی شکائتیں دربار نبوت تک پہنچنے لگیں۔ انہی شکایتوں کو سن کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دن یہ اعلان فرمایا کہ

لقد اطاف بآل محمد نساء	بہت سی عورتوں نے محمد (صلے
کثیر یشکون ازواجھن لیس	اللہ علیہ وسلم) کے گھر والوں کو گھیر
اولئک بخیارکم رواہ ابوداؤد	لیا، جو اپنے شوہروں کی شاکی ہیں،
(ریاض الصالحین باب الوصیۃ بالنساء)	ان کے شوہر اچھے لوگ نہیں ہیں۔

"نہ اچھے ہونے کی" خبر اور وہ بھی پیغمبر کی زبان سے اپنے متعلق کون برداشت کر سکتا تھا جیسا کہ چاہیئے تھا معاملہ حدِ اعتدال پر آگیا، اور یہی مقصود بھی تھا،

حضور اپنی ازواج مطہرات میں

زندگی کے آخری حصہ میں یعنے وفات سے آٹھ نو سال پہلے مدینہ منورہ

پہنچنے کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس امہات المومنین کا اجتماع دوسرے مصالح کے ساتھ ساتھ "زن وشو" کے باہمی تعلقات کا عملی درس، یہ بھی اسکی ایک بڑی غرض تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ

خیرکم خیرکم لاھلہ وانا	تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی بچہ
خیرکم لاھلی واذامات	کے لئے بہتر ہے اور خود میں اپنے
صاحبکم فدعوہ رواہ	بال بچوں کے لئے بہتر آدمی ہوں"
الترمذی۔	اور جب تمہاری رفیقہ حیات مرجاتے
(مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء)	تو اس کیلئے دعا کرو۔

اس میں بھی اسی راز کا انکشاف کیا گیا ہے کہ وقتی طور پر اپنے آپ کو نیک بنا کر پیش کرنا یہ کوئی بات نہیں ہے، نیکی اور بھلائی تو وہی ہے۔ جو بال بچوں کے تعلقات میں نمایاں ہو۔ بہر حال عمل کر کے یہی دکھایا جاتا تھا اور زبان مبارک سے بھی فرمایا جاتا تھا کہ :۔

ان اکمل المومنین ایمانا احسنھم	سب سے زیادہ کامل مومن وہ ہے
خلقا والطفھم باھلہ	جو اخلاق میں اچھا ہو، اور اپنے بال
(مشکوٰۃ ص۲۸۲ عن الترمذی)	بچوں کے لئے نرم خو ہو۔

سرورِ کائنات کی محبت بیویوں سے

سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی وہی تھی، جو فرمایا کرتے تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو حضور کی پہلی بیوی ہیں، ان کے متعلق روایتوں میں متعدد واقعات ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ان کی وفات کے بعد برابر یاد کرتے اور اسی حد تک نہیں، حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد انکی جو سہیلیاں

زندہ تھیں آپ ان کے ساتھ بھی حُسنِ سلوک فرمایا کرتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ:

"حضرت خدیجہؓ کو چھوڑ کر آپ کی اور کسی بیوی پر مجھے رشک نہیں ہوتا تھا، گو میں نے ان کو نہیں دیکھا تھا، مگر آپ اس کثرت سے ان کا ذکر فرماتے (کہ وہ میرے لئے اجنبی نہ تھیں، اُنس و محبت کا یہ عالم تھا کہ گھر میں جب کبھی بکری ذبح ہوتی، تو آپؐ کو حضرت خدیجہؓ یاد آجاتیں اور گوشت کا ایک حصّہ ان کی سہیلیوں میں تقسیم فرمادیتے[1]"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اکثر آپ سے میں کہا کرتی تھی کہ کیا حضرت خدیجہؓ کے سوا اور کوئی عورت نہیں ہے؟ یہ کثرت یاد کو دیکھ کر کہتی، جب کبھی میں یہ باتیں کہتی تو آپ فرماتے بات یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ان سے اولاد دی تھی، اور وہ ایسی نیک اور باوفا تھی[2]۔

صحابہ کرام کی بیویوں سے محبّت:

اس عملی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی رنگ میں رنگ گئے تھے، اور ان بزرگوں کو بھی اپنی بیویوں سے بڑی مخلصانہ محبت تھی۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، ایک دفعہ جہاد کے سلسلہ میں سفر میں تھے، جہاد سے واپسی ہوئی تو راستہ میں کسی نے بتایا کہ آپ کی بیوی بیمار ہیں، یہ سننا تھا کہ آپ بے چین ہو گئے اور بڑی تیزی سے وہاں

---

[1] و [2] مشکوٰۃ ص۵۷۳ عن البخاری و مسلم

روانہ ہوتے اور جلد پہنچنے کی خاطر آپ نے اس موقعہ پر مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ ادا کی ۔

انہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ کسی وجہ سے آپ کے محترم اباّجان نے حکم دیا کہ بیوی کو علیحدہ کردو (یعنی طلاق دیدو) یہ سُن کر حیص بیص میں پڑ گئے، ایک طرف بیوی کی محبت، دوسری طرف والد محترم کا حکم نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کوئی فیصلہ نہ کر پاتے، بلکہ عملی طور پر طلاق دینے سے تقریباً انکار کر دیا، حضرت عمر فاروق رضؓ جو آپ کے والد محترم تھے انھوں نے یہ مقدمہ دربارِ نبوی میں پیش کر دیا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب والد کی اطاعت کا فیصلہ کیا تب کہیں جاکر حضرت عبداللہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی[1] ۔

جگر گوشۂ بتولؓ حضرت امام حسنؓ نے کسی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور بیوی کا جو کچھ مہر تھا بیوی کے یہاں بھجوا دیا، انکی بیوی کو جب طلاق کی خبر پہنچی تو ان پر رقت طاری ہوگئی اور وہ رونے لگیں، قاصد نے آکر بیوی کا یہ سب حال حضرت حسنؓ سے کہا، تو آپ بھی بے اختیار رو پڑے، اور فرمانے لگے اگر بائن طلاق نہ دے چکا ہوتا، تو رجعت کر لیتا[2]

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایک فرزند ارجمند کے متعلق بھی اسی طرح کا ایک واقعہ مذکور ہے کہ ان کو اپنی بیوی سے بیحد محبت تھی اور اس محبت کے غلو کا یہ عالم تھا کہ ان کو بیوی سے جُدا ہو کر جہاد میں جانا بھی شاق گذرتا تھا، اسی وجہ سے کبھی کبھی جہاد کی شرکت سے محروم بھی رہے ۔ اس کی اطلاع جب ان کے پدر بزرگوار صدیق اکبرؓ کو ہوئی تو بیٹے کو بلا کر کہا کہ بیوی کو طلاق دے دو ۔ پہلے تو صاحبزادے نے ٹالنے کی کوشش کی، مگر والد محترم کا جب اصرار ہوا تو اطاعت پر

[1-2] : اسوۂ صحابہ ج ۱ ص ۳۵۳

پر مجبور ہو گئے اور بیوی کو علیحدہ کر دیا علیحدہ کرنے کو تو کر دیا، مگر دل سے محبت نہ گئی، جدائی پر دردناک اشعار کہنے لگے، حضرت صدیق اکبرؓ کو بیٹے کی اس حالت کا علم ہوا تو بلا کر ان سے کہنا پڑا "رجعت کر لو"[1]

حضرت بریرہؓ اور مغیث کی محبت و عشق کا واقعہ حدیث کی کتابوں میں بہت مشہور ہے اور دلچسپ بھی۔ حضرت بریرہؓ پہلے لونڈی تھیں اور انکی شادی حضرت مغیثؓ سے ہوئی تھی، یہ جب آزاد کر دی گئیں تو شرعی طور پر ان کو پہلے شوہر کے ساتھ رہنے نہ رہنے کا اختیار حاصل ہو گیا۔ حضرت بریرہؓ نے آزادی کے بعد طے کر لیا کہ مغیثؓ کیساتھ نہ رہینگی، حضرت مغیث کو اس کی خبر ہوئی تو بیوی کی جدائی پر مدینہ کی گلیوں میں روتے پھرتے تھے[2]

اسلام کے قوانینِ عفت و عصمت کا یہ فیض تھا کہ جو عورتیں کل تک دنیا کی نگاہ میں حقیر و ذلیل تھیں وہ آسمانِ عزت و عظمت کی آفتاب و ماہتاب بن کر چمکیں۔ اور کیسے یہ عزت و رفعت حاصل نہ کرتیں جبکہ پیغمبر اسلام نے ان کو ان کے حقوق دلواتے۔

بیوی کے حقوق کی اہمیّت :

عبادت و ریاضت کتنی قابل ستائش چیز ہے، مگر اسلام نے یہاں بھی یہ برداشت نہیں کیا کہ عورتوں کے حقوق پر دست درازی کر کے انکو محروم رکھا جائے اور ان سے علیحدہ رہ کر کوئی دن رات عبادت میں مشغول رہے۔ شروع شروع میں ایک سے زائد صحابیوں کے اس طرزِ عمل پر کہ راتوں کو عبادت گذاری میں بسر کرتے تھے اور "زن و شو" کے باہمی تعلقات کی انکی نگاہوں میں وقعت نہ تھی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے بلا کر ان کو سمجھایا کہ :-

---

[1،2] ان واقعات کے لئے دیکھئے اسوۂ صحابہ جلد اوّل صـ ۲۵۳

ان لزوجك عليك حقا۔ تم پر تمہاری بیوی کا بھی ضروری حق ہے۔

(بخاری باب لزوجک علیک حق)

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور حضرت ابو الدرداءؓ کا واقعہ بڑی تفصیل سے حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔

بیوی کے لیے نظافت کا اہتمام:

اپنی بیوی کے لئے اپنے آپ کو بہتر اور اچھا ثابت کرنیکی عملی صورتیں جہاں یہ ہیں کہ بیوی کی خاطر مدارات، دلجوئی وغیرہ میں کوشش کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے، اسی کے ساتھ ان باتوں کا بھی مردوں کو خاص طور پر خیال رکھنا چاہیئے جنکی طرف ارشادات نبوی میں اشارے کئے گئے ہیں۔

مثلاً شوہر کو چاہیئے کہ بیوی کے سامنے آئے تو صاف ستھرے کپڑوں میں آوے، تاکہ اسکو دیکھ کر بیوی کو مسرت ہو، اور یہ محسوس کر کے وہ خوشی سے پھول جائے کہ ہمارا شوہر لباس میں، وضع قطع میں صاف ستھرا، پاکیزہ مذاق ہے۔ گندہ گھناؤنا، بدسلیقہ اور پھوہڑ نہیں ہے، آخر جب مرد چاہتا ہے کہ اسکی بیوی صاف ستھری رہے، میلی کچیلی نہ رہے تو اس طرح عورتوں کی بھی طبعی خواہش یہی ہوتی ہے کہ ہمارے شوہر خوش وضع ہوں، یوں بھی مسلمانوں کو کب اس کی اجازت دی گئی ہے کہ اپنے آپ کو ممسوخ و منحوس شکل میں رکھیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی، صفائی، پاکیزگی، خوش وضعی کی اپنی مثال آپ تھی۔ کون نہیں جانتا کہ سفر و حضر ہر حال میں آئینہ، کنگھی سرمہ دانی اور اسی قسم کی چیزیں جن سے اپنی اصلاح اور درستگی میں مدد ملتی ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم التزاماً اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے[1]

[1] : اس سلسلے کے لئے مشکوٰۃ باب الترجل کا مطالعہ کیا جائے۔

سید الکونین صلے اللہ علیہ وسلم اس کو ناپسند فرماتے تھے کہ آدمی یوں بھی بُری ہیئت میں رہے۔ حضرت عطاء بن یسارؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا جس کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے پریشان تھے، آپ نے اشارہ سے فرمایا کہ بالوں کو درست کر لے۔ چنانچہ اس نے اشارۂ نبوی پاکر سر اور داڑھی کے بال درست کر لئے۔ اور اس شخص کے پلٹتے وقت جب آپ نے اس کو اچھی ہیئت میں دیکھا تو فرمایا کیا یہ ہیئت پہلی ہیئت سے بہتر نہیں ہے؟ جو شیطان سی معلوم ہوتی تھی[1] یہ حدیث بھی مشہور ہے:

ان اللہ طیب یحب الطیب،	اللہ پاک ہے، پاکی کو پسند کرتا ہے
نظیف یحب النظافۃ	اللہ پاکیزہ ہے پاکیزگی کو محبوب رکھتا
(مشکوٰۃ باب الترجل)	ہے۔

بیوی کے لیے سامان:

ان حدیثوں کے پیش نظر اگر یہ کہا جائے کہ شوہر کو بیوی کے لئے خصوصاً صاف ستھرا رہنا چاہیئے، اور بیوی کو شوہر کے لئے تو یہ ایسی بات ہوگی جس پر عمل کرنا چاہیئے۔ فقہائے کرام نے تفصیل کی ہے کہ مردوں کے فرائض میں سے ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ بیوی کو ایسے سامان فراہم کر کے دے جس سے وہ اپنے آپ کو صاف ستھری رکھ سکے

ویجب علیہ ماتنظف بہ و	شوہر پر واجب ہے کہ بیوی کیلئے
تزیل الوسخ کالمشط والدھن	ایسی چیزوں کا سامان کر دے جس

---

[1] مشکوٰۃ باب الترجل

والسدر والخطمی والاشنان	سے وہ اپنے آپ کو صاف ستھری رکھ
والصابون علےٰ اهل البلد	سکے اور میل کچیل سے پاک رہے ،
واما الطیب فیجب علیه ما	جیسے کنگھی ، تیل ، بیری کی پتی خطمی
یقطع السهوکة لاغیر و	اشنان اور صابون ، جیساکہ وہاں رواج
علیه ماتقطع الصنان	ہو اور جس سے بدبو کو دور کر سکے اتنی
(ردالمحتار ج ۲ ص ۶۵۰)	خوشبو کا فراہم کرنا بھی ضروری ہے ،
	اسی طرح بغل کی بو کو دفع کرنے کا
وعلیه الماء ماتغسل به ثیابها	سامان ۔ اتنا پانی بھی فراہم کر دینا شوہر
وبدنها من الوسخ	پر ضروری ہے جس سے اپنے کپڑے
(عالمگیری مصری ج ۱ ص ۵۶۹)	اور اپنا بدن دھو سکے ۔

حدیث میں جہاں ذکر کیا گیا ہے کہ شوہر اگر سفر میں گیا ہوا ہے ، تو اسکو واپسی کے وقت چاہیئے کہ کسی ذریعہ سے اپنی آمد کی اطلاع کر دے ، دفعۃً پہنچنے کی کوشش نہ کرے وہاں اس کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ عورت چونکہ شوہر کے نہ ہونے کیصورت میں صفائی کا وہ اہتمام نہیں رکھتی جو اس کو شوہر کے لئے رکھنا چاہیئے ، اس لئے پہلے اگر عورت کو اطلاع مل جائیگی تو وہ اپنے آپ کو سنوار لے گی ۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں :-

لکی تمشط الشعثة وتستحد	تاکہ عورت پراگندگی درست کر لے اور استرہ
المغیبة (بخاری باب طلب الولد)	استعمال کر کے صاف ستھری بن جائے ۔

عورت کی مصیبت میں اظہار وفاداری :

شوہر کا یہ بھی اخلاقی فرض ہے کہ بیوی کے ساتھ وفاداری اور خوش اخلاقی کا

برتاؤ کرے۔ اگر حوادثِ زمانہ کی وجہ سے عورت پر کوئی ناگہانی مصیبت آجائے تو محبت اور لطف وکرم میں کمی نہ کرے، بلکہ پہلے سے بڑھ کر اخلاق ومروّت سے پیش آئے، بیمار پڑ جائے، علاج کرائے، کوئی دوسری مصیبت آئے اس کے دفعیہ کی سعی کرے۔ اگر کسی بیماری کیوجہ سے اسکی شکل وصورت میں فرق آجائے تو عورت کو بدصورت دیکھ کر بے مروتی اور بداخلاقی کا برتاؤ نہ کرے، بلکہ اسکی دلدہی اور دل جوئی کرے۔ مرد اگر ایسا نہ کرے گا تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا، اسکی مسرت حزن وملال میں تبدیل ہو جائے گی اور عورت مرد کی بے وفائی پر گھٹ گھٹ کر جان دے دیگی۔

ٹھنڈے دل سے سوچنے کی بات ہے، کل ایک حسین ودلفریب عورت کو شادی کر کے لائے، اس پر اپنی جان نثار کی اور بلائیں لیں، اور اسکی خوشنودی کے لئے بازار چھان ڈالا اور قیمتی سے قیمتی زیور اور کپڑے لا کر دیئے، سب کی ناراضگی برداشت کی —— اتفاق کی بات وہی بیمار ہوئی اور آج اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چیچک نے اسکی صورت بگاڑ دی، یا آنکھوں کی بینائی چھین لی۔ آئینہ دیکھتی ہے تو اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے ہیں کہ یہ کیا سے کیا بن گئی، اور اگر اندھی ہو گئی ہے تب تو ساری دنیا ہی اندھیری ہے۔ بیچاری عورت ان مصیبتوں کی تاب نہ لا کر دن رات روتی ہے۔ اس پر ظلم یہ ہوا کہ شوہر کی آنکھیں پھر گئیں، بات بات پر غریب جھڑکی جا رہی ہے، اس کو گھر سے نکال دینے کی دھمکی دی جا رہی ہے اور بے قصور ٹھوکر لگائی جا رہی ہے، یہ بساطِ محبت کیوں اُلٹ گئی اور بہار خزاں میں کیوں تبدیل ہو گئی؟ تاکہ حسن وجمال جاتا رہا اور وہ بھی قدرتی مرض سے۔

للہ سوچا جائے انسانیت کا یہی تقاضا ہے، محبت کا یہی انجام ہے

اخلاق کی عدالت کا یہی فیصلہ ہے، پھر یہ بھی پیش نظر رکھنے کی سعی کی جائے کہ غریب و بیکس عورت کی دلسوزیوں کا وبال کس کے سر ہوگا، ان کے گرم گرم آنسو جو آنکھوں سے جاری ہیں کیا رنگ لائینگے ۔ یقین کیا جائے اسلام ایسی بے مروتی اور کج خلقی کی اجازت نہیں دیتا ۔ وہ ایسی سنگ دلی کو برداشت نہیں کرتا بلکہ اعلان کرتا ہے :

من لا یرحم لا یرحم (ریاض الصالحین) اس پر رحم نہیں کیا جاتا جو رحم نہیں کرتا

بیوی کے جذبات کا پاس

یہ تو ایک ضمنی بات تھی بتانا یہ تھا کہ شوہر کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ بیوی کی ہر طرح دلجوئی کرے، اسکے تمام داعیات و جذبات کا پاس کرے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ ایک رات بحیثیت خلیفہ گشت کر رہے تھے کہ ایک گھر سے دردناک اشعار پڑھے جانے کی آواز آئی آپ کھڑے ہو گئے اور غور سے سننے لگے، ایک عورت یہ شعر اپنے خاص انداز میں پڑھ رہی تھی ۔

فواللہ لولا اللہ تخشی عواقبہ لزحزح من ھذا السریر جوانبہ

خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ کے عقاب کا خوف نہ ہوتا ـــ تو بلاشبہ اس چار پائی کے کنارے جنبش میں ہوتے ۔

حضرت عمرؓ نے اس کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ اس عورت کا شوہر جہاد کے سلسلہ میں باہر ہے، حضرت عمرؓ پر اس سچے جذبہ محبت کا بڑا گہرا اثر پڑا ۔ وہ اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں تھیں) پوچھا، عورت بغیر مرد کے کتنے دنوں صبر کر سکتی ہے ۔ حضرت حفصہؓ نے فرمایا، چار مہینے ۔ یہ معلوم کر کے حضرت عمرؓ نے بحیثیت

خلیفہ نے سپہ سالاروں کے نام یہ حکم بھیج دیا۔

لا یتخلف المتزوج عن اھلہ اکثر منھا۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۳)

"جو شادی شدہ ہو وہ اپنی بیوی سے چار مہینے سے زیادہ غائب نہ رہے۔"

اس تاریخی واقعہ سے ثابت ہوا کہ آدمی پر ان باتوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کے داعیات و جذبات کو بھول نہ جائے، اور اگر زیادہ مدت کے لیے پردیس میں رہے تو بال بچوں کو ساتھ رکھے۔

اس کی تائید قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں ایلا کا ذکر ہے کہ اگر کوئی شخص بلا قید مدت، یا چار ماہ یا زیادہ مدت کے لیے بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائے اور اس پر عمل کرے تو اس صورت میں عورت کی طلاق ہو جائے گی اور اس کو دوسری شادی کی اجازت حاصل ہوگی۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (بقرہ ـ ۲۸)

"جو لوگ اپنی بیویوں سے قسم کھا بیٹھتے ہیں ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے سو اگر یہ رجوع کر لیں تو اللہ تعالےٰ معاف فرما دیں گے رحمت فرمائینگے اور اگر چھوڑ ہی دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ تعالےٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔"

بیوی پر اعتماد

مرد کا یہ بھی فریضہ ہے کہ بیوی پر اعتماد کرے اور گھر کے اندرونی معاملات اس کے حوالہ کر دے تاکہ وہ اپنی حیثیت کو جان سکے اور اس کی عزت و عظمت اور اس کا وقار اس میں خود اعتمادی پیدا کرے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو

گھر کا نگران مقرر کیا ہے ۔ اِرشاد نبوی ہے :

والمرأۃ راعیۃ علیٰ بیت زوجھا (بخاری باب المرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا)	"عورت اپنے شوہر کے گھر اور اسکے بچوں کی نگران ہے ۔"

دوسری بہت سی حدیثوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ عورتیں اپنے شوہر کے مال کی محافظ ہیں ، عورتوں پر اعتماد سے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ اس کا وقار بلند ہوگا ، اور یہ اپنے کو گھر کے ایک شعبہ کی ذمہ دار سمجھے گی ، جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ مرد کو بڑی حد تک سکون رہے گا ، اور اس کو اطمینان کی زندگی میسر ہوگی ۔

بیوی کی رازداری :

بیوی کا مرد پر ایک حق یہ بھی ہے کہ مرد عورت کے پردہ کی بات کو دوسروں سے نہ کہے بلکہ اس راز کو راز ہی کے درجے میں رہنے دے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کے پردہ کی باتوں کو افشا نہ کرے :

ان من اشر الناس عند اللہ منزلۃ الرجل یفضی الی امرأتہ وتفضی الیہ ثم ینشر سرھا	"لوگوں میں اللہ کے نزدیک بدترین وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے پاس جائے اور اس کی بیوی اس سے ملے پھر مرد اس راز کی بات کو پھیلائے ۔"

(مسلم باب تحریم افشا سر المرأۃ)

معلوم ہوا کہ مرد و عورت کی پرائیویٹ باتیں طشت از بام نہ ہونی چاہئیں ، امام نووی نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عورت و مرد کے باہمی استمتاع

کا تفصیلی تذکرہ کرنا حرام ہے۔ مثلاً یہ کہے کہ جماع کے باب میں یہ بات باہم پیش آئی اور پھر زن و شو کے راز کی کہانی بیان کرے۔ حد یہ ہے کہ بلا فائدہ جماع کا اجمالی تذکرہ بھی کراہیت سے خالی نہیں۔ امام موصوف لکھتے ہیں:

فی ھذا الحدیث تحریم افشاء الرجل مایجری بینہ وبین امرأتہ من امور الاستمتاع و وصف تفاصیل ذالک و ما یجری من المرأۃ فیہ من قول او فعل او نحوہ (شرح مسلم ج ۱ ص۴۶۴)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی کے راز کی باتوں کا ظاہر کرنا: جیسے لطف اندوزی اور اس کی تفصیل کہ باہم ایسے ایسے ہوا، حرام ہے، اسی طرح عورت سے متعلق کوئی راز کی بات یا کوئی فعل یا اور کسی ایسی ہی چیز کا اظہار حرام ہے۔"

بیوی کا نفقہ

شریعت نے جہاں مردوں پر بیویوں کی بہت کچھ ذمہ داری عائد کی ہے، ان میں سے ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ "بیوی" کو نفقہ (کپڑا، کھانا اور گھر) دیا کرے، اور بیوی کو ان ضروریات سے بے نیاز کر دے جو اس کے لیے ضروری ہیں تاکہ وہ بال بچوں کی تربیت آزادی کے ساتھ کر سکے۔ رب العزت کا ارشاد ہے:

لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا (الطلاق - ۱)

"جس کو گنجائش ہو اس کو چاہیئے کہ اپنی گنجائش سے خرچ کرے اور جس کی آمدنی نپی تلی ہو وہ جتنا اس کو خدا نے دیا ہے اسکے موافق خرچ کرے، خدا نے جس کو جتنا دیا ہے اس سے زیادہ تکلیف

کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ جبر نہیں ڈالا گیا ہے، بلکہ ہر شخص پر اس کی صلاحیت کے انداز ہی سے ذمہ داری عائد کی گئی ہے، اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد کہ

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَ	"اور جس کا بچہ ہے اسکے ذمہ اُسکا کھانا
كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا	اور کپڑا قاعدہ کے مطابق ہے، کسی
تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا	شخص کو اس کی برداشت سے زیادہ
(البقرہ - ۳۰۰)	تکلیف نہیں دی جاتی"۔

بتاتا ہے کہ بیوی کے "نفقہ" کا بار شوہر پر اس لیے ڈالا گیا ہے تاکہ وہ بچہ پیدا کرے، اس کی تربیت اور نشو ونما میں بیوی بے فکر ہو کر کوشاں رہے جس کا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ خود بچہ کی نفسیات پر بھی خوشگوار اثر پڑے گا اور وہ افکار کے ہجوم سے طبعی طور پر محفوظ رہے گا:

پہلے ابواب میں جو حدیثیں گزر چکی ہیں، ان میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ بیوی کا حق یہ بھی ہے

ان تحسنوا الیھن فی کسوتھن	"کہ تم ان (بیویوں کے ساتھ کپڑا، اور
وطعامھن (ترمذی) (باب ماجاء فی حق المرأة علی زوجہا)	کھانا دینے میں خوش اخلاقی کا برتاؤ کرو"

مقدار نفقہ:

حضرت ابوسفیانؓ کی بیوی ھند بنت عتبہ کا واقعہ مشہور ہے کہ نبوی سرکار میں حاضر ہوئیں اور شکوہ سنج ہوئیں کہ میرے شوہر کنجوس آدمی ہیں، بخوشی اتنا بھی دینے کو تیار نہیں جو میرے بچوں کو کافی ہو، یہ روداد سنا کر دریافت کیا:

فھل علیّ حرج ان اطعم من	"اگر میں ان کے مال سے بال بچوں کو
الذی لہ عیالنا (بخاری مصری ج ۳ ص ۱۹۲)	کھلاؤں تو اسمیں کیا کوئی حرج ہے"۔

آپ نے فرمایا:

خذی مایکفیک وولدك بالمعروف (بخاری)

"اتنا لے لیا کر جو تیرے اور تیرے بال بچوں کے لیے کافی ہو"

آنحضرت صلعم کا نظم نفقہ:

خود سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی دستور تھا کہ ازواجِ مطہرات کے کے نفقہ کا نظم فرمادیا کرتے، بلکہ ایک باغ ہی اس کام کے لئے خاص کر رکھا تھا جسے فروخت کر کے سال بھر کا نفقہ ایک ہی دفعہ جمع کرادیتے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یبیع نخل بنی النضیر ویحبس لاھلہ قوت سنتھم (بخاری باب حبس نفقۃ الرجل قوت سنۃ علیٰ اھلہ)

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نخل بنی نضیر کو فروخت فرمادیا کرتے اور اسکی قیمت اپنے اہل وعیال کے سال بھر کے نفقہ کے لئے جمع فرمادیتے

فقہاء نے نفقہ کی ادائیگی کو واجب کہا ہے، اور بیوی مالدار ہو، غریب ہو، جیسی بھی ہو اگر وہ شوہر کے زیر فرمان ہے نفقہ دلوایا ہے۔ نفقہ کا ماحصل کھانا، کپڑا اور مکان ہے:-

ھی لغۃ ماینفقہ الانسان علےٰ عیالہ وشرعًا ھی الطعام والکسوۃ والسکنیٰ۔ (درمختار باب النفقۃ)

لغت میں نفقہ اس چیز کو کہتے ہیں جو آدمی اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا ہے اور شریعت میں نفقہ کھانا، کپڑا اور مکان کا نام ہے۔

اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ؔ

بیوی کو والدین سے ملنے کی اجازت :

بیوی کے حقوق میں سے شوہر پر ایک حق یہ بھی ہے کہ بیوی کو اس کے ماں باپ سے ملاقات کی اجازت دے اور قریبی رشتہ دار سے بھی، یعنی ان لوگوں سے جو محرم ہیں، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ اپنی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے گھر جا کر ملاقات کرتے۔ شیخین یعنی حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ اپنی اپنی صاحبزادیوں سے ملنے کی غرض سے کاشانۂ نبوی میں حاضری دیا کرتے۔ حدیث کی کتابوں میں اس طرح کے واقعات بکثرت مذکور ہیں۔ فقہا نے لکھا ہے کہ ہفتہ میں ایک دن والدین سے ملنے کے لئے جائے تو شوہر کو روکنا نہ چاہیئے۔ مگر یہ اس وقت جبکہ بیوی کے والدین کسی معقول عذر کی وجہ سے خود حاضری سے مجبور ہوں، ورنہ وہ خود آکر لڑکی سے مل جائینگے[1]۔

زن و شو میں اختلاف کے وقت حکم :

بیوی سے کسی بات میں اختلاف ہو جائے اور کشیدگی بڑھ جائے تو شوہر کے لئے اس وقت بھی عجلت پسندی اچھی نہیں سمجھی گئی ہے۔ ضرب کے بعد بھی معاملہ درست نہ ہو تو ایسی شکل میں دونوں جانب سے پنچ مقرر کرایا جائے۔ قرآنی ارشاد ہے۔

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا۔ (النساء - ٦)

اگر تم اوپر والوں کو ان دونوں میاں بیوی میں کشاکش کا اندیشہ ہو تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کی لیاقت رکھتا ہو، مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی جو تصفیہ کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے بھیجو۔

[1] در مختار یا رد المحتار باب النفقہ

مگر ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھا جائے کہ جو بھی پنچ مقرر کئے جائیں وہ مخلص ہوں، کیونکہ ان کا اخلاص ہی ان گتھیوں کو سلجھا سکتا ہے۔ ورنہ پھر فائدہ کے بجائے شدید نقصان کا احتمال ہے۔ قرآنِ پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَہُمَا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا۔ (النساء۔ ۶)	ان دونوں آدمیوں کو اگر اصلاح منظور ہو گی، تو اللہ تعالیٰ ان دونوں میاں بیوی میں اتفاق فرما دیں گے۔ بلاشبہ اللہ بڑے علم والے اور باخبر ہیں۔

حضرت مولانا تھانویؒ اس سلسلہ کی آیتوں کے تفسیری ترجمہ میں فرماتے ہیں :-

" اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو قرائن سے ان کی بد دماغی کا احتمال قوی ہو تو اُن کو اول زبانی نصیحت کرو، نہ مانیں تو اُن کو لیٹنے کی جگہ میں تنہا چھوڑ دو یعنی اُن کے پاس مت لیٹو اور اس سے بھی نہ مانیں تو ان کو اعتدال کے ساتھ مارو، پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر زیادتی کرنے کے لئے بہانہ اور موقع کو مت ڈھونڈو۔ ------ اور اگر قرائن سے تم اوپر والوں کو ان دونوں میاں بیوی میں ایسی کشاکش کا اندیشہ ہو کہ اس کو وہ باہم نہ سلجھا سکیں گے تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی جو ایسے ہی تصفیہ کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے تجویز کر کے اس کشاکش کو رفع کرنے کے لئے ان کے پاس بھیجو کہ وہ جا کر تحقیق حال کریں اور جو بے راہی پر ہو، یا دونوں کا کچھ کچھ قصور ہو سمجھا دیں۔ ان دونوں آدمیوں کو سچے دل سے اصلاحِ معاملہ کی منظور ہو گی۔ تو اللہ تعالیٰ ان میاں بیوی میں بشرطیکہ وہ ان دونوں آدمیوں کی رائے پر عمل کریں۔ اتفاق فرمائیں گے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور بڑے خبر والے ہیں۔ جس طریقہ سے ان میں باہم مصالحت ہو سکتی ہے اس کو جانتے ہیں۔ جب حکمین کی

نیت ٹھیک دیکھینگے وہ طریقہ ان کے قلب میں القا فرما دیں گے“ لے

بہر حال پنچ دیانت داری اور اخلاص کے ساتھ دونوں میاں بیوی کے اختلاف کو خوش اسلوبی سے حل کرنیکی انتھک جدو جہد کریں، اور دونوں کو ایک مرکز پر لاکر باہم جوڑ دیں۔ ساتھ ہی میاں بیوی کا بھی اخلاقی فریضہ ہے کہ پنچ سے تعاون کریں۔ اور جو صورت صلح اور میل ملاپ کی پیدا کر رہے ہیں ان پر عمل پیرا ہونیکی سعی بلیغ کریں۔

بیوی کے فرائض و اختیارات

بیوی کے ”حقوق“ کے سلسلہ میں اسلام نے مردوں پر جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں اس کا اجمالی نقشہ پیش کیا جا چکا ہے۔ اب مردوں کے حقوق کے سلسلہ میں عورتوں کو جو زریں ہدایات دی گئی ہیں اسے بھی اجمال کے ساتھ بیان کر دینا مناسب ہے، تاکہ دونوں کے فرائض و اختیارات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جا سکے کہ اسلام نے عصمت وعفت کے تحفظ کی کتنی زبردست جدوجہد کی ہے۔ اور دونوں کے باہمی رشتۂ محبت کو کس قدر پائیدار اور جاندار قرار دیا ہے۔

قانون کا کمال

کوئی ایسا قانون کہ جو صرف ایک فریق پر ذمہ داری عائد کرے اور دوسرے کو ہر ایک ذمہ داری سے بری قرار دے وہ کتنا ہی خوشنما اور جاذب نظر کیوں نہ ہو مگر اُسے ادھورا اور ناقص ہی کہا جائے گا۔ آئین اور ضابطے وہی مکمل ہو سکتے ہیں جو ہر ایک پر دوسرے کی ذمہ داری کو ضروری قرار دیں، گو اس کی شکل مختلف ہی کیوں نہ ہو۔

لے بیان القرآن جلد ۲۔ ص ۱۱۵

کوئی شبہ نہیں کہ عورت اپنی خلقت میں کمزور، اپنے فطری جذبات میں اعتدال سے دور اور اپنی جسمانی ساخت میں بڑی حد تک ضعیف ہے، اور اسی وجہ سے یہ قابل لطف وکرم، لائق اُنس ومحبت اور باعثِ درگذر ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اسے اس کے لائق ذمہ داریوں سے بھی سبکدوش رکھا جاتا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو عورت و مرد کی اجتماعی زندگی نہایت ناخوش گوار حد تک پہنچ جاتی۔

نظامِ منزلی کی صدارت

اسلام نے عورت کی ان تمام کمزوریوں کی رعایت ملحوظ رکھی، جو اسے مرد کے مقابل میں قدرت کے خزانہ سے عطا ہوئی ہیں، اور اسی وجہ سے باہمی زندگی کی صدارت و امارت مرد کے سر ڈالی گئی، یعنی زن وشو کی اجتماعی زندگی کا امیر اور صدر مرد کو منتخب کیا تاکہ نظامِ منزلی میں کوئی سخت وقت آئے تو مرد اپنی خداداد قوت وشوکت سے اُسے حل کرے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کی صدارت کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ	مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس سبب سے
بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ	کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر
عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا	فضیلت دی ہے اور اس سبب سے
مِنْ اَمْوَالِهِمْ (النسآء-٦)	کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔

جس کا ماحصل یہ ہے کہ مردوں کو علم وعمل میں چونکہ فضیلت اور بڑائی عطا کی گئی ہے۔ ساتھ ہی مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور عورت کو مہر، خوراک و پوشاک وغیرہ کے راستے سے سہارا دیتے ہیں۔ اسی لئے مرد کو زن وشو کی باہمی زندگی کا امیر اور صدر بنایا گیا ہے۔

مرد کی صدارت کی وجہ

کوئی ذی عقل انسان اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ مرد اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے بہت سے امور میں عورت سے فائق ہے، غرض عورت پر زندگی میں کچھ زمانہ ایسا گذرتا ہے جس میں وہ بڑی حد تک بیکار ہو جاتی ہے اور دوسرے کی امداد و اعانت کی محتاج رہتی ہے۔ میری مراد حمل، رضاعت، بچوں کی تربیت اور حیض و نفاس کے زمانہ سے ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ مرد کی صدارت کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ضروری ہے کہ مرد کو اس کی بیوی کا قوام بنایا جائے، اور فطرت کا تقاضا ہے کہ عورت پر مرد کو غلبہ حاصل ہو، اس لئے کہ مرد عقل میں کامل، سیاست میں ماہر، حمایت میں مضبوط اور ننگ و عار کو دور کرنیکی صلاحیت کا مالک ہے، اور اس حیثیت سے بھی مرد کو عورت پر برتری حاصل ہے کہ مرد عورت کا کپڑا، روٹی اور گھر مہیا کرتا ہے[1]۔"

جدید تحقیق میں مرد کی حیثیت:

جدید تحقیق نے بھی اس کی تائید کر دی ہے کہ مرد کا دماغ عورت سے بڑا، اس میں فہم و ذکا کا مادہ نسبتاً زیادہ اور اس کی عقل میں پختگی ہوتی ہے۔ ساتھ ہی مرد جسم اور عضلات کا مضبوط ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ اقوال نقل کیے جا چکے ہیں۔ یہاں بھی کچھ لوگوں کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ، حقوق الزوجیۃ ج ۲ ص ۱۳۶۔

مشہور نیشنلسٹ فلاسفر علامہ پروڈن اپنی کتاب "ابتکار النظام" میں لکھتا ہے :-

"عورت کا وجدان بمقابلہ مرد کے اسی قدر ضعیف ہے جس قدر اسکی عقلی قوت مرد کی عقلی قوت کے مقابلہ میں ضعیف نظر آتی ہے، اس کی اخلاقی قوت بھی مرد کے اخلاق سے بالکل مختلف ہے، اور ایک دوسری قسم کی طبیعت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس چیز کے حسن و قبح کے متعلق وہ رائے قائم کرتی ہے، وہ مردوں کی رائے کے مطابق نہیں ہوتی۔ پس مرد اور عورت میں یہ فرق کوئی عارضی امر نہیں ہے بلکہ عورت کی طبعی خاصیت پر مبنی ہے[1]۔"

اس قول کو نقل کر کے علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں :

"حواس خمسہ جس پر انسان کی عقلی اور دماغی نشوونما کا دارومدار ہے، اس میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ نیکولس اور علامہ بیلی نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے حواس خمسہ، مرد کے حواس سے ضعیف تر ہیں[2]۔"

پھر کچھ آگے چل کر علامہ موصوف لکھتے ہیں :-

"علم سائیکلوجیا نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے بھیجے اور مرد کے بھیجے میں مادۃً اور شکلاً سخت اختلاف ہے۔ مرد کے بھیجے کے وزن کا اوسط عورت کے بھیجے سے سو ڈرام زیادہ ہے۔"

عورت کا دماغ

جدید تحقیقات نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ عورت کا دماغ مرد کے دماغ سے چھوٹا ہے۔ جس کا اثر عقل و شعور پر پڑتا ہے۔ تولنے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ احمق کا دماغ عقلمند کے دماغ سے کافی چھوٹا ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں

---

[1] مسلمان عورت ص ۳۹ [2] ایضاً

علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں :-

"یہی وہ قوائے عقلیہ کا سرچشمہ ہے جس میں مرد کا پلّہ عورت سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے - مرد کے دماغ کے وزن کا اوسط عام طور پر (۴۹½) ساڑھے انچاس اوقیہ ہے اور عورت کے دماغ کا وزن صرف (۴۴) چوالیس دو سو اٹھتر مردوں کے دماغ وزن کیئے گئے تو سب سے بڑے دماغ کا وزن (۶۵) پینسٹھ اوقیہ اور سب سے چھوٹے دماغ کا وزن (۳۴) چونتیس اوقیہ ثابت ہوا، لیکن جب دو سو اکانوے (۲۹۱) دماغ عورتوں کے وزن کیئے گئے تو سب سے وزنی دماغ چون (۵۴) اوقیہ کا، اور سب سے کم وزنی دماغ اکیس اوقیہ کا نکلا - کیا یہ اس امر کا ثبوت نہیں ہے کہ عورتوں کے عقلی قویٰ مرد کے قویٰ سے بدرجہا ضعیف ہیں"[1]

پھر واضح رہنا چاہیئے کہ یہ اختلاف ہر جگہ واقع ہوتا ہے، اس میں متمدن اور غیر متمدن کا کوئی سوال نہیں - جس کی آڑ لے کر بعض ناسمجھ بحث شروع کر دیتے ہیں - انسائیکلو پیڈیا کا مصنف پروفیسر دوفارینی لکھتا ہے :-

"جس طرح مرد اور عورت کے جسمانی اور دماغی قویٰ کا باہمی اختلاف تم کو پیرس جیسے متمدن شہر کے شائستہ باشندوں میں نظر آتا ہے اسی طرح امریکہ کے وحشی ترین اقوام میں بھی پایا جاتا ہے"[2]

ماحصل یہ ہے کہ جدید تحقیقات نے بھی یہ ثابت کر دیا ہے کہ مردوں میں عورتوں کی بہ نسبت زیادہ صلاحیت پائی جاتی ہے - اور مرد صلاحیت میں ہر اعتبار سے عورت سے بڑھے ہوتے ہیں -

---

[1]: مسلمان عورت ص۴۲

مرد کی صدارت کے باوجود دونوں کے حقوق برابر ہیں:

زن وشو کی باہمی زندگی میں مرد کی صدارت سے جو لوگ یہ مطلب پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ اسلام نے عورت کو مرد کا غلام بنا دیا ہے، سراسر بے جا اور ہٹ دھرمی ہے۔ عقل سے بیگانہ ہو کر ہی ایسی بات کہی جا سکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ زن و شوہر کی رائے میں اختلاف ناممکن ہے؟ تو اگر کوئی ایسی بات آپڑی، جس میں دونوں کی رائے میں اختلاف ہو گیا تو پھر اس وقت کیا جائے گا۔ اسلام کہتا ہے کہ اس وقت مرد کی رائے کو ترجیح ہوگی اور عورت کا فریضہ ہے ایسے موقع پر مرد کی رائے کو ترجیح لے، کہ یہ اپنی مخصوص صلاحیتوں کی وجہ سے باہمی اور منزلی زندگی کا صدر اعظم ہے۔

ورنہ اسلام خود چاہتا ہے کہ جو کام انجام پائے، وہ باہم مشورے اور اتفاق رائے ہی سے انجام پذیر ہو۔ علاوہ ازیں مرد و عورت میں مکمل مساوات ہے، اور ہر ایک کے دوسرے پر حقوق و فرائض ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (بقرہ — ۲۸)	"جس طرح کے حقوق عورتوں پر ہیں اسی کے مثل خود عورتوں کے بھی حقوق قاعدہ کے مطابق ہیں۔ اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے۔"

اس آیت پاک میں باوجود ایجاز و اختصار ایک بڑا ضابطہ مندرج ہے اور ایک قاعدۂ کلیہ کا اعلان ہے، وہ یہ کہ عورت ہر چیز میں مرد کے مساوی ہے اور تمام انسانی حقوق میں مرد کے برابر ہے۔ صرف ایک امر میں البتہ عورت مرد کے برابر نہیں، جس کو لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اور جس

کی تشریح الرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ کے تحت کی گئی، اس ایک بات کے علاوہ عورت سارے معاملات، اخلاق اور عبادات میں مرد کے مساوی ہے، کوئی ایسی بات نہیں جس سے مرد کو بڑا اور عورت کو حقیر سمجھا جائے۔ اور اسلام ہی ہے جس نے سب سے پہلے عورتوں کو یہ عزت عطا کی۔

ایک فلاسفر کا قول:

ایک فلاسفر نے کتنی درست بات کہی ہے کہ اگر رب العزت کا مقصد یہ ہوتا کہ زن وشو کی اجتماعی زندگی کی صدارت عورت کے حصّے میں آتے تو عورت کو مرد کے سر والے حصّہ سے پیدا کرتا، اور اگر عورت کو خادمہ کے درجہ میں رکھنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ عورت کو مرد کے پاؤں والے حصّہ سے وجود عطا کرتا، مگر چونکہ ان دونوں باتوں میں سے کوئی مقصد نہ تھا بلکہ ان دونوں سے بلند ایک جداگانہ مقصد تھا۔ اور وہ یہ کہ عورت ومرد مساوات کی زندگی گذاریں، دوستانہ برتاؤ قائم رکھیں، اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی عزت اور محبت کو اپنے دل میں جگہ دے اس لئے رب العزت نے عورت کو مرد کے پہلو سے پیدا کیا۔

صدارت کے باوجود عورت سے مشورہ کا حکم:

یہی وجہ ہے کہ صدارت کے لئے مرد کا نام لینے کے باوجود قدرت کا منشا یہ ہے کہ سارے امور باہمی مشورے سے طے کئے جائیں، اور اس طرح کے جو کام انجام پائیں وہ باہمی رضامندی او خوشنودی سے۔ قرآنِ پاک نے جہاں یہ بیان کیا ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ اور بچے کے باپ پر دودھ پلانے والی کا کھانا کپڑا ہے۔ اس مقام پر یہ بیان کرتے ہوئے

کہ اگر تم دودھ چھڑانا چاہو تو باہمی مشورے اور رضامندی سے ایسا کرو۔ قرآن پاک نے بیان کیا ہے۔

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا (بقرہ ۔ ۳۰)	پھر اگر دونوں اپنی رضامندی اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں، تو دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ جو کام انجام پائے حتی الوسع باہمی مشورے سے انجام پاتے۔ پھر مومنوں کی شان ہی یہ بیان فرمائی ہے۔

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (شوریٰ ۔ ۴)	اور وہ آپس میں مشورے سے کام کرتے ہیں۔

اس ساری تفصیل کا ماحصل یہ ہے کہ اسلام نے مرد و عورت میں جائز رشتہ کے قیام کے بعد ایک نظام قائم کر دیا ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے دونوں میں محبت رہے گی اور پھر اس طرح عفت و عصمت پر کوئی دھبہ نہ پڑ سکے گا

موجودہ دور میں تعطّل:

اس دور پُر فتن میں آئے دن یہ بات سننے میں آتی ہے کہ مالدار گھرانوں میں میاں بیوی میں ذرا سی بات پر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اور دونوں علیحدہ ہو کر زندگی گذارتے ہیں، برسوں دونوں میں جدائی رہتی ہے۔ بیوی اپنی ضد پر رہتی ہے اور شوہر اپنی شان میں، یہ جدائی کا زمانہ دونوں کے لئے نازک ہوتا ہے۔ کیونکہ نفسانی خواہشات سے کوئی خالی نہیں۔ اسلام نے اس طرح کی زندگی کو لعنت قرار دیا ہے اور کہیں اس کی گنجائش نہیں رکھی ہے، جیسا کہ آئندہ تفصیل سے معلوم ہوگا۔

عورت صالحہ اور اسکا فریضہ

میاں بیوی کے سامنے اگر اسلام کے قوانین ہوتے تو ایسی نوبت ہرگز نہ آتی اور ایسے مواقع پر مرد کی قوامیت کا فیصلہ فتنہ کے اس سوراخ کو بند کر دیتا الرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ کے بعد ہی ارشادِ خداوندی ہے:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ بِمَا حَفِظَ اللہ (النساء - ۶)	پس نیک بخت عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں اور مرد کی غیر موجودگی میں اللہ کی حفاظت سے نگہبانی کرتی ہیں۔

اس ٹکڑے میں نیک عورت کی شناخت کا بیان ہے، اور اس طرح عورت کو مرد کی اطاعت پر ابھارا گیا ہے تاکہ دونوں میں اختلافِ رائے کبھی ہو تو علیحدگی کی نوبت نہ آئے۔ پھر مزید اس رشتہ کی مضبوطی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایما امراۃ سالت زوجھا طلاقًا فی غیر ما باس فحرام علیھا رائحۃ الجنۃ۔	جو عورت خواہ مخواہ معمولی باتوں میں اپنے شوہر سے طلاق چاہتی ہے، اس پر جنت کی بو حرام ہے۔"

اس میں عورت کو ہدایت دی گئی ہے کہ زن و شو کی باہمی زندگی میں ایسی بات ہو جائے جو تم کو ناپسند ہو تو ایسی ذرا ذرا سی بات پر شوہر سے طلاق کا مطالبہ شروع نہ کر دیا کرو، کیونکہ اجتماعی زندگی میں عموماً ایسی بات ہوتی رہتی ہے کیونکہ دونوں کے مزاجوں میں قدرتی اختلاف پایا جاتا ہے۔

عورت صالحہ کا فریضہ ہے کہ باہمی اجتماعی زندگی کے نظام میں جونہی برہمی اور انتشار محسوس کرے، شوہر کی صدارت کو یاد کرے اور جوش کو ترک کر کے ہوش کو رہبر بنائے، یہ یقین پیدا کرے کہ شوہر باہمی زندگی یا نظامِ منزلی کا صدر اور امیر ہے اسکی

کی اطاعت اپنا فریضہ سمجھے۔ اگر اپنے صدر کی زیادتی کا شبہ ہو تو قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے اس کی زیادتی اس پر آشکارا کرے، اور حزم و احتیاط اور انصاف کا جو تقاضا ہو اسے مہذب طور پر پیش کرے۔

خدا نخواستہ اگر عورت نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تو پھر یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اجتماعی زندگی کا سکون و اطمینان جاتا رہے گا، ہر کام میں انتشار اور برہمی لازمی ہے اور میاں بیوی جس چھوٹی سی سلطنت کے ذمہ دار رکن ہیں وہ تباہ و برباد ہو جائیگی، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا کی نگاہ میں دونوں کی حیثیت اور دونوں کا وقار خاک میں مل کر رہ جائے گا۔ اور پوری قوم پر یہ راز کھل جائے گا کہ ان دونوں میں سے کسی میں بھی گھریلو سلطنت چلانے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اب کوئی بھی جلد ان کو اس حکومت کی رکنیت دینے پر راضی نہ ہوگا۔

شوہر کی تعظیم و تکریم

مرد کی محبت اور صدارت کی وجہ سے عورت پر اپنے شوہر کی دلجوئی اور اسکی تعظیم و تکریم از بس ضروری ہے، رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد

لو کنت اٰمر احدا ان یسجد لاحد لامرت المرءۃ ان تسجد لزوجھا۔ (مشکوٰۃ عن الترمذی)

کسی کو کسی آدمی کے سجدہ کا میں اگر حکم دیتا، تو پہلے عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ بیوی پر اپنے شوہر کی تعظیم و تکریم اور اسکی دلجوئی ضروری ہے۔ عقل بھی کہتی ہے کہ جس شوہر نے اپنے کو بیوی کی محبت میں سرشار کر لیا، اپنی کمائی اور جائداد بیوی کے آرام و عافیت کے لئے اس کے قدموں میں ڈال دی اور اپنے اُنس و محبت کا مرکز بنا لیا، اس کی دلجوئی اور عزت و مکرمت

عورت کا فریضہ ہے۔

رسمی تعظیم و تکریم تک ہی تعلق کافی نہیں ہے بلکہ اخلاص بھی ضروری ہے، تاکہ شوہر کے قلب پر اثر پڑے اور یہ اپنی بیوی سے خوش رہے۔ شوہر کی رضا کی ضرورت بیوی کو دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔ ارشاد نبوی ہے:

ایما امرأة ماتت و زوجها عنها	"جو عورت مرجائے اور اس کا شوہر
راض دخلت الجنة رواہ	اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں
الترمذی (مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء)	داخل ہوگی۔"

اطاعت اور فرماں برداری:

شوہر کی محبت اور اس کی رضا عورت اپنے ایثار اور فرماں برداری ہی سے خرید سکتی ہے، یعنی عورت جب اپنے شوہر کی ہر جائز بات پر گردن جھکاتی رہے گی، شوہر اس پر اپنی جان چھڑکتا رہیگا۔ اور بیوی کے لیے وہ سارے جتن کرے گا جو ایک شریف مرد کر سکتا ہے، چنانچہ عورت کی خوبیوں میں شوہر کی جائز اطاعت کو بھی شمار کیا گیا ہے۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

المرأة اذا صلت خمسها وصامت	"عورت جب پنج وقتی نماز پڑھے
شهرها واحصنت فرجها و	رمضان کے مہینے کے روزے رکھے
اطاعت بعلها فلتدخل من	اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرے
ای ابواب الجنة شاءت۔	اور اپنے شوہر کی فرماں بردار ہو تو وہ
مشکوٰۃ	جنت کے دروازوں میں سے جس
(کتاب النکاح ص ۲۸۱)	دروازہ سے چاہے داخل ہو جائے۔"

نماز، روزہ اور عفت وعصمت کے تحفظ کے ساتھ شوہر کی فرمابرداری

بھی ضروری قرار دی گئی ۔ اور اس حدیث میں اشارہ کیا گیا کہ عورت پر جہاں حقوق اللہ کی بجاآوری ضروری ہے۔ شوہر کے حقوق کا لحاظ وپاس بھی اس کا فریضہ ہے، شوہر کے حقوق سے چشم پوشی کر کے عورت کامیاب نہیں ہوسکتی۔

سید الکونین صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ بہترین عورت کونسی ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

التی تسرہ اذا نظر وتطیعہ اذا امر ولا تخالفہ فی نفسھا ولا مالھا بما یکرہ۔	"شوہر جب اس کو دیکھے تو وہ اسکو خوش کر دے اور جب کسی جائز حکم کا حکم دے، بجالائے اور شوہر اپنی جان ومال میں ایسی مخالفت نہ کرے جو اسے ناپسند ہو"
مشکوٰۃ عن النسائی باب عشرۃ النساء	

شوہر کے حقوق کی بجاآوری کی تاکید کا اس سے دلچسپ انداز اور کیا ہو سکتا ہے، گویا جو عورت محسوس کرے کہ اس میں یہ خوبیاں نہیں ہیں وہ یقین کرے کہ سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بہتر نہیں ہے، سب کچھ ہے مگر جو اپنے خاتم المرسلین پیغمبر کی نگاہ میں بہتر نہیں، نکمی اور محروم القسمت ہے۔

شوہر کی ناجائز بات میں اطاعت نہیں!

مگر یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ شوہر کی جائز اطاعت سے آگے نہ بڑھنا چاہیئے۔ یعنی عورت اپنے شوہر کی ان باتوں پر عمل نہ کرے گی جو رب العزت کے احکام کے خلاف ہوں ـــ حدیث میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے: کہ ایک انصاری خاتون ایک مرتبہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں اور بتایا کہ میں نے اپنی لڑکی کی شادی کر دی ہے۔ اتفاق سے میری لڑکی کے بال گر گئے ہیں

اب نیرے داماد کا تقاضا ہے کہ دوسرے بال علیحدہ سے لیکر اس کے بالوں میں شامل کر دیئے جائیں کہ بدصورتی جاتی رہے۔ حضور کا اس سلسلہ میں کیا ارشاد ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایسی عورت پر لعنت کی گئی ہے جو الگ سے بال لے کر اپنے بالوں میں جوڑے"

شوہر کی خوشنودی

ان امور میں بلاشبہ شوہر کا حکم بجالائے گی جن میں شریعت کی ممانعت وارد نہیں ہوئی ہے۔ فرماں بردار بیوی کو حدیث میں بڑی گراں قدر نعمت قرار دیا گیا ہے۔ اس حدیث کو پڑھئے اور اندازہ لگائیے کہ فرماں بردار بیوی کا اسلام میں کیا درجہ ہے:

ما استفاد المومن بعد تقوے	"تقوٰے کے بعد مسلمانوں کے لیے
اللہ خیرا لہ من زوجۃ	بہترین چیز جو اسکے لئے قابل استفادہ
الصالحۃ ان امرھا اطاعتہ	ہے وہ نیک عورت کہ اگر اس کو شوہر
وان نظر الیھا سرتہ وان	حکم کرے، بجالائے، اس کو دیکھے
اقسم علیھا ابرتہ وان	تو خوش کر دے، اس کو قسم دے تو
غاب عنھا نصحتہ فے	پورا کر دکھائے اور اگر شوہر موجود نہ
نفسھا ومالہ	ہو اپنی ذات اور شوہر کے مال میں
(ابن ماجہ باب افضل النساء)	خیر خواہ بن کر رہے"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ کی خشیت اور اسکے خوف کے بعد بہترین دولت نیک اور فرماں بردار بیوی ہے جو اپنے پیارے شوہر کی لاڈلی

اس پر جان دینے والی، اپنے ہنس مکھ چہرے سے شوہر کا دل لبھانے والی اُس کے ایک ایک حکم پر اپنے کو نثار کرنے والی اور عصمت مآب ہو۔

نبئ کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو حکم دے کہ ایک پہاڑ سے دوسرے پر، دوسرے سے تیسرے پر منتقل ہو جاؤ تو بیوی وہی ہے جو اس حکم کو بجا لائے[1]!

اسلام نے زن وشو کے رشتہ کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنا چاہا ہے۔ اور اس سلسلہ میں دونوں کے نفسیات کو پیش نظر رکھ کر ہر ایک کو اسکے لائق حقوق عطا کئے ہیں۔ بیوی پر شوہر کے جو حقوق ہیں وہ سب اسی لائق ہیں کہ عورت بدل و جان بجا لائے۔

ایک دفعہ رسُول الثقلین صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت پر اپنے شوہر کی جائز فرماں برداری ضروری ہے۔ بلکہ آپ نے بیان فرمایا ہے کہ کوئی بیوی اس وقت تک ایمان کی مٹھاس سے لذت اندوز نہیں ہو سکتی ہے جب تک وُہ اپنے شوہر کے جائز حقوق ادا نہ کرے[2]۔

پہلے حدیث گذر چکی ہے کہ شوہر اپنے پورے گھر کا نگران ہے جس میں بیوی بھی داخل ہے پھر نگران کے جائز حکم سے سرتابی کیونکر جائز ہو سکتی ہے۔

یہ احکام عورت بخوشی بجا لائے کہ عورت اپنے شوہر کی رفیق حیات اور شریک زندگی ہے اور ایک دوست کا فریضہ ہے کہ دوسرے دوست کے لئے ایثار و قربانی سے کام لے۔ عورت جو کچھ کرے، رفیقۂ حیات کی حیثیت سے اسے کرنا چاہیئے۔ اپنے کو غلام اور محکوم تصور نہ کرنا چاہیئے۔

---

[1] ابن ماجہ ص ۱۳۴ [2] مفتاح الخطابۃ ص۱۸۵ عن الحاکم

جنسی میلان میں حکم کی بجاآوری

جنسی میلان کی تکمیل جو بظاہر دنیاوی امور میں سے ہے مگر اس سلسلہ میں بھی شوہر اپنی بیوی کو بلائے تو بیوی کی طبعی محبت کا تقاضا ہے کہ شوہر کی فرمانبرداری کرے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اذا الرجل دعا زوجته لحاجته	"شوہر جب اپنی بیوی کو اپنی ضرورت
خلت له وان كانت على	کے لیے بلائے تو وہ فوراً اس کے لیے
التنور مشکوٰۃ عن الترمذی	حاضر ہو جائے گو وہ تنور پر بیٹھی (روٹی
باب عشرت النساء	پکا رہی) ہو"

بلکہ حدیث میں صراحت ہے کہ اگر اس سلسلہ میں بھی حکم نہ بجالائے گی تو گنہگار ہوگی۔ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اذا دعا الرجل امراته الى	"شوہر جب اپنی بیوی کو اپنے بستر پر
فراشه فابت ان تجي لعنتها	بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے
الملائكة حتى تصبح	تو فرشتے صبح تک اس پر لعنت کرتے
البخاری باب اذا باتت المرأۃ مهاجرۃ الخ	رہتے ہیں"

ایک دفعہ آپ نے قسم کے ساتھ فرمایا کہ عورت کو اس کا شوہر اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو رب العزت اور فرشتے اُسوقت تک اس عورت سے ناخوش رہتے ہیں جب تک اس کا شوہر اس سے خوش نہ ہو جائے۔[1]

جنسی میلان میں عورت کی صحت کا لحاظ

انہی بنیادوں پر امام نووی رح فرماتے ہیں کہ بغیر عذر

---

[1] مسلم باب تحریم امتناعها من فراش زوجها ج ۱ ص ۴۶۴

شرعی عورت کا شوہر کے مطالبہ ہم بستری کو ٹھکرا دینا حرام ہے[1]۔ یہ الگ بات ہے کہ خود شوہر کو بھی بیوی کے حالات کا لحاظ کرنا از بس ضروری ہے۔ صرف جنسی میلان کی خاطر عورت کی صحت کو نظر انداز کر دینا انسانیت اور اخلاق دونوں کے منافی ہے۔ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ عورت کی صحت اجازت نہ دے تو پرہیز ہی چاہیے

لو تضررت من کثرۃ جماعہ	"اگر کثرت مباشرت عورت کے لیے
لم تجز الزیادۃ علیٰ قدر طاقتھا	مضر ہو تو ایسی حالت میں اسکی طاقت
(درمختار باب القسم)	سے زیادہ ہمبستری مرد کے لیے جائز نہیں ہے"

بہرحال عورت اس باب میں بھی شوہر کے حکم کی پابند ہے، اسے نافرمانی کی اجازت نہیں ہے، اس حدیث سے بھی اس کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تصوم المراۃ وبعلھا شاھد	"شوہر موجود ہو تو بغیر اسکی اجازت کے
الا باذنہ (بخاری باب صوم المراۃ الخ)	عورت نفلی روزے نہ رکھے"

ان سارے قوانین کا منشا یہ ہے کہ عفت و عصمت کا تحفظ ہو اور اخلاق و اعمال پاکیزہ رہیں۔ ساتھ ہی زن و شوی کے تعلقات مستحکم اور باہمی اُنس و محبت قائم و دائم رہے۔

شوہر کی خوشنودی خیر القرون میں

یہی وجہ تھی کہ عہدِ نبوی اور عہدِ صحابۂ کرام میں عورتیں اپنے شوہروں کو خوش رکھنے کی بے انتہا سعی کرتی تھیں، شوہر کی ذرا سی ناراضی ان کے لیے سوہان رُوح

---

[1] شرح مسلم ج ۱ ص ۴۶۴

بن جاتی تھی۔ شوہر کی بے رخی پر بھی وہ اپنا طرز عمل نہیں چھوڑتی تھیں۔

خود حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا واقعہ ہے کہ ایک دن یہ اپنے ہاتھوں میں چاندی کے چھلے پہنے ہوئی تھیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان چھلوں کو انکے ہاتھوں میں دیکھ کر فرمایا: عائشہ یہ کیا؟ بولیں، یہ آپ کی خوشنودی ہی حاصل کرنے کی غرض سے پہنے گئے ہیں۔[1]

حضرت خولاء ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بیان کیا کہ میں ہر رات پہن اوڑھ کر اور آراستہ ہو کر لوجہ اللہ اپنے شوہر کے لیے دلھن بن جاتی ہوں اور ان کے پاس سوتی ہوں مگر پھر بھی وہ توجہ نہیں کرتے ــ حضرت عائشہ رضؓ نے یہ واقعہ خدمت نبوی میں عرض کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سنکر فرمایا: ان سے کہہ دو کہ اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہیں۔

ازواج مطہرات کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

اس طرز معاشرت کا نتیجہ یہ تھا کہ میاں بیوی میں بے حد محبت ہوتی تھی، ایک دوسرے پر جان دیتے تھے۔ خود ازواج مطہرات کی زندگی ملاحظہ فرمایئے کہ ان کو سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم سے کس قدر والہانہ محبت تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضؓ ایک مالدار عورت تھیں مگر جب ان کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے شادی ہوگئی تو انھوں نے اپنی کل دولت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم پر نثار کر دی، آپ کو کوئی درد و غم پیش آیا تو حضرت خدیجہ تڑپ اٹھیں اور آپ کو تسلی دی:

صدیقہ عائشہ رضؓ کی محبت بھی سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشہور ہے آپ پر وہ اپنی جان چھڑکتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضؓ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ کا کپڑا خود اپنے ہاتھوں سے دھویا کرتیں، آپ کو خوشبو ملا کرتیں۔ آپ کی مسواک چبا دیا

[1]، ۲ اسوۂ صحابہ ج ۲ ص ۲۵۲

کرتیں، اس کو حفاظت سے اٹھا کر رکھتیں، حدیہ ہے کہ قربانی کے جانور کے لیے خود اپنے ہاتھ سے حضرت عائشہ قلادہ کے لیے رسی بٹتی تھیں۔ ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کمبل اوڑھ کر مسجد میں تشریف لائے۔ صحابۂ کرام کے توجہ دلانے سے معلوم ہوا کہ کمبل پر دھبہ ہے، آپ نے اسے اتار کر اندر بھیج دیا۔ حضرت عائشہ رضؓ خود برتن میں پانی لے کر بیٹھ گئیں اور اپنے ہاتھوں سے اسے دھویا۔ پھر خشک کر کے خدمت اقدس میں بھیجا[1]

صحابیات کی اپنے شوہروں سے محبّت

صحابیات رضؓ بھی اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں، اپنے شوہر کی خوشنودی پر جان دیتی تھیں حضرت زینب رضؓ جو سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی بیٹی تھیں، ان کی شادی ... ابوالعاص سے ہوئی تھی، ابوالعاص ابھی مسلمان بھی نہ ہوئے تھے کہ غزوہ بدر کا واقعہ پیش آگیا، اس حق و باطل کی جنگ میں ابوالعاص کافروں کی طرف سے آئے تھے اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو جب فتح عطا کی اور قریش کی ایک بڑی تعداد ان کے ہاتھوں میں گرفتار ہوئی تو ان میں ابوالعاص بھی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف سے جب فدیہ پر رہائی کا اعلان ہوا تو ابو العاص کی بیوی حضرت زینب رضؓ بنت رسولؐ نے اُن کی رہائی کے لیے اپنے گلے کا قیمتی ہار بھیج دیا۔ یہ ہار حضرت زینب رضؓ کے پاس ان کی ماں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی یادگار کی حیثیت سے تھا[2]

حضرت حمنہ رضؓ بنت جحش رضؓ کے شوہر جہاد میں گئے اور اللہ کے دین کی بلندی کی خاطر جام شہادت نوش فرمایا۔ حضرت حمنہ رضؓ کو جب یہ خبر پہنچی کہ ان کے شوہر غزوہ میں شہید ہو گئے ہیں تو ضبط نہ کر سکیں اور فرط محبت سے چیخ اٹھیں[3]

---

[1] اسوہ صحابہ ج ا صفحہ ۲۵۱ [2] ایضاً صفحہ ۲۴۸ [3] ایضاً

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی روزے کے دنوں میں فرط محبت سے اپنے لاڈلے شوہر کے سر کا بوسہ لیا کرتیں۔

حضرت حسن رضؓ کی بیوی کو طلاق کے بعد حضرت حسن رضؓ اکے شوہر کی طرف سے جب مہر ملا تو وہ رو پڑیں اور فرمانے لگیں: جدا ہونے والے محبوب کے مقابلہ میں یہ رقم بالکل حقیر ہے [1]

اِن حقائق کو غور سے پڑھا جائے اور پھر اندازہ لگایا جائے، اسلام نے زن وشو کی زندگی کو کس بنیاد پر قائم رکھنا چاہا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بغیر محبت و اطاعت رشتۂ نکاح بے روح جسد ہے۔

شوہر کا خیر مقدم خندہ روئی سے:

جو کچھ گزر چکا، اس کی روشنی میں یہ ماننا پڑیگا کہ عورت کا فریضہ یہ بھی ہے کہ شوہر جب گھر میں داخل ہو تو بیوی شوہر کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کرے، کیونکہ قدرت نے عورت کی مسکراہٹ میں ایسی عظیم الشان قوت عنایت کی ہے؛ کہ شوہر بیوی کی مسکراہٹ دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیے سارے غم بھول جاتا ہے، اور اگر مرد تکان سے نڈھال ہو رہا تھا تو پھر بیوی کے تبسم آمیز گفتگو اور دلجوئی سے تازہ دم ہو جاتا ہے اور اس کی قوت عود کر آتی ہے۔

جو عورتیں اپنے شوہروں کے سامنے منہ بسورتی ہیں، وہ گھر کو قصداً جہنم بنانا چاہتی ہیں اور شوہر کی زندگی کو گھن لگاتی ہیں۔ اسی حدیث میں اسی طرف اشارہ گزر چکا ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بہترین عورت کی تعریف میں فرمایا۔

التی تسرہ اذا نظر: (مشکوٰۃ) "شوہر کی نگاہ جب بیوی پر پڑے، تو بیوی اس کو خوش کر دے"

[1] اسوہ صحابہ ج ۱ ص ۲۴۹

نیز اس طرح کے موقعے پر بیوی شوہر کے سامنے آئے تو بن سنور کر اور صاف ستھرے لباس میں آئے۔ گھر، بستر اور دوسرے سامان کو شوہر کے سامنے صفائی کے ساتھ پیش کرے۔

شوہر اور گھر کی خدمت

ضرورت کے وقت شوہر کی خدمت سے بھی نہ چوکے کہ ازواج مطہرات کی یہی زندگی تھی۔ خود سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی دستور تھا۔ گھر کا کام کاج اپنے ہاتھ سے کر لیا کرتیں۔ بخاری نے اپنی جامع میں ایک باب ہی باندھا ہے "عمل المرأۃ فی بیت زوجھا" عورت کا اپنے شوہر کے گھر میں کام و کاج کرنا اور اس ضمن میں حضرت فاطمہؓ کے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ چکی چلاتے چلاتے گھٹے پڑ گئے تھے۔

محدثین نے اس واقعہ کو سامنے رکھ کر بتایا ہے کہ عورتوں کو چاہیئے کہ گھر کے معمولی کام کاج خود کر لیا کریں۔ حضرت فاطمہؓ جب چکی چلا سکتی ہیں تو کیا یہ بعید ہے کہ آپ آٹا بھی گوندھتی ہوں، روٹی بھی پکاتی ہوں۔ امام مالکؒ تو اس حد تک فرماتے ہیں کہ بیوی پر اس وقت گھر کی خدمت لازم ہے جبکہ اس کا شوہر مالدار نہیں ہے۔ خواہ بیوی بڑے سے بڑے گھر کی ہی چشم و چراغ کیوں نہ ہو[۱]۔

غزوۂ تبوک میں جو تین بزرگ شریک نہ ہو سکے تھے اور جن کا سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بائیکاٹ کیا گیا تھا۔ ان میں حضرت بلال بن امیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی تھے۔ کچھ دنوں بعد حضورؐ کا یہ فرمان جاری ہوا، کہ ان کی بیویاں بھی اس وقت تک ان سے ترک تعلق کر لیں جب تک اللہ تعالےٰ

---

[۱] دیکھیے عمدۃ القاری ج ۹ ص ۶۴۵ — و — زاد المعاد ج ۴ ص ۳۲

کی طرف سے کوئی فیصلہ نہ آجائے، اس فرمان کے فوراً بعد ہی ہلال بن اُمیہؓ کی بیوی خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی: میرے شوہر بوڑھے آدمی ہیں کوئی خادم نہیں ہے جو ان کی خدمت انجام دے سکے۔ لہٰذا حضور اجازت مرحمت فرمائیں تو میں ان کی خدمت کیا کروں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے زوجہ ہلالؓ کو اس کی اجازت دے دی۔[1]

حافظ ابن القیمؒ نے اس سلسلہ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اسماءؓ کی خدمت کا تفصیلی واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر کی کس قدر خدمت انجام دیا کرتی تھیں۔[2]

ضد اور ہٹ سے پرہیز

عورتوں کا ایک بڑا عیب ضد اور ہٹ ہے۔ اس سے عورتوں کو بالکل اجتناب کرنا چاہیئے کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ جہاں کوئی ایک بات بھی انکی طبیعت کے خلاف پڑی، آگ بگولہ بن گئیں اور الٹ پٹک شروع کر دی، اس سے آپس کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں اور شوہر بیوی سے بددل ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی معقول بات ہو تو شوہر کو سمجھانے کی سعی کرے۔ منہ پھُلانا' اور لڑنا بُری بات ہے۔ شوہر کو گرم دیکھے تو خود نرم ہو اور اپنی گرمی کا اظہار ضروری ہی سمجھے اور جی نہ مانے، گرمی نکال لے مگر تعلقات پر ان باتوں کا اثر نہ آنے دے۔

مرد کی زیادتی اور بد دماغی سے معاملہ پڑے تو ہوش وخرد سے کام لے عجلت نہ کرے، کچھ دب کر ہی سہی صلح کرلے تو عورت کے لیے مفید ہے۔

---

[1] بخاری کتاب المغازی غزوۂ تبوک [2] زاد المعاد ج ۴ ص ۳۲

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے :

وَاِنِ امْرَاَۃٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَیْرٌ (النساء - ۱۹)

"اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بد دماغی یا بے پرواہی کا ہو تو دونوں کو کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کرلیں اور یہ صلح بہتر ہے"

عفت و عصمت کے تحفظ کیلئے

چند ضروری قوانین

گذشتہ مباحث اگر آپ نے غور سے پڑھے ہوں گے تو یہ بات آپ پر روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی ہو گی کہ اسلام نے اپنے قوانین میں میاں بیوی کے درمیان محبت، یگانگت اور جذبۂ ایثار کی بے انتہا رعایت ملحوظ رکھی ہے تاکہ نکاح کے جو مقاصد ہیں وہ روئے زمین پر ظاہر ہوں اور انسانیت اطمینانِ سکون کا سانس لیتی رہے، کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے زن و شو کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو سکے اور اس طرح عصمت و عفت اور اخلاق کی مٹی پلید ہو۔

یہی وجہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کے حقوق دوسرے پر اس طرح جتائے گئے ہیں کہ اگر دونوں اپنے فرائض ادا کرتے رہیں تو پھر باہمی رنجش اور کشیدگی کی کبھی نوبت نہ آنے پائے۔

ؤ

میاں بیوی کی محبت میں حائل ہونے کی ممانعت :

قوم کو بھی ان تمام حرکتوں سے سختی کے ساتھ اسلام نے روکا ہے جو مرد اور عورت کے تعلقات کو خراب کرتی ہوں۔ قرآن پاک میں جادو کا تذکرہ کرتے ہوئے اسکی سب سے بڑی برائی یہ بتائی گئی ہے کہ اس سے میاں بیوی میں تفریق پیدا کرتے ہیں۔

وَاِن امْرَأَةٌ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ (بقرہ۔ ۱۲)

"سو وہ لوگ ان دونوں سے ایسا سحر (جادو) سیکھ لیتے تھے کہ اسکے ذریعہ کسی مرد اور اس کی بیوی میں تفریق پیدا کر دیتے تھے"

پھر اس جادو کا انجام ذکر کرتے ہوئے قرآن ہی میں ارشاد ہے :

وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ۔ (بقرہ۔ ۱۱)

"اور ضرور یہ بھی اتنا جانتے ہیں کہ جو شخص اسکو اختیار کرے، ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں"

میاں بیوی کی تفریق سے شیطان کی مسرت :

جسکا ماحصل یہی ہوا کہ میاں بیوی میں پھوٹ ڈالنا بڑا گناہ ہے اور ایسا شخص آخرت کی نعمتوں سے محروم رہے گا۔ سید الکونین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ابلیس اور اس کی ذریات کی شیطنت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ابلیس اپنا تخت شاہی بچھا کر جلوہ افروز ہو جاتا ہے اور اپنی شیطانی فوج کو انسانوں میں بھیجتا ہے تاکہ ان میں فتنے برپا

کرے، چنانچہ شیطانی فوج اپنی خدمات کی انجام دہی پر روانہ ہوجاتی ہے، اور ابلیس اس فوج میں اس کو زیادہ نوازتا ہے۔ جس نے سب سے بڑھ کر فتنہ برپا کیا ہو شیطانی فوج جب اپنی فتنہ گری سے واپس آتی ہے تو ان میں سے ہر ایک اپنے سردار کے رُوبرو رپورٹ پیش کرتا ہے کہ میں نے یوں کیا، میں نے یُوں کر ڈالا، اور میں نے یہ عظیم الشان کام انجام دیا۔ اسی سلسلہ میں ایک شیطان آگے بڑھتا ہے اور اپنے سردار کے رُوبرو آکر کھڑا ہوجاتا ہے اور اپنی رپورٹ پیش کرتا ہے:

"میں نے اپنی ڈیوٹی بڑی تندہی سے ادا کی اور اس وقت تک اطمینان کی سانس نہ لی جب تک میں نے میاں بوی میں پھوٹ ڈالنے میں کامیابی حاصل نہ کر لی۔"

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ابلیس یہ رپورٹ سنکر خوشی سے اُچھل پڑتا ہے اور اس شیطان کو اٹھ کر اپنے سینہ سے چمٹا لیتا ہے اور تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے تو نے خوب کیا اور سب سے بازی لے گیا۔[1]

ملا علی قاری فرماتے ہیں: میاں بیوی کی تفریق اور پھوٹ سے شیطان کی مسرت کی وجہ یہ ہے کہ وہ زنا کی کثرت کو پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ حرامی بچے پھیلیں اور زمین پر فتنہ و فساد کی گرم بازاری ہو۔[2]

زن و شو کے تعلقات بگاڑنے کی مذمّت:

کسی ذی عقل پر یہ بات راز نہیں ہے کہ میاں بیوی کی باہمی کشیدگی — اور علیحدگی سے کیا برائیاں پیدا ہوتی ہیں، اس لیے اس شخص کی جتنی بھی مذمّت کی

[1] مشکوٰۃ باب الوسوسہ عن مسلم [2] حاشیہ مشکوٰۃ عن المرقاۃ ص ۱۸

جائے کم ہے، جو بالقصد میاں بیوی کے تعلقات خراب کرنے کی فکر میں منہمک رہتا ہے، اور بیوی کو شوہر سے اور شوہر کو بیوی سے بدظن کرنے کی سعی کرتا ہے یہ انسان نہیں انسانیت کا دشمن ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لیس منا من خبب المرأۃ علےٰ زوجھا (مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء عن ابی داؤد)

جو دین ٹوٹے ہوئے کو جوڑنے اور منتشر افراد کی شیرازہ بندی کے لئے آیا ہو۔ اس دین کا پیرو اگر ایسا کرتا ہے جس سے پھوٹ پڑتی ہے اور کشیدگی بڑھتی ہے تو واقعہ ہے کہ اس میں اپنے دین کی کوئی خو بو نہیں۔

بالخصوص میاں بیوی کے تعلقات کو بگاڑنا جس سے بنا بنایا گھر برباد ہو۔ عصمت و عفت کو خطرہ لاحق ہو اور اخلاق و اعمال کے گندہ ہونے کا اندیشہ ہو، کسی پیروِ اسلام کے شایانِ شان نہیں۔

رشتۂ نکاح کے ختم کرنے کی اجازت:

رشتۂ نکاح کے قیام کا منشا تو بلاشبہ یہی ہے کہ عورت اور مرد اس رشتہ میں منسلک ہو کر عفت کی زندگی گزاریں اور تاحیات اس بندھن کو کھلنے نہ دیں، مگر کبھی زندگی میں ایسا موڑ بھی پیش آجاتا ہے کہ وہاں اس رشتہ کا ختم کرنا ہی سود مند ہوتا ہے۔

ہم رشتۂ ازدواج کے قیام کی بحث میں اس طرف اشارہ کر آئے ہیں کہ شادی کرنے سے پہلے عورت و مرد میں سے ہر ایک دوسرے کے حالات معلوم کرلیں ممکن حد تک دیکھ بھال کرلی جائے اور طرفین کو جب ہر طرح تشفی حاصل ہو جائے تو یہ رشتہ وجود میں لایا جائے تا کہ یہ رشتہ زیادہ سے زیادہ مضبوط ثابت ہو، اور

زن و شو میں اخوت و محبت قائم نہ رہ سکے۔ لیکن کوئی شبہ نہیں کہ کبھی بایں ہمہ کوئی ایسی بات پیش آجاتی ہے کہ جو نکاح کے مقاصد ہیں وہ پورے ہوتے نظر نہیں آتے ان مشکلات میں اسلام نے کچھ ایسے معتدل قوانین نافذ کئے ہیں جن پر عمل کرنے سے عفت و عصمت پر خطرات کے جو بادل منڈلانے لگتے ہیں، وہ ٹل جاتے ہیں۔ اور عورت و مرد اطمینان کی زندگی گزارنے کا راستہ پالیتے ہیں۔

ناگہانی مصائب

بظاہر زن و شوئی کے تعلقات کی باگ ڈور مرد ہی کے ہاتھ میں معلوم ہوتی ہے اور عورت مجبورِ محض معلوم ہوتی ہے، لیکن ایسی بات ہرگز نہیں، عورت کے لیے قاضی کی مجلس با اختیار قرار دی گئی ہے۔ جب عورت پر اگر کوئی ناگہانی افتاد آپڑے یا شوہر کے مظالم سے عاجز ہو تو قاضی عورت کو اس کے شوہر سے نجات دے سکتا ہے اور اسکی افتاد کی تدبیر کر سکتا ہے۔

شوہر کا نامرد ہونا:

دنیا میں یہ کوئی عجیب و غریب بات نہیں ہے کہ کبھی کسی عورت کا شوہر مرد کی شکل میں رہتے ہوئے بھی عورت کے جنسی میلان کی تکمیل سے مجبور رہتا ہے۔ مرد اس قابل نہ ہو کہ اس کی بیوی اس سے اپنے داعیات فطرت کی تسکین کر سکے، اس حالت میں اگر کوئی عورت اپنے ناکارہ شوہر سے علیحدہ ہونا چاہیے اور شوہر اس کے لیے آمادہ نہ ہو تو اسلام نے اس کے لیے قاضی کی مجلس کو اختیار دیا ہے۔ عورت قاضی کا دروازہ کھٹکھٹائے اور اپنا مقدمہ پیش کر دے۔ قاضی اسکے شوہر کو نوٹس دے گا اور حالات کی تحقیقات کریگا، اگر مرد عنین (نامرد) ثابت

ہوگا تو قاضی اس کو پہلے ایک سال کی مہلت دے گا کہ وہ اپنا علاج و دوا کرے اگر مردکار آمد ہوگا تب تو خیر! ورنہ ناکامیابی کی صورت میں تفریق کر دے گا۔ حضرت سعید بن المسیب کا بیان ہے

من تزوج امرأة فلم یستطع ان یمسها فانہ یضرب اجل سنۃ فان مسہا والا فرق بینہما	"جو کسی عورت سے شادی کرے اور اس کو عورت سے ہم بستر ہونے کی قدرت نہ ہو تو اس کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی اگر اس کے بعد ہمبستر ہو سکا، تب خیر، ورنہ ان دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔"
(موطا امام مالک ج ۲ ص ۳۲)	

امام مالکؒ نے ابن شہاب سے پوچھا کہ نامرد (عنین) شوہر کو علاج کے لیے ایک سال کی جو مہلت دی جائے گی وہ کب سے ہے؟ رخصتی کے دن سے یا اس دن سے کہ قاضی کے یہاں مقدمہ آیا، ابن شہابؒ نے فرمایا:

بل من یوم ترافعہ الی السلطان	"سلطان کے پاس مقدمہ کی پیشی کے دن سے۔"
(موطا مصفیٰ جلد ۲ ص ۳۳)	

بہرحال اس طرح عورت اپنے عنین (نامرد) شوہر سے علحدہ ہو سکتی ہے، اور پھر شریعت کی روشنی میں دوسری شادی کر سکتی ہے۔

شوہر کا مجبوب ہونا:

اسی طرح اگر کسی عورت کا شوہر مجبوب ہو، یعنی اس کا عضوِ تناسل کٹ جائے اور وہ عورت کے جنسی میلان کی تکمیل کے لائق باقی نہ رہے تو عورت ایسے شوہر سے اسی ترکیب سے بآسانی علحدہ ہو سکتی ہے، بلکہ اتنی اس میں سہولت

اور ہے کہ ایک سال کی تاخیر بھی نہ ہوگی، درخواست پاتے ہی قاضی تحقیقِ حال کریگا اور عورت کو مرد سے علیحدہ کر دے گا۔ امام قدوری عنّین وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فان کان عنینا اجلہ الحاکم حولا، فان وصل الیھا و الّا فرق بینھما ان طلبت المرأۃ ذٰلک ... وان کان مجبوبا فرق القاضی بینھما فی الحال ولم یوجلہ (قدوری مصری کتاب النکاح ص۲۰)

"اگر کسی کا شوہر نامرد ہو تو حاکم اسے دوا علاج کیلئے ایک سال کی مہلت دے گا اگر وہ عورت کے لائق ہو گیا تب تو خیر ورنہ ان دونوں میں عورت کے مطالبہ پر تفریق کر دی جائے گی اور اگر مقطوع الذکر ہو تو قاضی فوراً بغیر مہلت تفریق کر دے گا۔"

شوہر خصّی کا حکم

خصّی شوہر کا حکم بھی عنّین ہی جیسا ہے۔ یعنی مرد اپنے کو خصّی کرا کے اس لائق بنا لے کہ اس میں جنسی میلان باقی نہ رہے اور اس طرح وہ عورت کے لئے ناکارہ ثابت ہو تو قاضی کے پاس عورت درخواست دے، قاضی فوراً مرد کی حالت کی تحقیق کریگا علاج کے لیے ایک سال کا موقع دے گا، اور اسکے بعد بھی نکمّا ہی باقی رہے گا۔ تو قاضی عورت کو اس مرد سے جدا کر دے گا۔

والخصی یوجل کما یوجل العنین (قدوری کتاب النکاح ص۲۱)

"شوہر خصی کو عنین کی طرح ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔"

فروعات میں جانا نہیں بلکہ یہ بتانا ہے کہ اسلام نے ان تمام صورتوں کی راہ پیدا کی ہے جن صورتوں میں عورت کو عصمت کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے کوئی ایسی شکل باقی نہیں رکھی ہے کہ عورت معصیت کے لیے اپنے آپ کو مجبور پائے۔

حافظ ابن القیمؒ کا ارشاد :

حافظ ابن القیم کا ارشاد بحث کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں :

والقیاس ان کل عیب ینفر الزوج الآخر ولا یحصل بہ مقصود النکاح من الرحمۃ والمودۃ یوجب الخیار (زاد المعاد ج ۴ ص ۳۱)	"قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر وہ عیب جسکی وجہ سے زن و شو میں یکجہتی باقی نہ رہ سکے اور نکاح کا مقصد جو محبت و مودت ہے فوت ہوجائے تو ایسی حالت میں علیحدگی کا اختیار دینا ضروری ہوجاتا ہے"

بعض جزئیات میں ائمہ کا باہمی اختلاف ہے، مگر یہ ایک مسلم حقیقت ہے : کہ کوئی ایسی صورت اسلام نے برداشت نہیں کی ہے کہ مرد و عورت میں سے کوئی اپنے آپ کو بدکاری کے لیے محسوس کرے۔

اسلام کا قانونِ خلع

اسی طرح کے نازک وقت کے لیے اسلام نے کشمکش کی آخری شکل میں "خلع" کی اجازت بخشی ہے، ناجائز فائدہ اٹھانے والوں کے لیے پیش بندی کے طور پر سختی کے ساتھ خلع سے روکا ہے۔ رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

ایما امرأۃ سألت زوجھا طلاقا فی غیر ما بأس فحرام علیہا رائحۃ الجنۃ رواہ احمد (مشکوٰۃ باب الخلع)	"جو عورت ذرا ذرا سی بات پر اپنے شوہر سے طلاق کی درخواست کرے اس پر جنت کی بُو حرام ہے"۔

ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

المنتزعات والمختلعات ھن	"شوہر سے علیحدہ ہونے والی اور خواہ مخواہ

المنافقات — خلع کی طالب عورتیں منافق ہیں۔"

ان حدیثوں کا منشا یہی ہے کہ عورتیں خواہ مخواہ اپنے شوہروں سے جدائی کی خواہش نہ کریں۔ تلذذ کی خاطر ایسا کرنا اسلام کے ایک عظیم الشان قانون کو بازیچۂ اطفال بنا لینا ہے۔

لیکن اگر واقعی عورت دیانت داری سے یہ محسوس کرے کہ اگر خلع کی صورت اختیار نہ کی گئی تو رب العزت کے قائم کردہ حقوق باقی نہ رہ سکیں گے اور عورت کو ظن غالب ہے کہ موجودہ تعلقاتِ دین و دنیا کے لیے مضر ہیں تو ایسی مجبوری اور نزاکت کے وقت عورت خلع کے قانون سے فائدہ اٹھا سکتی ہے: ارشاد ربانی ہے

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ	"سو اگر تم لوگوں کو احتمال ہو کہ وہ دونوں
اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِمَا فِیْمَا	ضوابط خداوندی کو قائم نہ کر سکیں گے
افْتَدَتْ بِہٖ	تو دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا
(بقرہ - ۲۹)	جسکو دے کر عورت اپنی چھڑالے

عہد نبوی میں خلع

گو حدود اللہ کے عدم قیام کی شرط کے ساتھ خلع کی اسلام نے اجازت دی ہے اس سے پہلے ہرگز اجازت نہیں ہے۔ خلع کی مثال عہدِ نبوی میں موجود ہے —— حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کہ حبیبہ بنت سہل انصاری حضرت ثابت بن قیس بن شماس سے بیاہی گئی تھیں۔ ایک صبح کو سویرے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے لیے کاشانۂ نبوی سے نکلے، دروازے پر پہنچے تو دیکھا: ایک عورت کپڑے میں لپٹی سمٹی ہوئی کھڑی ہے۔ صبح کی تاریکی ابھی باقی تھی۔ آپ نے فرمایا: آپ کون ہیں؟ آواز آئی۔ یارسول اللہ! میں سہل کی

کی بیٹی حبیبہ ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ حضرت حبیبہ نے کہا: نہ تو میں ثابت بن قیس کے ساتھ ہوں اور نہ ثابت میرے ساتھ یعنی ہم دونوں میاں بیوی میں اتفاق و نباہ کی اُمید باقی نہیں رہی۔ آپ نے یہ قصہ سُن لیا۔ اور نماز کے لئے روانہ ہو گئے۔ حضرت ثابت بن قیسؓ جب خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ حبیبہ بنت سہل انصاری ہیں۔ اللہ تعالےٰ کو جو منظور تھا، اسے آکر انھوں نے یہاں بیان کیا۔ حضرت حبیبہ نے مہر کی واپسی پر بھی اپنی آمادگی ظاہر کر دی اور درخواست کی کہ شوہر کا عطیہ موجود ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابتؓ سے فرمایا: اپنا عطیہ واپس لے لو۔ یہ سن کر حضرت ثابت نے بیوی سے اپنا عطیہ واپس لے لیا اور اس طرح دونوں میں جدائی ہو گئی۔[۱]

بخاری میں ہے: حضرت ثابتؓ کی اہلیہ نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر بیان دیا

یارسول اللہ ثابت بن قیس ما اعیب علیہ فی خلق ولا دین ولکنی اکرہ الکفر فی الاسلام	"یارسول اللہ میں ثابت بن قیسؓ کو ان کے اخلاق و دین میں عیب نہیں لگاتی لیکن بات یہ ہے کہ میں اسلام میں کفر کی بات پسند نہیں کرتی۔"

یہ سنکر رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان کا باغ واپس کرنے کو تیار ہو، ثابتؓ کی بیوی نے اثبات میں جواب دیا۔ یہ معلوم کر کے آپ نے حضرت ثابتؓ سے کہا:

اقبل الحدیقۃ وطلقھا تطلیقۃ واحدۃ (زاد المعاد ج ۴ ص ۳۴)	"باغ لے لے اور اس کو ایک طلاق دے دے۔"

---

[۱] موطا امام مالک باب الخلع ج ۲ ص ۴۲

بخاری نے یہ واقعہ جو بیان کیا ہے، یہ ہے تو حضرت ثابت ہی کی بیوی کا مگر حبیبہ کا نہیں ہے بلکہ ان کی بیوی دوسری جمیلہ بنت ابی سلول کا ہے۔ ابن ماجہ میں بھی واقعہ جمیلہ کے نام کے ساتھ مذکور ہے؛[1]

واقعہ یہ ہے کہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضؓ کوتاہ قد، بدصورت اور تیز مزاج تھے اس لیے کسی عورت کی نگاہ میں سماتے نہیں تھے۔ بعض روایات میں ان کی بیوی کا ان کے باب میں بڑا سخت جملہ ہے۔[2]

حدیث کی کتابوں میں خلع کے اور واقعات بھی مذکور ہیں یہاں تفصیل مقصود نہیں

مفقود الخبر کی بیوی کا حکم

عورت اس وقت بھی مشکلات میں نظر آتی ہے جب اس کا شوہر لاپتہ ہو جائے نہ یہی معلوم ہو کہ مر گیا اور نہ یہی پتہ کہ زندہ ہے اور ہے تو کہاں ہے۔ ایسے وقت عورت کیا کرے، یہ ایک اہم سوال ہے:

کوئی شبہ نہیں، یہ مسئلہ ائمہ کے درمیان مختلف فیہ ہے مگر اس سلسلہ میں علماء راسخین کا جس پر فتویٰ ہے وہ یہ ہے کہ عورت اپنے مفقود الخبر شوہر کا چار سال انتظار کرے گی، اس عرصہ میں بھی کوئی پتہ نہ ملے تو چار سال بعد عدت وفات چار ماہ دس دن پورا کرے گی اور اس کے بعد شرعی طور پر پہلے شوہر کی قید نکاح سے نکل آئے گی اور حسب دل خواہ شرعی حدود میں رہ کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے

ایما امرأة فقدت زوجها فلم یدر این هو فانها تنتظر اربع	"جس عورت کا شوہر کھو جائے اور پتہ نہ چلے کہ وہ کہاں ہے تو ایسی

---

[1] دیکھیے ابن ماجہ باب المختلعۃ یاخذ ما اتاها [2] ایضاً و زاد المعاد ج ۲ ص ۴۷

سنین ثم تحتد اربعة شهر وعشرا ثم تحل.	عورت چار سال انتظار کے گزارے اور پھر چار مہینے دس دن عدت کے دن گزارے اور حلال ہو جائے"۔

(موطا امام مالک باب المراۃ المفقود)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے۔ علماء احناف نے اس قول پر فتویٰ کی اجازت دی ہے۔ اس سلسلہ میں صاحب جامع الرموز، صاحب الدر المنتقی اور صاحب ردالمحتار کا خصوصیت سے نام لیا جاتا ہے۔ علمائے ہند میں حکیم الامۃ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ اور مولانا عبدالحی فرنگیؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، جن بزرگوں نے دلیل کے ساتھ اسے تسلیم کیا ہے۔[1]

ـــــــــــــــــــــــ

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: عمدۃ الرعایہ علی شرح الوقایہ ج ۲ ص ۳۹۳ اور مسوّی علی الموطا ج ۲ ص ۶۸-۶۹

اسلام کا قانون طلاق
اور
عفّت و عصمت کی حفاظت

طلاق کا مسئلہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے: یعنی اگر عورت و مرد کا تعلق ازدواج ناکام ہو جائے۔ حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے زن و شو میں صلح و آشتی اور اتحاد و اتفاق کی زندگی محال ہو جائے تو ایسے موقع پر مرد اپنی خواہش سے عورت کو علٰحدہ کر سکتا ہے مگر یہ بالکل آخری شکل ہے۔

طلاق کا قانون یہود میں!

اسلام نے طلاق کا جو ضابطہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اسکی تفصیل سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ طلاق کی اجازت اور گنجائش دوسرے مذاہب ادیان میں بھی ہے۔ یہود کے یہاں طلاق میں بہت ڈھیل ہے۔ شوہر کی خواہش ہی طلاق کے لیے کافی سمجھی گئی ہے۔ یعنی شوہر اگر چاہے کہ موجودہ بیوی کو علٰحدہ کر دے اور اس سے خوب صورت بیوی کر لائے تو اس کو طلاق کی اجازت ہوگی۔ اسی طرح عورت کے معمولی معمولی عیوب بھی وجہ طلاق بن سکتے ہیں مثلاً عورت کی دونوں آنکھیں برابر نہ ہوں۔ چھوٹی بڑی ہوں، عورت کی بغل سے بُو آتی ہو۔ لنگڑی یا کبڑی ہو یا بانجھ ہو۔ جس طرح یہ خلقی عیوب طلاق کی وجہ کے لیے کافی سمجھے گئے ہیں اسی طرح کچھ اخلاقی عیوب بھی، جیسے سخت مزاج ہو، زیادہ بولنے والی ہو، گندہ دہن ہو، لالچی ہو، کھانے میں نفاست پسند نہ ہو، خوراک زیادہ ہو اور اسی طرح کے دوسرے عیوب۔[1]

[1] تفصیل کیلئے دیکھئے سعادۃ الزوجین جلد سوم احکام الطلاق عند اسرائیلین اور "ندا الجنس اللطیف" ص۹۷

مردوں کو طلاق کے لئے اتنے وسیع اختیارات مگر عورت کے ساتھ یہ ظلم ہے کہ وہ مرد کے ہزاروں عیوب کے بعد بھی مرد سے علیحدگی کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

قانون طلاق عیسائیوں میں

عیسائیت میں سرے سے یہ جائز نہیں تھا کہ طلاق کسی وجہ سے بھی دی جائے رشتۂ نکاح دوامی سمجھا جاتا تھا۔ موت کے سوا جدائی کی کوئی اور وجہ ناممکن تھی، اور یہ ساری سختی حضرت مسیحؑ کے اس قول سے اخذ کی گئی تھی :

"جسے خدا نے جوڑا، اسے آدمی جدا نہ کرے"۔ (متی ۱۹ : ۶)

حالانکہ اس قول کا یہ مطلب سرے سے غلط تھا۔ یہ ایک اخلاقی ہدایت تھی اور منشاء بے وجہ طلاق دینے کو روکنا تھا۔ کیونکہ خود متی کی دوسری آیت یہ موجود تھی :

"جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسرا بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے"۔ (متی ۱۹ : ۹)

اس آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ بوقت ضرورت طلاق دی جا سکتی ہے مگر مسیحی علماء نے اس پہلی آیت سے متعارض سمجھ کر یہ تاویل کی کہ بعد کا اضافہ ہے اس دوسرے قول پر عمل جائز نہ ہوگا اور بعض مسیحی علماء نے یہ مطلب اخذ کیا کہ: "حرامکاری کی صورت میں میاں بیوی میں تفریق کرا دی جائے مگر رشتۂ نکاح بدستور قائم رہے۔ یعنی مرد و عورت میں سے کوئی اس تفریق کے بعد دوسری شادی نہیں کر سکتا"۔

آپ یہ سنکر حیرت زدہ رہ جائیں گے کہ صدیوں مسیحی دنیا اسی قانون پر عامل رہی، ایک تو طلاق ہی ناجائز سمجھی جاتی تھی اور جن لوگوں کے یہاں طلاق جائز تھی، ان کے یہاں فیصلہ یہ تھا کہ مرد و عورت دونوں اب تجرد کی زندگی گزاریں

بعد میں مشرقی کلیسا نے کچھ صورتیں رشتۂ نکاح کے ختم کرنے کی اپیل کی مگر مغربی مذہبی پیشواؤں نے اسکے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اور وہ کلیسائے روم کی ہی فقہ پر عامل رہے کہ موت کے سوا کوئی دوسرا سبب اس رشتہ کو منقطع نہیں کر سکتا۔ تقریباً پندرہ سو سال تک عیسائیوں کو کلیسا کے اس ظالمانہ اور جابرانہ قانون کی وجہ سے مصیبتوں میں مبتلا رہنا پڑا۔

قانون طلاق کی اصلاح:

سولہویں صدی سے طلاق کے قانون کی اصلاح کی آواز اٹھی مگر نتیجہ کے اعتبار سے کچھ زیادہ سودمند ثابت نہ ہوئی۔ انگلستان میں ۱۸۵۷ء سے پہلے تک جب تک زنا اور ظالمانہ برتاؤ نہ ثابت کیا جائے، قانونی تفریق کا فیصلہ بھی نہیں ملتا تھا، اگر کسی نے یہ دو جرم ثابت کر دیئے تو قانونی تفریق حاصل ہوتی — یعنی اس کو اب بھی دوسری شادی کی اجازت حاصل نہیں ہوتی اور ہر حال میں شرط یہ تھی کہ مقدمہ عدالت میں پیش ہو اور عدالت ہی فیصلہ کرے اور مرد و عورت میں سے جو بھی طلاق کا خواہشمند ہو، اس پر ضروری تھا کہ دوسرے پر زنا ثابت کرے اور عورت فریادی ہے تو مرد پر زنا کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ بھی، — یہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ قانون نے یہ بھی حق دیا تھا کہ مرد اپنی بیوی کے ناجائز دوست سے ہرجانہ — یا یوں کہیئے: بیوی کی عصمت کا معاوضہ وصول کر سکتا ہے۔

۱۸۶۶ء کے قانون میں عدالت کو حق دیا گیا کہ خطاکار شوہر پر مطلقہ عورت کے نفقہ کا بار بھی ڈال دے، اور ۱۹۰۷ء میں "خطاکار" کی شرط بھی اڑا دی گئی یعنی میاں بیوی میں کامل انقطاع کے باوجود عدالت کو حق تھا کہ مرد سے مطلقہ

بیوی کو نفقہ دلوائے۔

۱۸۹۵ء میں طے کیا گیا، شوہر کے ظلم وجور کی وجہ سے اگر عورت گھر چھوڑ کر نکل جائے اور شوہر سے الگ ہو کر رہے تو عدالت شوہر کو بیوی کے پاس جانے سے روک دے گی مگر بیوی کو شوہر سے نفقہ دلائے گی — اسی قانون میں یہ بھی طے کیا گیا کہ عورت اگر شوہر کے تغافل اور بدسلوکی کی وجہ سے زنا کی مرتکب ہوئی اور شوہر نے بیوی پر مقدمہ کر کے طلاق کا مطالبہ کیا تو عدالت شوہر کے مقدمہ کو خارج کر دیگی۔

رپورٹ شاہی کمیشن

۱۹۱۰ء میں ایک شاہی کمیشن مقرر کیا گیا کہ وہ طلاق و نکاح کے مسائل و معاملات پر غور کر کے اپنی رپورٹ پیش کی اس کمیشن نے اپنی رپورٹ میں اور چیزوں کے ساتھ اس کی بھی سفارش کی کہ:

"اسباب طلاق کے اعتبار سے مرد و عورت دونوں کو مساوی قرار دیا جائے یعنی جن وجوہ کی بنیاد پر مرد کو طلاق کی ڈگری پانے کا مستحق ہے — انہی وجوہ کی بنا پر عورت بھی طلاق حاصل کرنے کی مستحق ہے۔"

۱۹۲۳ء کے قانون میں اسے شامل کر لیا گیا۔ اس قانون کی رو سے مرد اگر ایک مرتبہ بھی زنا کا ارتکاب کرے تو عورت مرد سے طلاق لے سکتی ہے۔"

ایک تو اصلاح ہی ناقص ہوئی اور دور اندیشی کا پورے قانون میں کہیں نام و نشان نہیں ہے۔ دوسری طرف ظلم یہ ہوا کہ بہت سے لوگوں نے اس کو بھی برداشت نہ کیا۔ آپ یہ سنکر حیرت میں پڑ جائیں گے کہ ۱۹۳۰ء میں بالفاظ صریح یہ فیصلہ کیا گیا۔

"ہم کسی ایسے مرد و عورت کا نکاح نہیں پڑھا سکتے جسکا سابق شریکِ حیات زندہ ہے۔"[1]

اِنسانی قانون کا انجام

مختصر یہ کہ یہود کے یہاں افراط تھی تو عیسائیوں نے تفریط سے کام لیا، اور اس کا انجام یہ ہؤا کہ جونہی قانون نے طلاق کی معمولی اجازت دی، طلاق بکثرت ہونے لگی۔ ان اعداد سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

"سین کی عدالت دیوانی نے ایک مرتبہ صرف ایک تاریخ میں دو سو چورانوے نکاح فسخ کیے۔ ۱۸۸۴ء میں جب طلاق کا نیا قانون پاس ہوا تھا، چار ہزار طلاقیں واقع ہوئی تھیں۔ ۱۹۰۰ء میں یہ تعداد ساڑھے سات ہزار تک پہنچی۔ ۱۹۱۳ء میں سولہ ہزار اور ۱۹۳۱ء میں اکیس ہزار۔"[2]

جج لنڈسے لکھتا ہے:

"۱۹۲۲ء میں ڈنور میں ہر شادی کے ساتھ ایک واقعہ تفریق کا پیش آیا اور دو شادیوں کے مقابلہ میں ایک مقدمہ طلاق کا پیش ہوا۔ یہ حالت محض ڈنور ہی کی نہیں ہے، امریکہ کے تمام شہروں کی قریب یہی حالت ہے۔"[3]

آرتھر گارفیلڈ ہیس ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ایک مقالہ میں لکھتے ہیں:

"بیس سال قبل ہر سات شادیوں میں ایک طلاق ہونے لگی۔ اب اعداد سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ولایات متحدہ میں ہر تین شادیوں میں ایک طلاق

---

[1] عیسائی طلاق کا بڑا حصہ حقوق الزوجین ضمیمہ ص۳ سے ماخوذ ہے۔ [2] پردہ ص۵۹

[3] پردہ ص۲

ہونے لگی ..... یہ شرح کچھ عرصہ سے برابر بڑھتی جا رہی ہے"[1]

"انگلستان کی ایک عدالت جب تعطیل کے بعد کھلی تو پہلے ہی روز چار ہزار ایک سو نو طلاقوں کی درخواستیں پیش ہوئیں"[2]

جاہلیت کا قانونِ طلاق

اسلام سے پہلے جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ مرد عورتوں کو متعدد طلاقیں دیتے اور رجوع کر لیتے اور اس طرح برسوں عورتوں کو ستاتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک شخص جتنا چاہتا اپنی بیوی کو طلاق دیتا اور عدت کے اندر رجوع کر لیتا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ عورت اس مرد کی زوجیت سے نہیں نکل سکتی تھی۔ ایک مرد سو سے اوپر تک طلاق دیا کرتا تھا[3]۔

اس افراط و تفریط کا اخلاق اور عفت و عصمت پر جو اثر پڑا، اس کی تفصیل لمبی ہے۔ اس سلسلہ کے لیے دوسری بہت سی کتابیں موجود ہیں، ان کو ملاحظہ فرمائیں۔ لاکھوں عورتوں کی عصمت غارت ہوئی۔ لاکھوں مردوں کے اخلاق و اعمال برباد ہوئے۔ ان گنت گھر اجڑے نہ معلوم کتنے ملکوں اور آبادیوں کے اخلاقی اقدار پست ہوئے اور قانونِ طلاق کی ناہمواری کی وجہ سے بیشمار آفتیں اور مصیبتیں پیش آئیں۔

اسلام کا قانونِ طلاق:

اس اندھیری رات میں اسلام کا ماہتاب عالمتاب چمکا اور اسکے جلو میں طلاق کا اسلامی قانون روئے زمین پر نازل ہوا اور اس نے افراط و تفریط کو چھوڑ کر اعتدال کا راستہ پیش کیا اور مظلوم انسانوں کیلئے ابرِ کرم

بن کر برسا۔ یعنی اس مسئلہ میں بھی مرد اور عورت کو ان کا پورا پورا حق دیا گیا، کسی کو اس کے جائز حق سے محروم نہیں کیا گیا۔

اسلام نے طلاق کے باب میں عجلت سے سختی کے ساتھ روکا کہ اس فعل سے دو شخص اور دو خاندانوں کا تعلق ہے۔ ان کی عزت وآبرو اور عفت واخلاق کا معاملہ ہے۔ شریعت میں گو طلاق جائز ہے مگر حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض بتایا گیا ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ابغض الحلال الی اللہ الطلاق	"حلال چیزوں میں سب سے مبغوض
(مشکوٰۃ کتاب الطلاق)	اللہ تعالیٰ کو طلاق ہے۔"

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

ولا خلق اللہ شیئاً علیٰ وجہ	"اللہ نے روئے زمین پر طلاق سے بڑھ
الارض ابغض الیہ من الطلاق	کر کوئی چیز مبغوض پیدا نہیں کی۔"

(مشکوٰۃ کتاب الطلاق)

طلاق فقہاء کرام میں!

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ طلاق در اصل ممنوع ہے۔ ہاں کوئی عارض یا ایسی ضرورت پیش آجائے کہ بغیر طلاق کے کوئی گنجائش ہی نہ ہو تو ایسے وقت میں البتہ جائز ہے جیسے میاں بیوی میں ایسی عداوت یا بغض وکینہ پیدا ہو جائے کہ نباہ غیر ممکن ہو اور حدود اللہ کے ٹوٹنے کا خطرہ لاحق ہو جائے[1]

اور اگر مرد میں وظیفۂ زوجیت پورا کرنے کی صلاحیت سرے سے باقی ہی نہ رہے جیسے عنین (نامرد) ہو، خصی ہو، مجبوب ہو اور یا شکاز[2] کی شکایت ہو تو ان

---

[1] رد المحتار ج ۲ ص ۵۱۴ [2] شکاز: مرد کی ایسی کمزوری جس سے دلی کے وقت انتشار عضو خاص نہ ہے

مجبوریوں کے وقت البتہ طلاق واجب ہوجاتی ہے۔[1]

طلاق کی باگ ڈور مرد کے ہاتھ میں:

دوسرے یہ کہ طلاق کی باگ ڈور مردوں کو سپرد کی گئی اور یہ ایک حقیقت مسلّمہ ہے کہ مرد نسبتاً دُور اندیش، معاملہ فہم، بردباد اور عقل میں عورت سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے آپ پڑھ آئے ہیں۔

علاوہ ازیں مرد شادی کے سلسلہ میں کافی اخراجات برداشت کرتا ہے اور اور اسے مہر کی کافی رقم ادا کرنی پڑتی ہے، پھر عدت کے زمانہ کا نفقہ بھی مرد ہی کے ذمہ ہے اور دوسری شادی کی اسے ضرورت ہوئی تو پھر اس کو اخراجات برداشت کرنے ہوں گے، لہٰذا ان ذمہ داریوں کے ہوتے ہوئے مرد کے لیے طلاق کا استعمال آسان نہیں ہے۔

طلاق کے سلسلہ میں دوسرے قوانین کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس طرح طلاق کے امکانات برائے نام رہ جاتے ہیں۔

طلاق رجعی اور مسئلہ عدت

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ شریعت نے طلاق کا جو مسنون طریقہ مقرر کیا ہے۔ اس میں رجعت کی گنجائش رکھی ہے۔ یہ بھی طلاق کے عدم وقوع کیلئے معاون کی حیثیت رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ گو طلاق تین تک ہے مگر ان کا یکبارگی استعمال سخت ناپسندیدہ ہے۔

---

[1] ردالمحتار ج ۲ ص ۵۲۴

پھر طلاق کے بعد فوراً عورت کو نکاح کی اجازت نہیں ہے بلکہ شریعت نے اس کے لیے عدّت مقرر کی ہے، یعنی اگر بالغہ حائضہ ہے تو تین حیض آنے تک رکی رہے گی۔ یا سرے سے حیض نہیں آتا ہے یا آئسہ ہے تو تین ماہ انتظار کریگی — اور اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضعِ حمل ہے۔ اس عدت کا استبراء رحم اور اولاد کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہ بھی فائدہ ہے کہ طلاق رجعی میں مرد کو سوچنے سمجھنے کا موقع ہے۔

یہاں طلاق کے احکام بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اشارہ کرنا ہے کہ اسلام نے اپنے قوانین میں ان تمام چیزوں کی رعایت ملحوظ رکھی ہے جس سے طلاق بجائے مضر ہونے کے صحیح معنی میں مفید ہو اور کائنات انسانی ان کو راہ عمل بنا کر اپنی عفت و عصمت کی جائز حفاظت کر سکے اور عورتیں ظلم و جور کا شکار بننے سے محفوظ و مامون رہیں۔

آپ طلاق کے اعداد و شمار اٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہو کہ ممالک اسلامیہ میں طلاق نفی کے درجہ میں ہے۔ لہذا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اسلام کا قانون طلاق دنیا کے لیے رحمت ہے، زحمت کا اس میں نام و نشان تک نہیں!

کچھ لوگوں کا کہنا کہ طلاق کا اختیار بجائے شوہر کے عدالت کو ہونا چاہیئے عدمِ تدبر کا نتیجہ ہے اسطرح کا مسئلہ عدالت کے ہاتھ میں دینا اور عیسائیوں کی طرح زنا ثابت کرنا مرد و عورت کی زندگی کو برباد کرنا ہے اور کون نہیں جانتا کہ پھر عورت کی دوسری شادی اس طرح تقریباً ناممکن ہو جاتی ہے۔ اسلام نے خواہ مخواہ عیب جوئی کرنا اور اسے مشتہر کرنا پسند نہیں کیا ہے۔ آپ غور کرینگے تو معلوم ہو گا کہ اسلام نے قاضی کو فسخ نکاح کا اختیار ان ہی امور میں دیا ہے جنکے علان میں کوئی خاص قباحت نہیں بلکہ کچھ مخصوص فائدے ہی ہیں

جیسے شوہر کا عنین وغیرہ ہونا۔

بہر حال مجموعی طور پر اسلام کا قانون طلاق کائنات انسانی کے لیے مفید اور اس کی عصمت و عفت کا محافظ ہے۔

لعان

شوہر اگر اپنی عفیفہ، بالغہ، آزاد اور مسلمان بیوی پر زنا کی تہمت لگائے، اور مقدمہ قاضی کے یہاں لے جائے تو ایسی صورت میں قاضی شوہر سے چار عینی گواہوں کی شہادت ثبوت میں پیش کرنے کو کہیگا۔ اگر شوہر ایسا کرنے سے قاصر رہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر چار مرتبہ کہنا پڑے گا کہ میں اس دعوے میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ کہیگا کہ اگر میں بیوی کو زنا کا الزام لگانے میں جھوٹا ہوں تو اللہ کی مجھ پر لعنت ہو ۔۔۔ اب اگر عورت اپنے کو پاک سمجھتی ہے تو اس کو بھی یہ چار بار کہنا پڑے گا کہ بخدا اس کہنے میں میرا شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہیگی کہ اگر میرا شوہر اس الزام لگانے میں سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔ اسی کو شریعت کی اصطلاح میں "لعان" کہتے ہیں۔

قاضی کے سامنے جب لعانِ شرعی مکمل ہو جائے گا تو شوہر بیوی کو طلاق دے دے اور پھر قاضی دونوں میں تفریق کر دیگا۔ قرآن پاک کی اس آیت میں یہی بیان ہے

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ	جو لوگ اپنی بیویوں کو تہمت لگائیں
لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ	اور ان کے پاس بجز اپنے کوئی گواہ نہ ہو
اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ	تو انکی شہادت یہی ہے کہ چار بار اللہ
اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ	کی قسم کھا کر یہ کہدے کہ بیشک میں
لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ	سچا ہوں، اور پانچویں بار یہ کہے کہ

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَيْهِ	اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت
اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ وَ	ہو، اور اس عورت سے سزا اس طرح
يَدْرَءُ عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ	ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار قسم کھا کر کہے
تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ	کہ بیشک یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں
بِاللّٰهِ اِنَّهُ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ	بار کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر یہ
غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ	سچا ہو۔

یہاں بھی مقصد وہی ہے کہ جب میاں بیوی کی باہمی زندگی تلخ ہو جاتے تو خواہ مخواہ اسے تلخی کے ساتھ رشتۂ نکاح میں منسلک رہنے پر قانوناً مجبور نہ کیا جاتے۔ کیونکہ ایسی حالت میں جبکہ ایک کا دوسرے کو اعتماد حاصل نہ ہو، زندگی ہر اعتبار سے جہنم کا نمونہ بن جاتے گی۔

لِعان کا پہلا واقعہ خود عہد نبوی میں پیش آچکا ہے، جسکی تفصیل کتبِ حدیث میں آپ پڑھ سکتے ہیں۔ اور لِعان کی دوسری تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔

عصمت وعِفّت کے لوازم

عصمت وعفت کے تحفظ کے سلسلہ میں اسلام نے کچھ ایسے آئین و قوانین پیش کئے ہیں، جن کا تعلق رات دن کی زندگی سے ہے، اور ان کا لحاظ وپاس ہر محتاط انسان کے لئے بہت ضروری ہے، کیونکہ ان میں ذراسی غفلت اور کوتاہی انسان کی عفت کو مجروح کر ڈالنے کے لئے کافی ہے۔ جنسی میلان جو انسان کے خمیر میں پیوست ہے، اس میں کچھ ایسی بربریت اور درندگی ہے جو معمولی سی بے حجابی کو برداشت نہیں کرتی، اور موقع پاکر انسان کو ہلاکت میں ڈالنے کے درپے ہو

جاتی ہے۔ پھر شیطان جس نے بنی آدم کی عداوت پر قسم کھا رکھی ہے وہ الگ تاک جھانک میں رہتا ہے اور ناپاک راستہ پر غلط طور پر جذبات کو مشتعل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس لئے اسلام نے نکاح کے پہلے بھی اور بعد بھی "شرم و حیا" سے متعلق کچھ ضروری احکام نافذ کئے ہیں۔

شرم وحیا

شرم وحیا انسان کی ایسی مخصوص صفت ہے جو اسے "لغزش" کے موقع پر سہارا دیتی ہے، اور اس نیک جذبہ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ انسان اپنے جسم کے ان تمام حصوں کو پردہ میں رکھنے کی سعی کرتا ہے جو جنسی میلان میں ہیجانی کیفیت کی وجہ بن سکتے ہیں۔ ستر پوشی کا خیال اسی شرم وحیا کا نتیجہ ہے۔

اس روئے زمین پر بہت سی قوموں میں عریانی کا عام رواج تھا، اور اب تک بہت سے قبیلے اور آبادیاں اس مرض میں گرفتار ہیں، افریقہ اس سلسلہ میں مشہور ہے۔ یورپ میں جو ستر پوشی ہے وہ برائے نام ہے، ان کے لباس اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ عریانی کو بھی شرمانے والے ہیں، مغربی رسالوں میں ننگی تصویریں عام طور سے دیکھی جاسکتی ہیں۔

صحت اور آرٹ کے نام پر عریانی کی اشاعت ہو رہی ہے اور اس راستہ سے عصمت وعفت پر زبردست زد پڑ رہی ہے، آدمی کی "قوت برداشت" جواب دے رہی ہے۔ ایک دن یہی چیزیں اخلاق واعمال کے ساتھ انسانی صحت کو بھی لے ڈوبتی ہیں۔ ایک امریکی رسالہ میں یہ ماتم پڑھیئے، جسے مولانا مودودی نے اپنی کتاب 'پردہ' میں نقل کیا ہے۔

"تین شیطانی قوتیں ہیں جنکی تثلیث آج ہماری دنیا پر چھا گئی ہے - اور یہ تینوں ایک جہنم تیار کرنے میں مشغول ہیں، فحش لٹریچر جو جنگِ عظیم کے بعد حیرت انگیز رفتار کے ساتھ اپنی بے شرمی اور کثرت اشاعت میں بڑھتا چلا جا رہا ہے - متحرک تصویریں جو شہوانی محبت کے جذبات کو نہ صرف بھڑکاتی ہیں بلکہ عملی سبق بھی دیتی ہیں - عورتوں کا گرا ہوا اخلاقی معیار جو ان کے لباس اور بسا اوقات ان کی برہنگی اور سگریٹ کے روز افزوں استعمال اور مردوں کے ساتھ ان کے ہر قید و امتیاز سے نا آشنا اختلاط کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے - یہ تین چیزیں ہمارے یہاں بڑھتی چلی جا رہی ہیں اور ان کا نتیجہ مسیحی تہذیب و معاشرت کا زوال - اور آخر کار تباہی ہے - اگر ان کو نہ روکا گیا تو ہماری تاریخ بھی روم اور ان دوسری قوموں کے مماثل ہو گی جن کو یہی نفس پرستی اور شہوانیت، ان کی شراب اور عورتوں اور ناچ رنگ سمیت فنا کے گھاٹ اتار چکی ہے"۔

شرم وحیا اسلام میں !

اسی دن کے لیے اسلام نے اپنے قانون "شرم وحیا" کا اپنے ماننے والوں میں نفاذ ضروری سمجھا ہے اور پیغمبرِ اسلام نے حیا کی مختلف پیرایہ میں تاکید فرمائی ہے، اور ساتھ ہی ترغیب بھی دی ہے - نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ دیکھا کہ ایک انصاری اپنے بھائی سے کہہ رہا ہے زیادہ شرم نہ کرو - آپ نے سنا تو انصاری سے فرمایا : یہ نہ کہو :

فان الحیاء من الایمان — "کیونکہ حیا جزوِ ایمان ہے۔"

متفق علیہ (مشکوٰۃ باب الرفق والحیاء)

شریعت میں "حیا" اس صفت کا نام ہے جو انسان کو ان تمام چیزوں کے چھوڑنے پر اُبھاد ے جو شریعت میں قبیح ہیں اور اسی بنا پر ارشاد نبوی ہے :

الحیا لا یاتی الا بخیر متفق علیہ ۔ "حیا خیر ہی کی موجب ہوتی ہے

مشکوٰۃ باب الرفق والحیا)

شرم وحیا گویا انسانی زندگی کے لیے ایک ضروری حیثیت رکھتی ہے، افعال میں ہو، اخلاق میں ہو یا اقوال میں۔ جس میں حیا کا جذبہ نہ ہو اس کے لیے ہر آن گمراہ ہونے کا خطرہ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

اذا لم تستحی فاصنع ما شئت ۔ "شرم اٹھانے کے بعد جو جی میں آئے کرو۔"

رواہ البخاری (مشکوٰۃ ص۴۳۱)

یہی وجہ ہے کہ ایک دفعہ رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

الحیاء من الایمان والایمان فی الجنۃ والبذاء من الجفاء والجفاء فی النار رواہ الترمذی واحمد (مشکوٰۃ ص۴۳۱)

"شرم وحیا جزوِ ایمان ہے اور ایمان باعث دخول جنت ہے اور بے حیائی جفا ہے اور جفا باعث دخول دوزخ ہے۔"

شرم وحیا کی اہمیت جتا کر اسلام نے ان تمام چیزوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے جو بے حیائی کی پیداوار ہیں اور جن کی وجہ سے عفت وعصمت اور اخلاق کا دامن داغدار ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ سے متعلق جو احکام وہدایات ہیں ان کا یہاں اجمالی طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ ان تعلیمات سے آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ عفت وعصمت کے تحفظ کے لیے یہ چیزیں کتنی ضروری ہیں۔

مو

بیباک نگاہ اور اسکے متعلق ہدایات

ان میں بدنظری کو ام الخبائث کی حیثیت حاصل ہے کہ یہ تمام فواحش کی بنیاد ہے اسلام نے اس سوراخ کو پہلے بند کیا ہے اور نظر کو آنکھوں کا زنا قرار دیا اور پھر نگاہ کا تیر مشہور ہے اور تجربہ کی دنیا میں مسلّم بھی، عشق و محبت کی تعریف کرنے والوں کی تعریف ہے کہ محبت ایک نادیدہ شے ہے جو آنکھوں کے راستہ دل میں اترتی ہے ۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ نگاہیں شہوت کی قاصد اور اس کی پیامبر ہیں ۔ شعراء نے اس مسئلہ پر سب سے زیادہ روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ کتنی نگاہیں ہیں جو تیر کی طرح دل میں پیوست ہو جاتی ہیں ۔

اسلام سے پہلے کے شعراء نے بھی اقرار کیا ہے کہ دل کے زخمی کرنے میں آنکھ کا بڑا قصور ہے اور اسلام کے بعد کے شعراء نے بھی بتایا ہے کہ نگاہوں سے دل چھلنی ہوتا ہے ۔ پھر اس مسئلہ میں ہر مذہب و ملت کے شعراء متفق ہیں، کوئی اختلاف نہیں ۔ نگاہ کی تاثیر کے باعث اسلام جب آیا تو اس نے اعلان کیا :

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ (سورۂ نور)

" ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ ذرا اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے ستر کو بچائے رکھیں اس میں ان کے لیے پاکیزگی ہے اللہ تعالیٰ کو جو کچھ وہ کرتے ہیں اس کی خبر ہے ۔"

فتنہ کا چشمہ جہاں سے ابلتا تھا اور اخلاق اور سوسائٹی پر جہاں سے ضرب پڑتی تھی ان سوتوں اور سوراخوں ہی کو بند کر ڈالا، جائز حد تک اجازت دی اور اس کے بعد پہرہ بٹھا دیا کہ کوئی شخص قصداً یا بغیر قصد ایسا کوئی کام نہ کرے جو برائی کا

زینہ بن جائے۔ نگاہ جس کو سلف صالحین نے برید العشق (عشق کا پیامبر) سے تعبیر کیا ہے، اسلام نے اس پر قانون کی مہر لگادی اور اسکے نتیجہ اور فائدہ کو بتایا کہ اس سے شہوت کی جگہوں کی صیانت وحفاظت ہوگی۔ نیز یہ چیز تزکیۂ قلوب میں بھی معاون ہوگی۔

اوپر کی آیت میں جس چیز کا حکم فرمایا گیا ہے وہ ایک ایک مسلمان کے لیے لازمی ہے نگاہ نیچی رکھنا فطرت اور حکمت الٰہی کے تقاضے کے مطابق ہے۔ اس لیے کہ عورتوں کی محبت اور دل میں ان کیطرف خواہش فطرت کا تقاضا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ (آلِ عمران) "مرغوب چیزوں کی محبت پر لوگ فریفتہ کئے گئے ہیں جیسے عورتوں پر"

غور وفکر سے معلوم ہوگا کہ آنکھوں کا فتنہ مہلک اور دنیا کے بہت سارے فتنوں اور آفتوں کا بنیادی سبب ہے۔ اسی وجہ سے امام غزالیؒ نے لکھا ہے: کہ آنکھوں کے فتنہ سے یقینی طور پر اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ یہ تمام فتنہ و آفت کا بنیادی سبب ہے۔

ثم علیك وفقك الله وایانا بحفظ العین فانها سبب کل فتنة و آفة (منہاج العابدین ص۲۸)

پھر صاحب منہاج العابدین لکھتے ہیں کہ آیت (قل للمؤمنین یغضوا من ابصارهم الخ) میں رب العزت نے تین چیزیں بیان کی ہیں، تادیب اور تہدید آیت کے ابتدائی حصہ میں تادیب ہے کہ بندہ اپنے آقا کی اس باب میں فرمانبرداری کرے یعنی کسی کی طرف اگر دیکھنا ناجائز ہو تو دیکھنے کی جرأت نہ کرے اور دوسرے حصہ ازکیٰ لهم میں تنبیہ ہے کہ اس غضِ بصر کا فائدہ یہ ہوگا کہ قلب میں پاکیزگی آئے گی اور عبادت میں زیادتی اور دلچسپی پیدا ہوگی اور اگر اس ہدایت پر عمل نہ ہوگا

تو آنکھوں کے ذریعہ کسی نہ کسی فتنہ میں پڑنے کا قوی اندیشہ ہے۔ جس کا نقصان یہ ہوگا کہ سکونِ قلب جاتا رہے گا اور دل وسوسوں کی آماجگاہ بن جائے گا، اور آیت کے آخر حصہ (واللہ خبیر بما یصنعون) میں تہدید ہے: کہ اگر بندوں نے اس ہدایت کی پرواہ نہ کی تو یہ سمجھ رکھیں کہ رب العزت غافل نہیں وہ ساری کارروائیوں سے واقف ہے۔[1]

رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ما ترکت بعدی فتنۃ اضرّ علے الرجال من النساء متفق علیہ (مشکوٰۃ کتاب النکاح)	"میں نے اپنے بعد عورتوں سے بڑھ کر اور کوئی فتنہ مردوں کے لیے ضرر رساں نہیں چھوڑا"

ایک موقع سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فاتقوا الدنیا واتقوا النساء فان اول فتنۃ بنی اسرائیل کانت فی النساء رواہ مسلم (مشکوٰۃ ایضاً)	"دنیا اور عورتوں سے ڈرو کیونکہ بنی اسرائیل میں پہلا فتنہ جو پیدا ہوا تھا وہ عورتوں میں تھا"

اللہ تعالےٰ نے انسانی فطرت کا لحاظ فرمایا، اور شہوت کی رعایت سے نکاح کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ حکم فرمایا: اور پھر اس کے بعد انسانی طبیعت پر کنٹرول کیا، اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کے طریقے بیان کیے۔ حد سے بڑھتی ہوئی حرص جو حریص انسان کی طبعی خواہش ہے اس پر پہرہ بٹھایا — اور کائنات انسانی کو فتنہ و فساد سے محفوظ کر دیا۔

---

[1] منہاج العابدین ص ۲۸، ۲۹ (نوٹ) یہ بات واضح رہنی چاہیئے کہ منہاج العابدین کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ امام غزالی کیطرف منسوب ہے درحقیقت ان کی کتاب نہیں ہے۔ (دیکھیے معارف مارچ ۱۹۵۳ء)

عورتوں کو ہدایت

اگر اسلام نے صراحتاً مردوں کو عفت کی تعلیم دی تو عورتوں کو بھی فراموش نہیں کیا، کیونکہ مرد اور عورت دونوں کا خمیر ایک ہی ہے۔ کم و بیش کا فرق ہے، عورت کی فطرت بھی شہوت اور اس کے دواعی سے خالی نہیں، اس لیے رب العالمین نے فرمایا:

قُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ (نور-۴)

"ایمان والیوں سے کہدے کہ ذرا اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور اپنی شہوت کی جگہوں کو تھامے رکھیں اور اپنی زیبائش نہ دکھلائیں مگر جو ان میں سے کھلی چیز ہے۔"

اِن آیتوں کا لب و لہجہ بتا رہا ہے کہ آنکھوں کی بیباکی اور ان کی آزادی شہوت میں انتشار اور شرمگاہ میں ابھار پیدا کرتی ہے۔ عقلی طور پر سنجیدگی سے غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ آنکھوں میں ایک ایسا زہر پوشیدہ ہے جو موقع پا کر انسانی دل و دماغ میں تیزی سے سرایت کرنے کی سعی پیہم کرتا ہے اور جب سرایت کر جاتا ہے تو دل و دماغ کو ماؤف کر ڈالتا ہے، چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا سُنا ہوگا، کہ اجنبی مرد نے جب کسی اجنبی عورت کو زینت میں دیکھا اور بار بار دیکھا اس کی دبی دبائی چنگاری انگارہ میں تبدیل ہو گئی۔

شہوت کے معاملہ میں جو حال مردوں کا ہے، کم و بیش یہی حال عورتوں کا بھی ہے بلکہ ان کی نگاہ تو اور بھی فتنے جگاتی ہے۔ جذبات میں عموماً عورتیں آگے ہوتی ہیں، اور جلد متاثر ہونا تو ان کے لیے مستقل مرض ہے، واقعات شاہد ہیں کہ بات کی بات

میں عورت بدلتی رہتی ہے، اس لیے ان کو اپنی آنکھوں کی حفاظت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے ایسا نہ ہو کہ کسی خوب رُو تنومند جوان کی ادا بھا جائے ــ اور ظاہر نہ سہی باطن ہی گندہ کر ڈالے، اور یہ بھی نہیں تو یہ ہو کہ دوسری طرف مرغِ بسمل بن کر تڑپنے لگے اور اس کو خبر بھی نہ ہو۔

چنانچہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خود عورت کے دل میں تو کوئی خطرہ نہیں گزرتا، مگر ان کی بے احتیاطی سے کسی مرد کا سکونِ دل جاتا رہتا ہے اور وہ مرد اپنی غرض کے سلسلہ میں اندھا بن جاتا ہے اور پھر سینکڑوں تدبیریں عمل میں لاتا ہے بیسیوں جال بچھاتا ہے اور کبھی کبھی زبردستی کسی معصومہ کی عصمت دری کے درپے ہو جاتا ہے۔ "صدق جدید" لکھنو میں ایک لڑکی کا خط شائع ہوا ہے، وہ لکھتی ہے:

"اسکول جانے میں پانچ چھ نوجوان میرا پیچھا کرتے ہیں"۔ (۱۲ مارچ ۱۵ء)

نگاہ کی حفاظت کا حکم:

اس آیت اور قرآن پاک کی دوسری آیتوں کو سامنے رکھ کر علماء کی ایک بڑی جماعت کہتی ہے کہ عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ یہ کسی اجنبی مرد کو دیکھے۔ اس کا یہ دیکھنا شہوت سے ہو یا بغیر شہوت کے دونوں ہی صورتیں ناجائز ہیں حدیث سے اس کی بھی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضؓ کہتی ہیں: کہ

ع: کالج، یونیورسٹی اور اسکول کے کچھ نوجوان کہتے ہیں کہ چونکہ ہمارے یہاں بے پردگی عام نہیں ہے اس لئے کبھی کبھی ایسی بات ہوتی ہے۔ پردہ یورپ کی طرح بالکل اٹھا دیا جائے تو پھر بدکاری ختم ہو جائے گی اور مخلوط سوسائٹی مردوں اور عورتوں کے احساس کو ماؤف کر ڈالے گی۔ مگر اپنا خیال اس کے بالکل برعکس ہے، دلیل میں صرف امریکہ کے صدر مسٹر ٹرومین کی میڈم کی وہ تقریر پیش کروں گا جو انہوں نے "اخلاقی پستی" کے عنوان پر کی تھی۔ فرماتی ہیں ملث ۲۹۶ پر

میں اور حضرت میمونہ رضہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھی۔ ابن ام مکتوم نابینا کسی ضرورت سے خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ ابنِ ام مکتوم کو دیکھ کر آپ نے ہم سے فرمایا: تم دونوں پردہ میں چلی جاؤ۔ ام سلمہ کہتی ہیں: کہ میں نے رحمت عالم صلعم سے کہا: یا رسول اللہ! کیوں یہ (ابن ام مکتوم) نابینا نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا:

افعمیاوان انتما، الستما تبصرانہ — "کیا تم دونوں بھی اندھی ہو، ان کو نہیں دیکھتیں"

(مشکوٰۃ صہ ۲۶۹ عن ابوداؤد)

یہ واقعہ نزولِ حجاب کے بعد کا ہے۔ اس حدیث سے متعلق کیا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی کسی مرد کو نہ دیکھیں۔ یحفظن فروجھن: کے متعلق سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اس میں فواحش کے بچنے کا حکم ہے۔ قتادہ اور سفیان کہتے ہیں ان تمام چیزوں سے عورتوں کی حفاظت کا حکم ہے جو ان کے لیے حلال نہیں ہے[له]۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(بقیہ حاشیہ صہ ۲۹۵) "یہ لڑکیاں نہ بازاری ہیں نہ حسن فروش۔ پندرہ بیس کی کمسن اور بھولی بھالی لڑکیاں ہیں اکثر یونیورسٹی، کالج اور ہائی اسکول کی طالبات ہیں۔ اسوقت حکومت امریکہ اور امریکن قوم کے سامنے نامعلوم باپ کے بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کا اہم مسئلہ ہے — کنواری ماؤں کے ان بچوں کی تعداد گزشتہ سال سوا لاکھ سے زیادہ تھی، ان میں سے ایک لاکھ بچوں کی مائیں یونیورسٹی کی طالبات ہیں نیز تربیت وتعلیم کے تحقیقاتی کمیشن نے اپنی رپورٹ میں بیان کیا ہے کہ ان بچوں کے باپ کالج ہی کے ہونہار طلبہ ہیں۔ اصل یہ ہے کہ امریکہ میں تمام خاندانوں نے اپنی لڑکیوں کو کامل آزادی دے رکھی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے: کہ ایک نوجوان جو اپنی گھریلو زندگی میں محبت وشفقت سے محروم رہتی ہے کالج میں قدم رکھتے ہی کسی طالب علم سے مل کر عشق ومحبت کے تجربہ کا شکار ہوجاتی ہے"۔ (ندائے حرم کراچی جمادی الاولیٰ ۱۳۶۹ھ)

له ابن کثیر جلد ۳ صہ ۲۸۳

"عورت کو شہوت کے ساتھ کسی طرف قصداً نظر کرنا جائز نہیں، بجز زوج (شوہر) کے۔ بلاشہوت نظر کرنے میں تفصیل ہے کہ عورت کا دوسری عورت کے بدن کو بجز ناف سے زانو تک دیکھنا درست ہے اور مرد کے بدن کو ناف اور زانو کے درمیان تو بالاتفاق حرام ہے اور اس کے ماسوا کا دیکھنا مختلف فیہ ہے۔ شافعیہ کے نزدیک حرام ہے اور حنفیہ کے نزدیک بلاشہوت گو حرام نہیں مگر خلافِ اولیٰ ہے[عہ]۔ چنانچہ ابوداؤد ترمذی ونسائی وبیہقی میں حدیث ہے کہ ابن ام مکتوم رضؓ صحابی نابینا نے حضور کی خدمت میں آنا چاہا تو آپ نے ام سلمہ رضؓ اور میمونہ رضؓ سے فرمایا: پردہ میں ہو جاؤ۔ انھوں نے عرض کیا کہ وہ تو نابینا ہیں ہم کو نہ دیکھیں گے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم بھی نابینا ہو، کیا تم ان کو نہ دیکھوگی! — اور شرعی ضرورت سے اجازت ہے۔ اسی طرح بلاقصد نظر پڑنے سے جبکہ فوراً ہٹالی جائے، گناہ نہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا یہ تفصیل ہے يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ کی۔ اور اس میں مِنْ تبعیضیہ کی وہی توجیہہ ہے کہ بعض جگہ اجازت ہے اور بعض جگہ نہیں"[1]

نگاہ کے فتنے

حافظ ابن القیم رحؒ فرماتے ہیں:

عہ صاحب کشاف لکھتے ہیں وعضها بصرها من الاجانب اصلا اولیٰ بها واحسن (کشاف ج ۳ ص۱۰۷)

[1] بیان القرآن جلد ہشتم ص۱۶

"نگاہ شہوت کی قاصد اور پیامبر ہوتی ہے اور نگاہ کی حفاظت دراصل شرمگاہ اور شہوت کی جگہ کی حفاظت ہے۔ جس نے نظر کو آزاد کر دیا اس نے اس کو ہلاکت میں ڈال دیا اور نظر ہی ان تمام آفتوں کی بنیاد ہے جن میں انسان مبتلا ہوتا ہے، کیونکہ نظر کھٹک پیدا کرتی ہے، پھر کھٹک فکر کو وجود بخشتی ہے اور فکر شہوت کو ابھارتی ہے۔ شہوت ارادہ کو جنم دیتی ہے، ارادہ قوی ہوکر عزیمت میں تبدیل ہو جاتا ہے اور عزیمت میں مزید پختگی ہوکر فعل واقع ہوتا ہے جس سے اس منزل پر پہنچکر اس وقت کوئی چارۂ کار نہیں رہتا جب کوئی مانع حائل نہ ہو"[1]

اسی وجہ سے کہا گیا ہے:

الصبر علی غض البصر الیسر علی الصبر علی الم بعدہ — "آنکھ بند کرنا آسان ہے مگر بعد کی تکلیف پر صبر مشکل۔"

(الجواب الکافی ص ۱۶۷)

کیونکہ نظر کا تیر اگر پیوست ہو گیا تو پھر اس سے حسرت، سوزشِ قلب جگر کی ٹیس اور آہ و فغانِ نیم شبی پیدا ہوتی ہے۔ آدمی اس وقت بے قابو ہو جاتا ہے اور اس کے لیے یارائے ضبط باقی نہیں رہتا اور یہ ایک مستقل عذاب بن جاتا ہے رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس فتنہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ:

النظرۃ سھم مسموم من سھام ابلیس (الجواب الکافی ص ۲۰۴) — "نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے"!

---

[1] الجواب الکافی ص ۲۰۴

من ترکھا من مخافتی ابدلتہ ایمانا یجد حلاوتہ فی قلبہ

رواہ الطبرانی والحاکم وقال صحیح الاسناد (الترغیب الترہیب ج۲ ص۳۷)

ایک لمبی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

العینان زناھما النظر والاذنان زناھما الاستماع واللسان زناھا الکلام والید زناھا البطش والرجل زناھا الخطأ والقلب یھوی ویتمنّٰی ویصدق ذلک الفرج اویکذبہ رواہ مسلم

(مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر ص۲)

"آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے۔ کانوں کا زنا سننا ہے۔ زبان کا زنا بات کرنا ہے ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پیر کا زنا چلنا ہے اور دل کا وہ آرزو اور تمنا کرنا ہے اور شرمگاہ اسکی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔"

بعض سلف نے کہا ہے:

النظر سھم سم الی القلب

(ابن کثیر ج ۳ ص۲۸۳)

"نگاہ ایک تیر جو قلب میں زہر ڈال دیتی ہے"۔

نظر کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اسکی حفاظت بہت ضروری ہے، ورنہ اس سے بڑے بڑے فتنے پیدا ہوتے ہیں۔ قوم اور ملک کا امن و امان خطرہ میں گھر جاتا ہے۔ اخلاق اور اعمال کی مٹی پلید ہو جاتی ہے اور عفت و عصمت دم توڑ دیتی ہے۔

پست نگاہی کی تاکید:

یہی وجہ ہے کہ رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے غض بصر کی تاکید فرمائی ہے اور مختلف پہلوؤں سے اس مسئلہ کو دل نشین فرمایا ہے۔ حضرت علی سے ایک مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا علی لا تتبع النظرۃ فان لک الاولی ولیست لک الآخرۃ۔	"اے علی! ایک بار نظر پڑ جانے کے بعد دوبارہ نہ دیکھو کیونکہ تمہارے لیے صرف پہلی نظر معاف ہے دوسری نہیں"

(مشکوٰۃ ص ۳۱۹)

پہلی نظر جو بغیر قصد پڑتی ہے اس میں انسان بڑی حد تک بے بس ہوتا ہے اس لیے یہ معاف ہے مگر پھر دوبارہ نگاہ نہیں ڈالی جا سکتی، یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ پہلی نظر ڈالنے کی اجازت ہے۔ حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی کہتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جو نظر دفعتاً پڑ جاتی ہے اس کے متعلق کیا ارشاد ہے، آپ نے مجھ سے فرمایا کہ میں اپنی نگاہ پھیر لوں۔

فامرنی ان اصرف بصری (ابن کثیر و مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبہ)	"مجھے حکم فرمایا کہ میں اپنی نگاہ پھیر لوں"

اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

اطرق بصرک (ابن کثیر)	"تو اپنی نگاہ جھکا لے"

نگاہ پھیرنا مختلف طور پر ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کسی طرح اپنے آپ کو اس فتنہ سے جو سامنے ہے بچا لیا جائے ۔ نظر پھیر لی جائے یا نیچی کر لی جائے یا کسی دوسری چیز پر نگاہ جما دے تاکہ نظر فتنہ سے محفوظ ہو جائے،

ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

غضوا ابصارکم واحفظوا فروجکم (الجواب الکافی ص ۲۰۴)	"اپنی نگاہوں کو پست کرو اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو"

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنی مجلس میں فرمایا:

ای شئ خیر للمرأۃ "عورت کے لیے کون سی چیز بہتر ہے"

کسی نے جواب نہ دیا، سب کے سب خموش رہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں : اس مجلس میں خود میں بھی شریک تھا، مجھ سے بھی کوئی جواب نہ بن پڑا۔ جب گھر آیا تو میں نے حضرت فاطمہ سے پوچھا۔

ای شئ خیر للنساء ؟ "عورتوں کے لیے کونسی چیز بہتر ہے"

حضرت فاطمہؓ نے برجستہ جوابدیا :

لا یراھن الرجال "سب سے بہتر یہ ہے کہ مردوں کی نگاہ
(جمع الفوائد) سے عورتیں محفوظ رہیں۔"

حضرت علیؓ اس جواب سے اس قدر خوش ہوئے کہ جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس جواب کا تذکرہ کیا۔ چنانچہ آپؐ بھی خوش ہوئے اور فرمایا "فاطمہ میرا ایک حصہ ہے۔"

راستہ پر مجلس جما کر بیٹھنے سے اسی وجہ سے منع کیا گیا ہے کہ وہ عام گزرگاہ ہے، ہر طرح کے آدمی گزرتے ہیں۔ نظر بیباک ہوتی ہے، ایسا نہ ہو کہ کسی پر نظر پڑ جائے اور وہ برائی کا باعث بن جائے۔ صحابہؓ کرام سے ایک دفعہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راستوں پر بیٹھنے سے پرہیز کرو۔ صحابہؓ کرام نے اپنی مجبوری پیش کی اور بتایا کہ اس سے کبھی چارۂ کار نہیں ہوتا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ تم کو جب ایسی مجبوری ہی ہو تو پھر راستہ کا حق ادا کرو، صحابہ کرام نے پوچھا کہ راستہ کا کیا حق ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

غض البصر وکف الاذی ورد السلام والامر بالمعروف والنھی عن المنکر۔

نگاہ نیچی رکھنا، اذیت کا روکنا، سلام کا جواب دینا اور بھلی بات کا حکم دینا بری بات سے منع کرنا۔

ایک دفعہ آنحضرتؐ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اکفلو الی ستا اکفل لکم الجنۃ اذا حدث احدکم فلا یکذب و اذا اوتمن فلا یخن واذا وعد نا فلا تخلف وغضوا ابصارکم وکفوا ایدیکم واحفظوا فروجکم ۔ (ابن کثیر ج ۳ ص۲۸۲)	تم چھ چیزوں کی کفالت کرو میں تمہارے لئے جنت کا کفیل بنتا ہوں ۔ جب کسی سے بات بیان کرو تو جھوٹ نہ بولو، جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت نہ کرو اور وعدہ خلافی نہ کرو اور اپنی نگاہوں کو پست رکھو، اپنے ہاتھوں کو روکو اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو۔

اس حدیث میں جن چھ چیزوں کی ذمہ داری پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جنت کی کفالت فرما رہے ہیں ان میں غضِ بصر (نگاہ پست رکھنا) اور حفظِ فروج (شہوت کی جگہ کی حفاظت) بھی ہے اس سے نظر کی اہمیت بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے ۔

مسند احمد میں ایک روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ما من مسلم ینظر الی محاسن المرأۃ اول مرۃ ثم یغض بصرہ الا احدث اللہ لہ عبادۃ یجد حلاوتہا (مشکوۃ ص۲۷)	کوئی مسلمان جب پہلی مرتبہ کسی عورت کی خوبصورتی دیکھے پھر وہ اپنی نگاہ پست کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے اس کی عبادت میں شیرینی پیدا کرتا ہے ۔

طبرانی میں ہے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لتغضن ابصارکم ولتحفظن فروجکم (ابن کثیر ج ۳ ص۲۸۲)	تم ضرور اپنی نگاہیں پست رکھو اور شرمگاہوں کی حفاظت کرو ۔

نگاہ پست رکھنے کے فائدے

ایک دفعہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابلیس کے زہر میں بجھائے ہوئے تیروں میں سے نظر بھی ایک تیر ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس کی حفاظت کریگا، اللہ تعالےٰ اس کو ایمان کی شیرینی میں بدل دیگا، جسکی لذت وہ اپنے قلب میں پائے گا[1]

صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شہوت کی جگہوں سے بچنے کا عہد کرے اس کے لئے جنت کی بشارت ہے۔

من یکفل لی مابین لحییه وما	جو شخص اس چیز کا کفیل بن جائے
بین رجلیه اکفل له	جو اس کی داڑھیوں (زبان) اور
الجنة	پاؤں کے درمیان (شرمگاہ) ہے تو
(ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۲)	میں اس کے لئے جنت کا کفیل بنتا ہوں۔

ابن کثیر نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام آنکھیں رو رہی ہونگی مگر ان میں کچھ آنکھیں خوش ہونگی۔ ایک وہ آنکھ جس کو محارم اللہ سے محفوظ رکھا گیا ہے اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستے میں جاگنے کی صعوبت برداشت کی ہے۔ اور تیسری وہ آنکھ جس نے خشیتِ الٰہی سے آنسو بہایا ہے[2]

اس ساری تفصیل کے بعد آسانی سے یہ بات سمجھ میں آگئی ہو گی کہ رب العالمین نے حفظِ ماتقدم کے طور پر جن بہت سی باتوں کا حکم دیا ہے ان میں نگاہ بھی ہے

---

[1] ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۲ [2] ایضاً

اور شہوت کی جگہ سے مکمل اجتناب بھی، اور مقصد یہ ہے کہ عفت و عصمت جو انسان کے لئے نیز پوری قوم اور ملک کے لئے ایک بیش قیمت موتی ہے اس کی حفاظت کے تمام جائز طریقے برتنا ضروری اور انسانی فریضہ ہے۔ تاکہ انسانی سوسائٹی فتنہ وفساد کی آماجگاہ نہ بن سکے اور ملک وشہر کا امن وامان خطرہ میں نہ گھرے۔

اس سلسلہ میں عورتوں کو خصوصی خطاب بھی کیا گیا ہے کیونکہ صیغۂ مذکر میں اصولی طور پر عورتیں بھی مخاطب تھیں، مگر پھر صیغۂ مونث لاکر ان کو مزید تاکید شدید کی گئی ہے۔ خصوصی خطاب کی وجہ ظاہر ہے کہ ان کے متعلق خود قرآن نے کہا

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ۔ مرغوب چیزوں کی محبت نے لوگوں کو فریفتہ کیا ہے۔ جیسے عورتیں۔

جاہلی بے پردگی سے ممانعت:

اور یہی وجہ ہے کہ عورتیں حدود وقیود میں گھری نظر آتی ہیں، شریعتِ مطہرہ نے ان پر ہر جگہ پہرہ لگا دیا ہے اور ان تمام خطرات کی حفاظت کی ہے جو ان کی ذات سے وابستہ ہیں، رات دن کے تجربات ہیں کہ عورتوں کی بیباکانہ چہل پہل مردوں کی جماعت میں ایک شورش پیدا کردیتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ (احزاب-۴) اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور جاہلیت کے وقت میں دکھانے کا جو دستور تھا اس طرح دکھلاتی نہ پھرو۔

اس آیت کا شانِ نزول گو خاص ہے مگر حکم عام ہے، اس آیت میں رب العزت

نے عورتوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ حدودِ شرعی کے اندر رہیں، جاہلیت کی رسم ترک کر ڈالیں۔

جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ عورتیں بن سنور کر مردوں میں بیباک گھومتی تھیں زینت کی عجیب وغریب تدبیریں عمل میں لائی جاتی تھیں، ڈوپٹہ کو اس طرح ڈالتی تھیں کہ سینہ کا ابھار، گلے کے زیورات، کانوں کی بالیاں اور انکی ہیئت فتنہ ساماں ہوتیں، مرد اس ادا کو دیکھ کر مسحور ہو جاتے پھر جاہلیت میں عورتیں مٹکتی چلتی تھیں اور ان کا بانکپن اور انکی ادائیں غضب ڈھاتی تھیں۔ اس لئے اسلام جب آیا تو اس نے اصلاح کی، عورتوں کو پہلے رسم ورواج سے روکا اور پاک زندگی کا سلیقہ بتایا، پہلی بات یہ ہے کہ عورتیں گھر ہی میں رہیں اور ضرورتاً نکلیں تو جاہلیت کے طریقہ پر بن سنور کر نہ نکلیں۔

نزولِ حکمِ حجاب

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اوّل اسلام میں پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا بلکہ ہجرت کے بعد پانچویں سال میں یہ حکم نازل ہوا۔ حضرت فاروق اعظم کو اس کی بڑی فکر تھی اور ان کی دلی خواہش تھی کہ پردہ کا حکم نازل ہو، انہوں نے مختلف طور پر اپنی اس خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کی جن قلبی خواہشوں کو رب العزت نے شرفِ قبولیت بخشا ان میں سے ایک حجاب کا مسئلہ بھی ہے۔ صحیحین میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی

یارسول اللہ ان نساءك يدخل	آپ کی ازواج مطہرات کے پاس
عليهن البر والفاجر فلو	نیک و بد ہر طرح کے لوگ آتے

حجبتهن فانزل الله تعالیٰ آیۃ الحجاب (بخاری کتاب التفسیر ج ۳ ص ۱۱۸)	ہیں۔ کاش آپ ان کو پردہ میں رکھتے اس پر آیت حجاب اُتری۔

اور ان کی اسی درخواست کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ	اے ایمان والو! تم نبی کے گھروں میں بغیر اجازت نہ جاؤ۔

عورتوں سے استفادہ پردہ کی اوٹ سے:

یہ واقعہ حضرت زینب بنت جحش رضؓ کی شادی کے موقع پر پیش آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے جب شادی ہوئی تو لوگوں کو کھانے کی دعوت دی گئی۔ کھانے کے بعد تمام لوگوں کو چل دینا چاہیئے تھا، مگر تین آدمی بات چیت کرتے رہ گئے اور اس موقع پر ان بیٹھنے والوں کی وجہ سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچی، خود تو آپ شرم وحیا کی وجہ سے نہ فرما سکے مگر اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر حجاب کے متعلق پوری ہدایت نازل فرما دی[1]۔ عورتوں سے ضروری استفادہ کی راہ بھی بند نہیں کی گئی بلکہ اس کا ایک معقول اور پاکیزہ تر راستہ باقی رکھا، ارشاد فرمایا گیا:۔

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ۔ (احزاب۔۷)	اور جب تم بیبیوں سے کوئی کام کی چیز مانگنے جاؤ تو پردہ کے باہر سے مانگ لو، اس میں تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے خوب ستھرائی ہے۔

یہ آیتیں گو شانِ نزول میں خاص ہیں، مگر حکم میں عام ہیں۔ تمام مسلمانوں کیلئے

---

[1] بخاری کتاب التفسیر ج ۳ ص ۱۱۹

یہ حکم ہے کہ وہ عورتوں سے جو کچھ لینا ہو پردہ سے لیں، مواجہ نہ ہونے پائے تاکہ طرفین خود بھی محفوظ رہ سکیں اور دوسروں کو بھی غلط فہمی میں نہ پڑنے دیں۔

مخلوط سوسائٹی مضر ہے!

کوئی شبہ نہیں کہ عورت اور مرد کے میل جول کی حالت میں نفسِ انسانی کو بہکنے کا موقع ملتا ہے اور شیطان کے لیے دوسروں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کا غنیمت راستہ ہاتھ آجاتا ہے، ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمیں عورتوں پر اعتماد نہیں ہے اور مردوں کو ہم شیطان سمجھتے ہیں، بلکہ ہم عورت اور مرد دونوں ہی کو قابل اعتماد اور لائقِ وثوق یقین کرتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی ہم اس کے بھی قائل ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کی سرشت میں شہوت ودیعت کی ہے۔ مرد و عورت کی اس میں کوئی تفریق نہیں اور تاریخ کی روشنی میں ہم جانتے ہیں کہ دشمنوں اور بد باطنوں نے پاکدامن عورت و مرد پر تہمت ڈالی ہے اور اس سے پیدا شدہ شر و فتن بھی ہمیں معلوم ہیں، اس لیے عقل کی روشنی میں بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ ایسی تدابیر اختیار کی جائیں جن سے وہ راستے بند ہو جائیں جن سے ہو کر فتنہ و فساد کے چشمے ابلتے رہتے ہیں!

تاریخ اخلاق یورپ نے مرد و عورت کے باہمی میل جول کے نتائج جو سامنے پیش کر دیئے ہیں اور خود ہمارے ملک میں کالج و یونیورسٹی کی ملی جلی زندگی نے جو تجربات فراہم کر دیئے ہیں ان کو سامنے رکھ کر عقلاً بھی پردہ کا شرعی حکم بغیر افراط و تفریط سراپا رحمت ہے۔

مخلوط تعلیم کا اثر عفت و عصمت پر

ایک خاتون ان الفاظ میں اپنی دلسوزی کا اظہار کرتی ہیں:

"جو لڑکیاں مخلوط تعلیم کی پیداوار ہیں، ان کی اخلاقی سیرت کے متعلق یہ کہنا چاہتی ہوں کہ مخلوط تعلیم سے ان کی خلقی عصمت اور غیرت تباہ ہو جاتی ہے، اور ان میں زیادہ سے زیادہ مردانہ اوصاف پیدا ہو کر انھیں زیادہ سے زیادہ خراب کر دیتے ہیں، جسکے بعد گھر یلو زندگی کے نظام سنبھالنے کے قابل نہیں رہتیں۔ موجودہ یونیورسٹیوں کی مخلوط تعلیم جو مغربی خطوط پر قائم ہے۔ ہماری لڑکیوں کے لیے بے سود اور غیر ضروری ہے[1]۔"

جن ملکوں میں مخلوط تعلیم عام ہے ان کے واقعات ملاحظہ فرمایئے: امریکہ کے متعلق وہاں کے جج لنڈسے کا بیان ہے:

"ہائی اسکول کی کم عمر والی چار سو پچانوے لڑکیوں نے خود مجھ سے اقرار کیا کہ ان کو لڑکوں سے جنسی تعلقات کا تجربہ ہو چکا ہے[2]۔"

اسی جج لنڈسے کا بیان ہے:

"اندازہ ہے کہ ہائی اسکول کی کم از کم ۴۵ فیصد لڑکیاں مدرسہ چھوڑنے سے پہلے خراب ہو چکی ہیں[3]۔"

ایک مغربی خاتون مسز ڈون بھی حال اپنے مضمون "عورتوں کی تعلیمی دقت" میں رقمطراز ہیں:

۱؎ زمزم لاہور ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۵ء ۲؎ پردہ از مولانا مودودی صفحہ ۷۱

۳؎ ایضاً

"آخر میں یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ مخلوط طریقۂ تعلیم میں اگرچہ دعویٰ کتنا بھی کیا جاوے۔ ان جذباتی دقتوں کے ازالہ نہیں ہوتا جو نوجوانوں میں صنفی شعور کے آغاز سے پیدا ہو جاتی ہیں اور جو بعض طبائع کے لیے مطالعہ میں کامل انہماک کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتی ہیں جو چودہ اور اٹھارہ برس کی درمیانی مدت میں ناگزیر ہیں۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے مابین روزمرہ کے اختلاط کے نتیجہ کے طور پر نہ صرف جذباتی تعلقات پیدا ہو سکتے ہیں بلکہ مطالعہ اور ضبطِ زندگی کے لیے اور بھی زیادہ تباہ کن یہ بات ہے کہ بعض اوقات شاگرد استاذوں سے جذباتی وابستگی پیدا کر لیتے ہیں[۱]"

یہ جو کچھ پیش کیا گیا ملاؤں کے بیان نہیں ـــ سب جدید تعلیم یافتہ مرد و عورت کے بیانات ہیں اور تجربہ کے بعد دیئے گئے ہیں اور لکھے گئے ہیں۔ جب تعلیمی اداروں اور تعلیمیافتہ طبقہ کا یہ حال ہو پھر عوام کے متعلق آپ کیا رائے قائم کریں گے۔

آپ یقین فرمائیں کہ اسلام کی تعلیمات بڑی دور اندیشانہ اور انسانی نفسیات کے بالکل مطابق ہیں۔ عفت و عصمت کے بچاؤ کی شکل یہی ہے کہ اسلام کی تعلیم کو رواج دیا جائے اور اسے جزوِ زندگی بنایا جائے۔

پاکیزہ نفس و پاکدامن عورتوں کے امتیاز کی ضرورت!

کوئی ذی عقل اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ مختلف طبیعتوں کے لوگ ہر زمانہ میں پائے جاتے ہیں۔ جہاں نیک لوگ بستے ہیں وہیں کچھ بدطینت

---

[۱] ندائے حرم جمادی الاولیٰ ۱۳۶۹ھ

لوگوں کا بھی بسیرا ہوتا ہے جو ہر وقت ٹوہ میں رہتے ہیں اور جن کی نگاہیں بیباک ہوتی ہیں اور اس جماعت میں مرد و عورت دونوں شریک ہیں مگر جو لوگ اس طرح کے ہوتے ہیں، وہ اپنے رہن سہن اور طور طریقہ کے اعتبار سے بڑی حد تک جانے پہچانے جاتے ہیں، بدکار مرد ان عورتوں کو خواہ مخواہ چھیڑنے کی جرأت کرتے ہیں جن کے متعلق ان کو کسی رنگ ڈھنگ سے معلوم ہو جائے کہ یہ دوسری قبیل سے ہیں، اس لیے اسلام جب آیا اور واقعات بھی اس طرح پیش آئے، تو ارشادِ ربانی ہوا:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ	"اے نبی اپنی عورتوں اپنی بیٹیوں اور
وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ	مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے،
يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ	کہ اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں
ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا	لٹکالیں، اس میں زیادہ امید ہے کہ
يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا	وہ پہچانی پڑینگی تو ان کو کوئی نہ ستائے
رَحِيمًا۔ (احزاب - ۸)	گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اِس آیت میں بتایا گیا ہے کہ پاکدامن اور مومن عورتیں اپنا دوپٹہ باضابطہ رکھ لیا کریں جس سے نمایاں طور پر معلوم ہو کہ یہ شریف طبقہ کی عورتیں ہیں۔ زناکار اور بدچلن نہیں ہیں تاکہ فاسق اور بدکار مردوں کو معلوم رہے اور وہ اپنی شرارت کی وجہ سے ان کو چھیڑنے کی ہمت نہ کریں۔

دستور بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ وہ عورتیں جو خاص طرز کا لباس پہنتی ہیں، یا خاص طور پر بن سنور کر نکلتی ہیں اور اپنی خوب صورتی اور زینت کا اعلان کرتی ہیں ان کے متعلق آج تک کوئی مرد اچھی رائے نہیں رکھتے اور جو دوسرے قماش کے ہوتے ہیں، موقع پاکر آنکھ لڑانے کی سعی کرتے ہیں۔ بخلاف ان عورتوں کے

جن کو اپنی عزت و آبرو کا پاس رہتا ہے۔ عصمت مآب اور دیندار ہوتی ہیں۔ ان کے رہن سہن ہی سے یہ بات نمایاں ہوتی ہے اور کوئی بھول کر بھی ان سے الجھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اس آیت کے ضمن میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح تحریر فرماتے ہیں :

"یعنی بدن ڈھانپنے کے ساتھ چادر کا کچھ حصہ سر سے نیچے چہرہ پر بھی لٹکا لیں۔ روایات میں ہے اس آیت کے نازل ہونے پر مسلمان عورتیں بدن اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ دیکھنے کے لیے کھلی رہتی تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ فتنہ کے وقت آزاد عورت کو چہرہ بھی چھپا لینا چاہیئے"۔

عہدِ نبوی میں امتیازی لباس کا حکم :

عہدِ نبویؐ میں کچھ بدمعاش یہودی اور منافق اس طرح کے تھے جو عورتوں کو چھیڑا کرتے تھے اور دوسری قسم کی عورتوں کے ساتھ بعض پاکدامن شریف عورتیں بھی ان کی چھیڑ چھاڑ سے نہیں بچتی تھیں۔ دوپٹہ اور چادر بڑھا کر آپ نے لباس میں امتیاز پیدا کر دیا۔ اس امتیاز پیدا کر دینے کے بعد خود رب العالمین نے فرمایا:

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا (احزاب - ۸)	"اگر منافق لوگ اور جن کے دلوں میں روگ ہے باز نہیں آتے اور نہ جھوٹی خبریں مدینہ میں اڑانے والے باز آئے تو پھر بلا شبہ ہم تم کو ان کے پیچھے لگا دینگے پھر وہ تیرے ساتھ تھوڑے دنوں کے علاوہ شہر میں رہنے نہ پائیں گے"

اس امتیازی شان کے بعد بھی اگر کسی بد طینت نے کسی پاک دامن عورت کو چھیڑا تو اس کو معاف نہیں کیا جائے گا اور عہدِ نبوی میں ایسا ہی ہوا۔ یہودی جلاوطن ہوئے۔

کہنا یہ ہے کہ اولاً تو قرآن کا مطالبہ ہے کہ عورتیں بغیر ضرورت گھر سے باہر نہ پھریں، جیسا کہ قرآن کی اس سلسلہ کی پہلی آیت (وقرن فی بیوتکن) میں اشارہ گزرا، بلکہ قرآن کا صراحتاً حکم گزرا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

ان المراۃ فاذا اخرجت استشرفہا الشیطان واقرب ماتکون بروحۃ ربہا وھی فی قعر بیتہا۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۸۲)	"عورت ستر ہے جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانکتا ہے اور اس کے لیے اپنے گھر کے گوشہ میں ہی رہنا باعثِ رحمتِ الٰہی ہے"

گھر سے باہر آنے کے آداب!

ثانیاً قرآن پاک کا مطالبہ ہے کہ اگر ضرورت کی وجہ سے ان کو نکلنا ہی پڑے تو نگاہیں پست رکھیں اور شہوت کے مقام سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں مثلاً مرد و عورت کا ملا جلا کلب گھر اور مخلوط سوسائٹی، سینما، تھیٹر اور اس طرح کی دوسری جگہوں سے مکمل اجتناب رکھیں۔ جس کا حکم قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ الخ میں گزرا۔

پھر یہ کہ نکلیں تو ستر چھپا کر، اور آزاد عورت کا سارا بدن ستر ہے، بجز ہتھیلی اور چہرہ کے جس کا ذکر لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا میں ہے۔

ثالثاً باہر نکلیں یا کسی کے سامنے آئیں تو چادر (دوپٹہ) اوپر سے ڈال لیں

اور بدن کا تراش و خراش ظاہر نہ ہونے دیں جیسا کہ ابھی آیت گزری یُدۡنِیۡنَ مِنۡ جَلَابِیۡبِھِنَّ اور دوسری جگہ قرآن پاک نے اعلان کیا:

وَلۡیَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوۡبِھِنَّ۔ (نور۔ ۴) | اور اپنی اوڑھنی عورتیں اپنے گریبان پر ڈال لیں۔

دوپٹہ ڈالنے کا طریقہ:

خمار لغت میں اس دوپٹہ کو کہتے ہیں جس کو عورت اپنے سر پر ڈالتی ہے۔ سلف صالحین نے بیان کیا کہ سر پر سے لا کر سینوں پر اس طرح ڈالا جائے کہ جسم کے اُبھار اور مواضع زینت میں سے کوئی حصہ نظر نہ پڑے۔ اس طرح ہرگز نہ ہو کہ دوپٹہ کا آنچل پیچھے کی طرف ڈال لیا جائے جس سے سینہ کا ابھار نہ چھپ سکے بلکہ اس میں اور ابھار پیدا ہو جائے۔ جیسا کہ جاہلیت کے دور میں رواج تھا اور جس کو اسلام مٹانے آیا تھا۔ یہاں یہ حکم ہے کہ قمیض کے اوپر دوپٹہ اسطرح ڈالا جائے کہ پوری ستر پوشی ہو سکے۔

ہمارے شعراء کرام کے یہاں جوبن کے ابھار کو جو جگہ حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں اور طبعًا نیز شعراء وغیرہ کا تازہ کردہ احساس بسا اوقات آدمی کو اس اُبھار کی طرف متوجہ کر دیتا ہے اس لئے موجودہ دور میں اور بھی ضرورت ہے کہ اس کی پوری ستر پوشی عمل میں لائی جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔

یرحم النساء المھاجرات الاول لما انزل اللہ (ولیضربن الخ) شققن مروطھن فاختمرن بھا۔ (بخاری کتاب التفسیر مصری ج ۳ ص ۱۱۳) | "اللہ اول ہجرت کرنے والی عورتوں پر رحم فرمائے جب دوپٹہ کا حکم نازل ہوا تو انھوں نے اپنی چادریں پھاڑ پھاڑ کر دوپٹہ بنا لیا۔

ابن کثیر نے اور بھی بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے : کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں اس آیت پر پورا پورا عمل کیا گیا۔

اظہارِ زینت وغیرہ کی ممانعت :

رابعًا : نکلیں تو کوئی ایسی حرکت نہ ہونے پائے جس سے زینت کا اظہار ہو یا دوسروں کی توجہ اس کی طرف کھنچے ۔ نہ ظاہری طور پر ایسی بات ہو اور نہ باطنی طریقہ پر، بلکہ ہر طرح ظاہر و باطن پاک ہو ۔ باطن کے متعلق تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَ مَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۔ (مومن ۲۰)	" وہ آنکھوں کی چوری اور دلوں کے بھید کو جانتا ہے "

اور ظاہر کے متعلق ہدایت فرمائی :۔

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (نور - ۴)	" اور عورتیں اپنے پاؤں کو زمین پر نہ ماریں کہ ان کی مخفی زینت جانی جائے اور اے ایمان والو سب مل کر اللہ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم بھلائی پاؤ "

عورتیں عموماً پاؤں میں مختلف اور متعدد زیورات پہنا کرتی ہیں — بعض زیور بنایا ہی اس طرح جاتا ہے کہ جب عورتیں اس کو پہن کر چلیں گی اس میں آواز پیدا ہوگی جیسے گھونگرو وغیرہ ، اس طرح کے زیورات بالکل ممنوع ہیں شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے ۔ اور بعض زیور خود تو نہیں بجتے — ہاں دوسرے زیور سے ٹکرا کر آواز دیتے ہیں جیسے چھڑا ، اور کڑا وغیرہ ۔ اس طرح کے زیورات گو پہننا جائز ہیں مگر احتیاط کا حکم ہے کہ چلنے میں ایک دوسرے سے ٹکرا کر آواز

نہ پیدا کریں پھر ان کو پہننے اور پہن کر چلنے میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ ان کی چمک دمک دوسروں کی آنکھوں کو خیرہ نہ کر رہی ہوں کیونکہ آواز ہو یا چمک دمک۔ بسا اوقات یہ بھی فتنہ و فساد بن جاتی ہے۔

اس سے یہ بات بھی بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جب زیورات کے اخفا کا حکم ہے اور ان کی آواز کے متعلق احتیاط اور ممانعت کا حکم ہے تو جن اعضاء میں، یہ زیورات پہنے جاتے ہیں ان کے اخفا کا تو بدرجہ اولیٰ حکم ہوگا اور شریعت میں ان اعضاء کے ستر کا تاکیدی حکم ہے بھی۔ پس معلوم ہوا کہ زیورات اور ان کے اعضاء سب کی ستر پوشی کا حکم ہے۔

لَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِہِنَّ کے ضمن میں بیضاوی کہتے ہیں یہ اس لئے منع کیا گیا ہے، کہ یہ آواز مردوں میں عورتوں کی خواہش پیدا کرتی ہے۔ نیز فرماتے ہیں: یہ تعبیر اس سے زیادہ بلیغ ہے کہ اظہارِ زینت سے منع کیا جاتا۔ بلند آوازی سے روکا جاتا کیونکہ: اس تعبیر میں یہ سب خود بخود داخل ہو گئے۔

تفسیر کبیر میں ہے کہ انسانی فطرت ہے کہ جب مرد عورت کی پازیب کی آواز سنتا ہے تو اس کے جنسی میلان میں تلاطم پیدا ہونے لگتا ہے اور عورتوں کو دیکھنے کی خواہش میں زیادتی آجاتی ہے۔ مشکوٰۃ میں ہے کہ ایک آزاد کردہ لونڈی حضرت حضرت زبیر رضؓ کی صاحبزادی کو حضرت عمرؓ کی خدمت میں لے گئیں۔ لڑکی کے پاؤں میں بجنے والا زیور تھا۔ حضرت عمر رضؓ نے اسے کاٹ ڈالا اور فرمایا: "میں نے رسول اللہ صلعم کو فرماتے سنا:

"مع کل جرس شیطان" (ابی داؤد)

اسی طرح ایک دفعہ حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں ایک عورت بجنے والا زیور پہن کر جانے لگیں تو انھوں نے روک دیا اور فرمایا: اسے اتار کر آؤ اس لیے

کہ حضور اکرم صلعم کو فرماتے سنا:

لا تدخل الملٰئکۃ بیتا فیہ جرس (فتاوی عبدالحی اردو ج ۲ ص۲۷۸)	"اس گھر میں فرشتہ داخل نہیں ہوتا جس میں گھنٹی ہوتی ہے۔"

خوشبو لگا کر نکلنے کی ممانعت:

اس آیت میں جو علت بیان کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ کوئی ایسی چیز نہ کی جائے کہ وہ دوسروں سے عورت کی مخفی باتوں کی چغلی کرتی ہو یا ان کو عورت کی طرف متوجہ کرتی ہو۔ لہذا معلوم ہوا: خوشبو اور عطر اور سینٹ لگا کر گھر سے باہر نہ نکلیں، حدیث میں عورتوں کے لیے مسجد کی اجازت مذکور ہے۔ مگر وہاں بھی گو وہ عبادت کے لیے خدا کے گھر میں حاضر ہو رہی ہیں، خوشبو مل کر نکلنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ ہدایت ہے کہ کپڑوں میں بھی چمک دمک نہ ہو۔ معمولی اور استعمال کے کپڑوں میں مسجد آئیں۔ؑ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عورتوں کو اگر ضرورت کی وجہ سے نکلنے کی حاجت ہو تو اس طرح نکلیں کہ وہ دوسروں کے لیے جاذب نظر نہ ہوں، ایک حدیث ہے:

کل عین زانیۃ والمرأۃ اذا استعطرت فمرت بالمجلس فھی کذا وکذا یعنی زانیۃ (ابن کثیر)	"ہر آنکھ زانیہ ہے اور جو عورت خوشبو لگا کر مجلس پر گزرتی ہے، وہ بھی زانیہ ہے۔" (ابن کثیر ج ۳ ص۲۸۶)

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک عورت سے ملاقات ہو گئی جس سے خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ دریافت فرمایا: مسجد سے آرہی ہو؟ بی بی نے کہا: ہاں! فرمایا: خوشبو ملے

ؑ اس سلسلہ میں میری کتاب "اسلام کا نظام مساجد" کا یہ باب دیکھیں ۱۲ منہ

ہوئی ہو؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! فرمایا: میں نے اپنے محبوب سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو عورت خوشبو لگا کر مسجد میں آتی ہے اس کی نماز اللہ تعالےٰ قبول نہیں فرماتا ہے۔ چنانچہ وہ پلٹی ہیں تو اپنے کپڑوں کو خوب اچھی طرح دھویا۔[۱]

ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الرافلۃ فی الزینۃ فی غیر اھلھا	"اپنے اہل وعیال کے سوا دوسرے
کمثل ظلمۃ یوم القیامۃ لا	لوگوں میں بن سنور کر جانا ہے
نور لھا (ترمذی باب ماجاء فی	جیسے قیامت کے دن کی تاریکی جس
کراہیۃ خروج النساء فی الزینۃ)	کے لیے کوئی روشنی نہ ہو

عام گذرگاہ سے اجتناب کا حکم:

اوپر جو آیت ذکر کی گئی اس سے یہ بھی کنایۃً معلوم ہوا کہ فتنہ سے بچنے کی خاطر صدر راستہ سے نہ گزریں جہاں مردوں کی ریل پیل ہو بلکہ وہ کنارے سے ہو کر گذر جائیں۔ مسجد میں جہاں ان کو حاضری کی اجازت ہے وہیں ان کو حکم ہے کہ پچھلی صف میں ملیں۔ حدیث میں صراحت ہے:۔

خیر صفوف النساء اٰخرھا وشرھا	عورتوں کے لیے بہترین صف
اولھا، رواہ مسلم (ریاض الصالحین ص۵۵)	اس کی پچھلی صف ہے"

اور مردوں کے لیے اسی حدیث میں مذکور ہے کہ ان کے لیے بہترین صف پہلی صف ہے اور بدترین آخری۔ اسی طرح مسجد سے واپسی میں

---

[۱] ابن کثیر ص۲۸۶ ج ۳

ہدایت تھی کہ عورتیں پہلے آجائیں تب مرد مسجد سے چلیں، اور یہ کہ اگر مردوں کا ساتھ ہوجائے تو راستہ کے کنارے ہوجائیں۔ ایک دفعہ ایسا ہو گیا تو آپ نے فرمایا:

استاخرن فانہ لیس لکن ان تحتضن الطریق علیکن بحافات الطریق (ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۶)	"عورتیں پیچھے ہوجائیں۔ عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ راستہ کے کنارے سے چلیں۔"

اس حکم کے بعد عورتوں کا اسی پر عمل رہا، اسی طرح چلتی تھیں کہ ان کا کپڑا دیوار سے لگا ہوتا تھا۔

اسلام میں احترام عفت

آج کون ایسا عقلمند ہے جس کو دنیا کا تھوڑا بہت بھی تجربہ ہو اور وہ ان ھدایات کی حکمتوں کا انکار کر دے، جو قوم اور جماعت ان ہدایات کو نہیں برتا کرتی وہاں عفت وعصمت خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ جس کی خبریں رات دن ہم اخباروں میں پڑھتے ہیں۔ صدق لکھنو کا فائل دیکھ جایئے اس میں اس طرح کی سینکڑوں خبریں مل جائیں گی۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بغیر قصد وارادہ بھی نوجوان تیر نظر کا شکار ہوجاتے ہیں اور ادائے جاناں پر فریفتہ ہو کر جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ اسلام نے فروع سے صرف نظر کیا ہے مگر اصل حقیقت کو خوب سمجھا ہے اور ان تمام راہوں پر آہنی دیوار کھینچ دی ہے جن سے فتنوں کے داخلہ کا خطرہ ہوسکتا ہے اور اس طرح عفت وعصمت کے دامن کو داغدار ہونے سے بچا لیا ہے۔

بات کرنے میں لوچ نہ ہو:

اسی حد تک بس نہیں ہے۔ اسلام نے اس کا حکم بھی دیا ہے کہ وہ اگر وہ کسی اجنبی مرد سے اپنے شوہر کے علاوہ مجبوراً باتیں کرے، گو وہ پردہ کی اوٹ سے ہو تو بھی باتوں میں لوچ اور شیرینی پیدا نہ ہونے پائے تاکہ کسی بد طینت کو شرارت کا موقع نہ ملے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (احزاب - ۴)	اور دب کر باتیں نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہے وہ لالچ کرے اور تم معقول بات کہو۔

اپنے شوہر کے ساتھ بات کرنے کا جو طریقہ ہے، وہ بس اسی کے لیے خاص ہے دوسروں کے لیے وہ طرزِ گفتگو اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ غیر سے جو بات کی جائے وہ صاف اور بھلی ہو، عشوہ و ادا کے ساتھ ہرگز گفتگو نہ کی جائے اور گفتگو میں لب ولہجہ خشک ہی رکھا جائے۔ لگی لپٹی باتیں جس سے مرد کے شیطانی نفس کو حیلہ کی راہ سوجھتی ہے اس سے بالکلیہ اجتناب ضروری ہے۔

فقہائے نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عورت کی آواز ستر نہیں ہے ضرورت کے وقت وہ اجنبی سے بول سکتی ہے۔ ہاں کچھ لوگوں نے لکھا ہے کہ عورت کی آواز بھی ستر ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ایسی گفتگو جس میں لوچ ہو، عورت کے لیے جائز نہیں ہے یا بغیر ضرورت مردوں سے بات چیت کی آزادی نہیں ہے۔

صاحب ردالمحتار نے علامہ مقدسی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ:

"کوئی ناسمجھ صوت المراۃ عورۃ (عورت کی آواز ستر ہے) کا مطلب یہ نہ سمجھے کہ بات چیت کو ہم ناجائز کہتے ہیں بلکہ ہم تو بوقت ضرورت اجنبیوں کے

لیے عورتوں سے کلام کو جائز کہتے ہیں، ہاں ہم یہ جائز نہیں سمجھتے کہ عورتیں تیز آواز میں بولیں، لوچدار گفتگو کریں — آواز میں شیرینی اور جاذبیت پیدا کریں، جس سے مردوں کے دل ان کی طرف کھچیں اور ان کے جنسی میلان میں تحریک پیدا ہو اور یہی وجہ ہے کہ ہم عورتوں کو اذان دینے کی اجازت نہیں دیتے — کہ عموماً اس میں خوش آوازی سے کام لیا جاتا ہے[1]۔"

محرم کے لیے رعایت :

اسلام نے اظہارِ زینت، بے پردگی، چبا کر بات چیت کرنے اور اسطرح کی دوسری چیزوں سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔ البتہ اپنے ان خصوصی رشتہ داروں کے سامنے آنے کی اجازت دی ہے جن کو اپنے خصوصی رشتہ کی وجہ سے طبعاً عورت کے لیے خیر کی خواہش ہوتی ہے۔ جیسے باپ، اپنا خاص بھائی، اپنا لڑکا اور اپنا خاص بھتیجا وغیرہ۔ قرآن پاک میں ارشادِ ربانی ہے :

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ — أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ	"اور اپنی زینت عورتیں نہ کھولیں مگر اپنے خاوند کے لیے یا اپنے باپ کے آگے یا اپنے خاوند کے باپ کے یا اپنے خاوند کے بیٹے کے یا اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی عورتوں کے یا اپنی لونڈیوں کے یا خدمت میں مشغول رہنے والوں کے جو مرد کہ کچھ غرض نہیں رکھتے، یا لڑکوں کے جنھوں نے ابھی عورتوں کے

[1] ردالمحتار ج ۱ ص ۲۸۴

النِّسَآءِ (نور - ۴) بھید کو نہیں پہچانا"

اس آیت میں جہاں بھائی کا ذکر ہے اس سے صرف اپنا حقیقی، علاتی اور اخیافی بھائی مراد ہے۔ چچا زاد بھائی، ماموں زاد، بھائی، پھوپھا زاد بھائی اور اس طرح کے دوسرے وہ بھائی مراد نہیں ہیں جن سے شادی کبھی بھی جائز ہو سکتی ہے۔ ان سے بھی پردہ اسی طرح ضروری ہے جس طرح غیروں سے۔

محرم اس کو کہتے ہیں جس سے کبھی بھی شادی درست نہ ہو اور ابداءِ زینت صرف انہی کے سامنے جائز ہے جو محرم ہیں، ہندوستان اور غیر ممالک میں چچازاد اور ماموں زاد بھائی وغیرہ سے جو بے پردگی کا رواج ہے: شریعت کے خلاف ہے، بھائی کے لڑکے سے مراد آیت میں اپنا سگا، علاتی، اور اخیافی بھائی کا لڑکا ہی مراد ہے۔ دوسرے بھائیوں کے لڑکے مراد نہیں ہیں۔ اسی طرح بہن کے بیٹوں میں صرف حقیقی، علاتی اور اخیافی بہن کے لڑکے شریک ہوں گے، غیر نہیں۔ اپنی عورتوں سے آیت میں دین کی شریک بہنیں مراد ہیں۔ کافر عورتوں سے بھی پردہ ضروری ہے کہ وہ اجنبی مرد کے حکم میں داخل ہیں، ہاں کافر لونڈیوں سے پردہ نہیں ہے۔ غلام بھی اجنبی مرد کے حکم میں ہی ہے ان سے بھی پردہ ہوگا: اگر یہ بالغ ہوں۔

مردوں میں جو نابالغ ہوں یا کم عقلی کی وجہ سے عورت مرد کی اس کو تمیز نہ ہو اور نہ عورت سے اس کو کوئی رغبت ہو، ان سے پردہ ضروری نہیں ہے بقیہ تمام بالغ مردوں سے پردہ عورت کے لیے ضروری ہے گو وہ بوڑھا ہو عنین ہو یا مجبوب ہو۔

جنکے سامنے ابداءِ زینت کی اجازت ہے: اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ خواہ مخواہ کیا ہی جائے۔ ہاں ان کے سامنے کسی وجہ سے ظاہر ہو جائے تو شرعاً

مضائقہ بھی نہیں ہے مگر جن حصّوں کا کھولنا جائز ہے وہ ہتھیلیاں، اور چہرہ ہے۔ جیسا کہ اوپر قرآن کی آیت گزر چکی ہے اور زیادہ سے زیادہ محرم کے سامنے وہ اعضاء بھی ضرورتاً کھولے جا سکتے ہیں جن میں زیور پہنے جاتے ہیں میری مراد کان، بازو اور گردن وغیرہ سے ہے۔ ہاں شوہر سے کسی حصہ کا اخفاء ضروری نہیں ہے۔ البتہ ادب یہ ہے کہ ایک دوسرے کی شرمگاہ نہ دیکھے۔

مخنث عورتوں میں نہ آئے:

مخنث کو بھی عورتوں میں آنے کی اجازت نہیں ہے۔ ابتداء میں اجازت تھی۔ ایک مخنث آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آتا تھا، لوگوں کا خیال تھا کہ اس کو عورتوں کی ذات میں کوئی توجہ نہیں۔ مگر تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس کو بھی عورتوں کے حسن وجمال سے مناسبت ہے۔ چنانچہ ایک دن وہ بیٹھا کسی عورت کی آمد کا نقشہ کھینچ رہا تھا، اس کی خبر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے فرمایا:

الا اری ھذا یعلم ما ھٰھنا — "یہ یہاں کی باتیں جانتا ہے اب یہ
لا یدخلن علیکم (ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۵) — تمہارے پاس نہ آئے۔"

اور اس کے بعد اسے عورتوں میں آنے سے روک دیا گیا ——

مراہق کے لیے ہدایت:

شریعت مطہرہ نے مراہق (یعنی قریب البلوغ) لڑکے کو بھی عورتوں میں آنے کی اجازت نہیں دی اور نہ عورتوں کو ان کے سامنے ابداء زینت کی ——
مراہق کے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایاکم والدخول علی النساء — "عورتوں کے پاس آنے جانے سے
(مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبہ) — پرہیز کرو"

شوہر کے عزیز و اقارب سے اجتناب :

شوہر کے رشتہ داروں کے سامنے ہونے اور مذاق کرنے کا جو رواج ہندوستان میں ہے وہ بھی شریعت کی تعلیمات کے خلاف ہے وہ شوہر کا بھائی ہو یا کوئی اور عزیز، محرم میں صرف شوہر کا باپ داخل ہے دوسرا کوئی نہیں - ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے شوہر کے عزیز و قریب (جیسے بھائی وغیرہ) کے متعلق پوچھا گیا: تو آپ نے ارشاد فرمایا :

الحمو الموت — "شوہر کے رشتہ دار عزیز (بھائی)
(مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبہ) — موت ہیں"

یعنی ان سے تو اور بھی پرہیز کرنا چاہیئے جو غیر محرم ہیں اور قرابت دار ہیں : ان کے نزدیک جانا بھی نہیں چاہیئے اس لیے کہ اقارب سے فتنہ کا خوف، بہت زیادہ بڑھا ہوا ہے اور فتنہ میں پڑنے کا زیادہ امکان ہے کیونکہ یہ تو بے دھڑک پہنچیں گے [1]

کسی مرد سے تنہائی میں نہ ملے

اسلام ان تمام خطروں سے عفت و عصمت کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے جن سے عفت پر حرف آسکتا ہے - کسی مرد کا عورت سے تنہائی میں ملنا جس قدر خطرہ کا باعث ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے - پھر مزید اس سے تہمت جو خواہ مخواہ آئے گی وہ بھی پوشیدہ نہیں - اس لیے رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس

[1] ترمذی ج ۱ ص ۱۴۰ عن اللمعات

بات سے منع فرمایا، ارشاد نبوی ہے:

"کوئی مرد کسی عورت سے تنہائی میں نہیں ملتا ہے مگر تیسرا شیطان موجود رہتا ہے"	لا یخلون رجل بامرأۃ الا کان ثالثہما الشیطان (مشکوٰۃ)

ایسی حالت میں شیطان جانبین کی شہوت میں ابھار پیدا کرنے کی سعی کرتا ہے۔ اور مرد و عورت دونوں کے دل میں برائی کا وسوسہ ڈالتا ہے — یہاں کامیابی نہیں ہوتی تو کسی تیسرے کو بہکاتا ہے کہ ان کے حق میں سوءِ ظن کا اظہار کرے اور اس طرح ناکردہ گناہ میں کلنگ کا ٹیکہ لگوانا چاہتا ہے۔

اس مہذب زمانہ میں برائی کا سبب بہت کچھ یہی طریقہ ہے کہ عورتیں بے باکانہ تنہائی میں اجنبی مردوں سے ملتی ہیں اور باتوں باتوں میں مرد عورت پر اپنی محبت کا غلط سکہ بٹھانا چاہتا ہے۔

جنکے شوہر گھر میں نہیں ان سے بچو!

ایک حدیث میں ہے کہ ان عورتوں کے پاس ملنے کے لیے نہ جایا کرو، جن کے شوہر گھر میں نہیں ہیں اور اس ممانعت کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ شیطان خون کی طرح دوڑتا رہتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شہوت میں تحریک پیدا کر دے۔

"اس لیے کہ شیطان تم میں خون کے دوران کی طرح دوڑتا رہتا ہے"	فان الشیطان یجری من احدکم مجری الدم (مشکوٰۃ ص ۲۶۹)

اسی حدیث میں ہے کہ راوی نے خود ذات بابرکت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق استفسار کیا تو آپ نے فرمایا: میرا بھی یہی حال تھا مگر اللہ تعالےٰ

کے فضل وکرم سے شیطان پر مجھے غلبہ حاصل ہوگیا اور اب اس سے ہر طرح محفوظ ہوں۔

ومنّی ولکن اللہ اعاننی	"اور میرا بھی یہی حال تھا مگر اللہ تعالےٰ
علیہ فاسلم (مشکوٰۃ ص۲۶۹)	نے اعانت فرمائی اب وہ تابع ہے"۔

ان حدیثوں کی روشنی میں مرد و عورت کی باہمی کشش کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے موجودہ دور میں جو کچھ فتنے پیدا ہوتے رہتے ہیں، ان سے بھی اس کی پوری تائید ہوتی ہے اور ہر ذی عقل حدیث کے اس نقطۂ نظر کے ماننے پر مجبور ہے۔

ام المومنین صفیہ رضہ فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ معتکف تھے۔ میں ایک رات آپؐ سے ملنے گئی، چنانچہ میں نے آپؐ سے بات چیت کی، پھر اٹھی کہ واپس چلی چلوں۔ میرے ساتھ آنحضرتؐ بھی ہو لیے تاکہ مجھے گھر تک پہنچا دیں ہم دونوں جا رہے تھے کہ دو انصاری بزرگ گزرے اور جب ان لوگوں نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو اور جلدی سے چل دیے، آپؐ نے ان دونوں سے فرمایا: اطمینان سے جاؤ یہ میرے ساتھ صفیہ بنتِ حی ہیں۔ ان دونوں نے کہا: "سبحان اللہ! یا رسول اللہ" یعنی کیا آپ کے متعلق بھی بدگمانی ہو سکتی ہے"۔ تو آپ نے فرمایا:

ان الشیطان یجری من ابن اٰدم	آدمی میں شیطان خون کی طرح دوڑتا
مجری الدم وانی خشیت ان	پھرتا ہے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ
یقذف فی قلوبکما شرا او	تم دونوں کے دل میں کوئی بات نہ
قال شیئًا۔ متفق علیہ	ڈال دے"۔

(ریاض الصالحین کتاب الملح والمنثورات ص ۶۸۳)

و

جدید تحقیقات ہماری تائید میں:

اب تک اس باب میں قرآن پاک، احادیث اور عقل انسانی کی روشنی میں بحث کی گئی مگر کچھ لوگوں کو اس وقت تک تسکین نہیں ہوتی، جب تک وہ اہل یورپ کی رائے نہیں ملاحظہ کر لیتے۔ چنانچہ ایسے روشن خیال طبقہ کے لیے انسائیکلوپیڈیا وغیرہ کے حوالہ سے کچھ اقوال نقل کیے جاتے ہیں جن سے ہمارے مطمح نظر کی تائید ہوتی ہے:

رومن ایمپائر جو تمام یورپ کی ماں ہے اور جو حکومت تمدن و تہذیب کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھی، یہاں رومن امپائر میں بھی عروج و ترقی کے زمانہ میں عورتیں پردہ ہی میں رکھی جاتی تھیں۔ ان کو باہر کے کاموں سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ انیسویں صدی کی انسائیکلوپیڈیا میں مذکور ہے

"رومانیوں کی عورتیں بھی اسی طرح کام کاج پسند کرتی تھیں جسطرح مرد پسند کرتے ہیں اور وہ اپنے گھروں میں کام کرتی رہتی تھیں، انکے شوہر اور باپ بھائی صرف میدان جنگ میں سرفروشی کرتے رہتے تھے، خانہ داری کے کاموں سے فراغت پانے کے بعد، عورتوں کے اہم کام یہ تھے کہ وہ سوت کاتیں اور اون کو صاف کر کے اس کے کپڑے بنائیں، رومانی عورتیں سخت پردہ کیا کرتی تھیں یہاں تک کہ ان میں جو عورت دایہ گری کا کام کرتی تھی وہ اپنے گھر سے نکلتے وقت بھاری نقاب سے اپنا چہرہ چھپا لیتی اور اس کے اوپر ایک موٹی چادر اوڑھتی جو ایڑی تک لٹکتی رہتی پھر اس چادر پر بھی ایک عبا اوڑھی جاتی جس کے سبب سے اس

کی شکل کا نظر آنا تو کیا جسم کی بناوٹ کا بھی پتہ لگنا مشکل ہوتا تھا۔[1]

عورتوں کی بے پردگی کا نتیجہ :

اس دور میں اس ملک اور قوم کی ترقی وعروج کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ تمام شعبہائے زندگی میں سب سے فائق تھے۔ مگر ٹھیک یہی زمانہ تھا کہ ان کو عیش پرستی اور لہو ولعب کا شوق پیدا ہوا۔ اور پھر اس سلسلہ میں مردوں نے اپنی ہر مجلسِ نشاط میں عورتوں کو شریک کرنا چاہا کہ ان کے بغیر مجلس سونی اور بے رونق معلوم ہو رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں کو پردہ کی قید سے باہر نکالا اور ان کے دامن عصمت کو داغدار کرنے کی سعی کی اور کچھ ہی دنوں میں ان کی عورتیں ناچ و رنگ کی محفلوں میں کھل کر آ گئیں۔ پھر رومانی حکومت کا کیا حشر ہوا؟ بربادی شروع ہو گئی اور ساری عظمت وشوکت کی عمارت زمین پر آ گئی اور بلاشبہ اس بربادی کا بڑا سبب عورتوں کی آزادی ہی تھی۔ تاریخ کی روشنی میں علامہ فرید وجدی تحریر فرماتے ہیں :

"مگر بات یہ ہوئی کہ جب انھیں بے پردہ بنایا گیا تو باقتضائے فطرت مردان پر مائل ہونے لگے اور اس کے لیے آپس میں کٹنا مرنا شروع کر دیا۔ یہ ایک ایسی سیاسی حقیقت ہے جسکے ماننے میں کوئی شخص بحث ہی نہیں کر سکتا ہے۔"[2]

علامہ لوئس ہیرول نے ریویو آف ریویوز جلد ۱۱ میں "پولٹیکل فساد" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے۔ اس میں کہتا ہے کہ :

---

[1] مسلمان عورت ص ۱۵۶ [2] ایضاً ص ۱۵۸

"اعلیٰ درجہ کے اخلاق کی بنیادیں منہدم کرنے میں سب سے زبردست کارکن عورت ہی رہی ہے[1]۔"

پھر آگے چل کر رقمطراز ہے:

"رومانی جمہوری حکومت کے پچھلے دور میں مدبران سلطنت اور اعیانِ مملکت نازک مزاج اور عیش پسند عورتوں کی صحبت بہت پسند کرنے لگے تھے اور ایسی عورتیں ان دنوں بکثرت پائی جاتی تھیں[2]۔"

مرد و عورت کے آزادانہ میل جول کا انجام

پھر عورتوں کے بے پردہ ہونے اور آزادی پانے کے بعد ملک کی کیا حالت ہوئی؟ تاریخ میں پڑھیئے، عورتوں کی آزادی کی وجہ سے ملک کے اخراجات بہت زیادہ بڑھ گئے۔ فتنہ و فساد کے چشمے اُبلنے لگے، ان کے اخلاق و اعمال نے تعفن پیدا کر دیا، اور پھر ہوا یہ کہ:

عورت و مرد کے اس آزادانہ میل جول کی وجہ سے روما والوں میں جیسی کمینہ عادتیں اور گندہ خصلتیں پیدا ہو گئیں تھیں میرا قلم ان کے لکھنے سے شرماتا ہے جن سے ان کی ہمتیں مردہ ہو گئیں ارادے پست ہو گئے اور طبیعتوں میں کمینہ پن آ گیا۔ پھر تو ان میں باہمی چشمک اور خوں ریزی و خانہ جنگی کا زور ہوا، اور یہ فساد اس قدر بڑھا کہ انسانیت کا ان میں نام تک نہیں رہا[3]۔"

---

[1] مسلمان عورت ص ۱۵۸ [2] ایضاً ص ۱۵۹ [3] ایضاً ص ۷۹

یہ ایک تاریخی واقعہ تھا جو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ مگر عرض یہ کرنا ہے، کہ عورتوں کے متعلق حجاب کا جو خداوندی قانون ہے۔ تجربات کی روشنی میں اہلِ یورپ کے بڑے بڑے علمائے بھی اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے۔ چنانچہ فلسفہ حسی کا ہوسس اگسٹ کونٹ اپنی مشہور تصنیف "النظام السیاسیہ علی حسب الفلسفۃ الحسیہ" میں لکھتا ہے:

"جس طرح ہمارے زمانہ میں عورتوں کی سوشل حالت کے متعلق خیالی گمراہیاں پیدا ہو رہی ہیں اسی طرح تغیر نظام تمدن اور آداب معاشرت کے ہر ایک دور میں پیدا ہوتی رہی ہیں مگر وہ لا آف نیچر جو جنسِ محب (عورت) کو منزلی زندگی کے لیے مخصوص رکھتا ہے، اس میں کبھی کوئی اہم تغیر واقع نہیں ہوا۔ یہ قانون الٰہی اس درجہ صحیح اور محقق ہے کہ گو اس کی مخالفت میں سینکڑوں باطل خیالات قائم ہوتے رہے مگر یہ بغیر کسی نقصان یا تغیر کے سب پر غالب آتا رہا...... مردوں کے مشاغل میں عورتوں کی کثرت سے جو خوفناک نتائج اور فساد پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کا علاج یہی ہے کہ دنیا میں جنس عامل (مرد) پر جنس محب (عورت) کے جو مادی فرائض ہیں، ان کی حدبندی اور تعیین کر دی جائے، مرد پر واجب ہے کہ عورت کے تغذیہ کا انتظام کرے، یہی وہ قانون طبعی اور ناموس الٰہی ہے جو جنسِ محب کی اصلی زندگی کو منزلی دائرہ میں محدود کرتا ہے، یہی وہ قاعدہ ہے جو ہیئتِ اجتماعی کے خوفناک اور مہیب اشکال کو احسن و اکمل کر دیتا ہے۔ یہی وہ قانون ہے جو عورت کو اپنے طبعی جذبات سے ترقیِ نوعِ انسانی جیسے شریف فرض کی بجا آوری پر

آمادہ کرتا ہے[1]"۔

علومِ مادیہ کا ایک اور ماہر ژول سیمان اپنے ایک مضمون میں لکھتا ہے :

"عورت کو چاہیئے عورت رہے، ہاں بے شک عورت کو چاہیئے عورت رہے، اسی میں اس کے لئے فلاح ہے، اور یہی وہ صفت ہے جو اس کو سعادت کی منزل تک پہنچا سکتی ہے۔ قدرت کا یہ قانون ہے اور قدرت کی یہ ہدایت ہے، اس لیے جس قدر عورت اس سے قریب ہوگی اس کی حقیقی قدر و منزلت بڑھے گی اور جس قدر دور ہوگی اس کے مصائب ترقی کریں گے۔ بعض فلاسفر انسانی زندگی کو پاکیزگی سے خالی سمجھتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں : کہ انسان کی زندگی دلفریب، پاک اور بے حد پاکیزہ ہے بشرطیکہ ہر مرد اور ہر عورت اپنے ان مدارج سے واقف ہو جائے جو قدرت نے اسکے لیے قرار دیئے ہیں اور اپنے ان فرائض کو ادا کرے جو قدرت نے اسکے متعلق کر دیئے ہیں[2]"۔

عورت اپنے جنسی فرائض سے آگے :

اسی حد تک نہیں بلکہ تجربات نے ثابت کر دیا ہے اور علمائے یورپ کو اس بات کے ماننے پر مجبور کر دیا کہ جو عورت اپنے جنسی فرائض انجام نہیں دیتی وہ عورت نہیں ہے۔ چنانچہ یہی ژول سیمان ایک موقع پر لکھتا ہے :

"جو عورت اپنے گھر سے باہر کی دنیا کے مشاغل میں شریک ہوتی ہے

---

[1] مسلمان عورت ص ۵۸، ۵۹ [2] ایضاً

اس میں شک نہیں کہ وہ ایک عامل بسیط کے فرائض انجام دیتی ہے مگر افسوس ہے کہ عورت نہیں رہتی۔"[1]

سماج کا فریضہ

آج بہت سے مسلمانوں کو اسلامی پردے کی شکایت ہے — وہ مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر اپنے دین کی ان ہدایات پر چراغ پا ہوتے ہیں مگر غور کیجئے، کہ خود علمائے یورپ اس سلسلہ میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ اگسٹ کونٹ "النظام السیاسی" میں لکھتا ہے:

"شوہر یا کسی قریبی رشتہ دار کی عدم موجودگی میں سوسائٹی کا فرض ہے کہ عورت کی ضروریات کا اپنی دولت سے انتظام کرے تاکہ معاش کی ضرورت سے مجبور ہو کر اسے گھر سے باہر کی زندگی میں اپنے آپ کو مبتلا نہ کرنا پڑے۔ کیونکہ حتے الامکان عورت کی زندگی کو منزلی دائرے میں محدود رہنا چاہیئے اور ہماری کوشش ہونی چاہیئے کہ عورت خارجی زندگی کے مصائب اور تکلیفوں سے محفوظ رہے اور قدرت نے اسے جس دائرہ میں محدود کر دیا ہے۔ اس سے باہر نکلنے پر مجبور نہ ہو"[2]

آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کے لئے جو قانون اول مرتب کیا تھا — آج دنیا پھر پھرا کر اسی پر آ رہی ہے، اسلام نے بے کس و مجبور عورت کا بار مسلمانوں کے بیت المال پر ڈالا تھا، کچھ پہلے لوگ سمجھ رہے تھے کہ یہ ملک پر بار ہے جو نہ ہونا چاہیئے — مگر اسے کیا کہیئے کہ خود علمائے یورپ اس حد تک آ گئے ہیں کہ مجبور عورتوں کا بار سوسائٹی پر ڈالتے ہیں۔

---

[1] مسلمان عورت ص ۵۸، ۵۹ [2] مسلمان عورت ص ۷۹

عورتوں کی آزادی — خود ان کے حق میں!

کون نہیں جانتا کہ عورتوں کی آزادی ملک کو تباہ کر ڈالتی ہے۔ قوم کی ریڑھ کی ہڈی توڑ ڈالتی ہے اور خود عورتوں کو جنت سے جہنم میں پہنچا دیتی ہے، عورت اس بیسویں صدی میں خوش ہے کہ اسے حقوق مل رہے ہیں وہ ہر محکمہ میں ملازمت حاصل کر رہی ہے مگر اسے پتہ نہیں کہ مردوں نے اسے بیل گاڑی کی طرح استعمال کرنا شروع کر دیا ہے، اسے ذرہ برابر چین نہیں — اپنے قدرتی فرائض سے دن بدن دور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ مردوں کی تفریح کے لیے عورتوں کو سینما کے پردے پر آنا پڑا — مردوں کی دلبستگی کا سامان مہیا کرنے کے لیے تھیٹر کی ناپاک زندگی قبول کرنی پڑی۔ مردوں کی ہوس پوری کرنے کے لیے ان کو کلب اور ناچ گھروں میں ناچنا پڑا — اور حد یہ ہے کہ محض مردوں کی شہوت پرستی کے سلسلہ میں عورتوں کو عریاں کلب بنانا پڑا۔ مگر اب تک عورت یہی سمجھ رہی ہے کہ مردوں کی غلامی سے ہمیں نجات مل گئی: ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

عورتوں کی آزادی — مردوں کے حق میں!

مرد نہیں سوچتا کہ عورت کی آزادی سے اس کو کیا نقصان ہو رہا ہے — کتنی شریف زادیاں سینما اور تھیٹر وغیرہ کی نمائش بن گئیں — کتنے شریفوں کی بہو بیٹیاں گھر سے نکل گئیں اور کتنی پاک دامن عورتوں کی عصمت رسوا ہو رہی ہے کالج، یونیورسٹی اور کلبوں میں جو کچھ ہوتا ہے اسکے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے ہر پڑھا لکھا جانتا ہے۔

اسلام نے عورتوں کی قدم قدم پر اسی وجہ سے عصمت میں رہنمائی کی ہے کہ نظام تمدن برقرار رہے اور مرد و عورت دونوں اپنے فرائض منصبی بحسن وخوبی انجام دے سکیں جہاں شریعت کی بتائی ہوئی راہ کے خلاف عورت و مرد کا اجتماع ہوتا ہے وہاں یقینی طور پر جلد یا بدیر فتنے اٹھتے ہیں اور دونوں ہی اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہ اور کاہل ثابت ہوتے ہیں ۔

عورت کہاں سے کہاں پہنچتی ہے

ہمیں جناب ماہر القادری صاحب کی اس رائے سے پورا اتفاق ہے کہ

" ذوق تبرج اور شوق بے حجابی صرف چہرہ کی بے نقابی پر ہی قناعت نہیں کرتا، پہلے نقاب اٹھتی ہے، پھر جھکی ہوئی نگاہیں آہستہ آہستہ بلند ہوتی ہیں پھر لباس میں تخفیف ہونا شروع ہوتی ہے — پھر آرائش اور بناؤ سنوار میں یہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ لوگ دیکھیں اور شوق و قدر دانی کی نگاہ سے دیکھیں، ہوسناکیوں، بے اعتدالیوں اور برائیوں کا یہ سلسلہ شاخ در شاخ ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ جو عورت پہلی بار چہرہ کو بے نقاب کرتے ہوئے فرط شرم و غیرت سے پسینہ پسینہ ہوگئی تھی وہ آگے چل کر کلب گھروں میں غیر مردوں سے بغلگیر ہو کر ناچتی، اور تھرکتی ہے۔[1]"

پردہ میں ضعف اعصاب کا شکوہ غلط ہے

جو لوگ پردہ کے نقصانات میں اعصاب کی کمزوری، شہوت کا ابھار اور

---

[1] فاران دسمبر ۱۹۵۱ء ص ۷

تعلیم وغیرہ سے محرومی بتاتے ہیں وہ سراسر غلط ہے خودکشی کے اعداد و شمار نے ثابت کر دیا ہے کہ اعصاب کس کے کمزور ہوتے ہیں۔ شہوت پرستی کا مسئلہ بھی مغرب ومشرق کی بدکاری وزناکاری کے واقعات نے عیاں کر دیا ہے تعلیم کے سلسلہ میں عرض ہے کہ اسلام میں اہل علم عورتوں کی تاریخ پڑھیں جو لوگ کہتے ہیں کہ پردہ میں رہ کر جو شادی ہوتی ہے اس میں طلاق کی نوبت بکثرت آتی ہے۔ اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ یورپ وایشیا، یا پردہ دار اور غیر پردہ والے ملک کے طلاق کے اعداد وشمار جمع کر لیے جائیں[1]۔

ہمیں تو صرف یہ بتانا ہے کہ عصمت وعفت کی حفاظت پردہ ہی میں ہے جس کی اسلام نے ہدایت کی ہے۔ جس کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ یورپ کے بیشتر ممالک میں پردہ سے متعلق عام چرچا شروع ہوگیا۔ جرمنی میں "عورتیں گھروں کی طرف واپس ہوں" کی تحریک شروع ہوئی، امریکہ میں ہر سال ایک لاکھ خودکشی کے واقعات ہوتے ہیں جن میں کامیابی سترہ ہزار کو ہوتی ہے اور ان میں نمبر عورتوں ہی کا بڑھا ہوا ہوتا ہے جو عشق ومحبت کی ناکامی کا نتیجہ ہے۔

غیر عورت کی حالت مرد سے بیان نہ کی جائے!

اسلام نے ان راستوں پر بھی پہرہ بٹھا دیا ہے جو غیر محسوس طور پر عفت و عصمت کے لیے خطرناک ہیں۔ مثلاً رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ عورت جب عورت سے ملے اور اسے دیکھے تو وہ جا کر دوسری عورت کا حال کھول کر اپنے شوہر سے بیان نہ کرے کہ ممکن ہے اس کے شوہر کے دل میں دوسری عورت کی خوبی اور اس کا حسن وجمال گھر کر جائے اور وہ اس کے پیچھے

---

[1] اس سلسلہ میں المرأۃ المسلمہ (فرید وجدی) کا مطالعہ کریں یا اسکا اردو ترجمہ مسلمان عورت

پڑ جائے: ارشاد نبوی ہے :-

لا تباشر المرأۃ المرأۃ فتنعتها لزوجها کانه ینظر الیها۔ (بخاری باب لاتباشر المرأۃ المرأۃ فتنعتها لزوجها)	"عورت عورت کے ساتھ اس طرح نہ رہے سہے کہ وہ اپنے شوہر سے اسکی حالت اس طرح کھل کر بیان کرے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔"

اس طرح شہوت میں ابھار پیدا ہونے کا امکان بلاشبہ ہے اور پھر اس سے فتنہ کے برپا ہونے کا۔

مرد اپنی بیوی کا راز ظاہر نہ کرے :

اسی طرح رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے مرد کو بھی منع کیا ہے کہ وہ اپنے زن و شو کی باہمی راز کی بات کسی غیر مرد سے بیان کرے، ارشاد نبوی ہے :

ان من اشر الناس عند اللہ منزلۃ الرجل یفضی الی امرأتہ وتفضی الیہ ثم ینشر سرھا۔	اللہ تعالےٰ کے نزدیک بدتر وہ شخص ہے کہ وہ اور اس کی بیوی یکجا ہو اور پھر مرد اس بھید کو کھول دے۔"

(مسلم باب تحریم افشاء سر المرأۃ ج ۱ ص۴۶۴)

عورت کو جس طرح دوسری عورت کی ہیئت جسمانی وغیرہ کے بیان سے روکا گیا ہے اسی طرح یہاں مرد کو روکا گیا ہے کہ اپنی بیوی کے پرائیویٹ پہلو کو کسی کے سامنے بیان کرے۔ یہاں بھی اور باتوں کے ساتھ ایک بات یہ ہے کہ دوسرے کے جذبات کو برانگیختہ نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ انسانی شہوت کا حال یہ ہے کہ جہاں کہیں اس طرح کی کوئی بات ہوتی ہے فطرتاً اس میں تلاطم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور تھوڑی ہی دیر کے لیے سہی انسانی دماغ کہاں کہاں کے چکر لگانے لگتا

ہے اس لئے عقل و شعور کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح کی بے ہودہ باتوں سے پرہیز کیا جائے اور شہوت انگیز باتوں سے مکمل اجتناب برتا جائے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ بلا فائدہ مجملاً جماع کا تذکرہ بھی مکروہ ہے، ہاں ضرورت کی بات اور ہے جیسے کوئی یہ سمجھے کہ جماع پر اس کو قدرت نہیں ہے تو البتہ ایسے موقع پر جماع کا تذکرہ مکروہ نہ ہوگا اور تفصیل تو ہر حال میں حرام اور بری چیز ہے[۱]۔

ہیجانی کیفیت پیدا کرنے والی باتوں سے اجتناب

شریعت نے اسی وجہ سے ہر اس طریقہ سے منع کیا ہے جو انسانی طاقت میں ہیجان پیدا کر سکتا ہے اور جس سے کسی فتنہ و فساد یا گناہ — اور معصیت کا اندیشہ سامنے آسکتا ہے۔ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے دواعی پر کڑی نگرانی فرمائی ہے کوئی بھی داعیہ جو عقل و شعور میں معصیت کا موجب ہو سکتا ہے اس کو عمل میں لانے سے منع فرما دیا ہے، چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا:

لا ینظر الرجل الی عورۃ الرجل	"کوئی مرد دوسرے مرد کا ستر نہ دیکھے
ولا المرأۃ الی عورۃ المرأۃ	اور نہ عورت ہی دوسری عورت کا
رواہ مسلم (مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبۃ)	ستر دیکھے"۔

انسانی فطرت ہے کہ ستر کے دیکھنے سے شہوت میں ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ مرد مرد کا ستر دیکھے یا عورت عورت کا، یا یہ شکل ہو کہ مرد عورت کا ستر دیکھے اور عورت مرد کا ستر دیکھے اور شہوت میں جب ہیجان پیدا ہوتا ہے تو خطرہ منڈلانے لگتا ہے۔ انسانی طبیعت بے قرار ہو جاتی ہے اور پھر ایک غلط جذبہ اسکے

[۱] شرح مسلم نووی ج ۱ ص ۴۶۴

دل میں گھر کرلیتا ہے، کبھی مرد کو مرد سے عشق ہوجاتا ہے اور طبیعت میں گندگی ہے تو موقع پاکر گناہ میں مبتلا ہوجاتا ہے، کبھی اس کی شہوت کا زور اسے کسی اجنبی عورت کی طرف مائل کردیتا ہے اور کم وبیش یہی حال عورت کا ہوتا ہے کہ کبھی وہ آپس میں عشق ومحبت کی داستان چھیڑ دیتی ہے اور کبھی کسی غیر مرد سے نظر لطف وکرم کی متمنی ہوتی ہے اور یہ دونوں ہی طریقے غلطی میں بلکہ معصیت میں مبتلا کردیتے ہیں — پھر یہ بھی بات ہے کہ ستر پوشی اسلام میں ضروری ہے اور دیکھنا اس کے خلاف ہوتا ہے یوں بھی رسم ورواج میں ستر پوشی ایک ضروری چیز سمجھی جاتی ہے اور اس کے خلاف کرنا ذلت کی بات!

ایک ساتھ دو مرد یا دو عورتیں نہ لیٹیں:

اور انسانی طبیعت اور اس کی قوتِ شہوت ہی کے پیش نظر اسلام نے اس بات سے بھی روکا ہے کہ دو مرد ایک ساتھ ایک کپڑے میں سوئیں یا لیٹیں — اسی طرح دو عورتیں ایک کپڑے میں لیٹیں یا سوئیں — اسی حدیث کا آخری حصہ ہے:

ولا یفضی الرجل الی الرجل فی ثوب واحد ولا تفضی المرأۃ فی ثوب واحد رواہ مسلم (مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبہ)	"کوئی مرد دوسرے مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ لیٹے اور نہ کوئی عورت ہی دوسری عورت کیساتھ ایک کپڑے میں سوئے یا لیٹے۔

ایک ساتھ دو مرد یا دو عورت کا لیٹنا نفسیات نے بھی غلط ثابت کر دیا ہے کیونکہ اس کا نتیجہ خوشگوار نہیں ہوتا — حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی

کا یہ فرمانا بھی درست ہے کہ یہ چیز شہوت میں بہت ہیجان کا باعث ہو جایا کرتی ہے جس سے کبھی کبھی سحاق کی رغبت ہوتی ہے اور کبھی لواطت کی۔ جو نہایت مبغوض فعل ہیں۔

ستر اور اس کی پردہ پوشی:

مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے جسکا چھپائے رکھنا مرد کے لیے ضروری ہے۔ سوائے بیوی کے اور کسی پر ظاہر نہیں کر سکتا اور آزاد عورت کا ستر چہرہ اور ہتھیلی چھوڑ کر سارا جسم ہی ہے مگر عورت کا ستر عورت کیلئے بھی ناف سے لے کر گھٹنے تک ہی ہے۔ اتنا حصہ عورت کا عورت بھی نہیں دیکھ سکتی سوائے بچہ کی پیدائش کے موقع کے جس میں معذوری ہے یا پھر شوہر کے لیے۔

انسانی فطرت میں بڑی حد تک یہ بھی داخل ہے کہ اپنی شرمگاہ دیکھنے سے بھی شہوت بھڑکتی ہے اس لیے اسلام نے اس سے بھی روکا ہے کہ آدمی تنہائی میں بھی ننگا نہ ہو، پھر یہ مروت کے خلاف بھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایاکم والتعری فان معکم من	"ننگے ہونے سے بچو اس لیے کہ تمہارے
لایفارقکم الاعند غائط و	ساتھ وہ بھی ہیں جو جدا نہیں ہوتے مگر
حین یفضی الرجل الی اھلہ	پاخانہ کے وقت، یا جماع کے وقت
فاستحیوھم واکرموھم	لہذا ان سے شرم کرو اور ان کی
(حجۃ اللہ ج ۲ صفحہ ۱۲۶)	عزت کرو"

دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا:

احفظ عورتک الا من زوجتک	"اپنے ستر کی دیکھ بھال کر، ہاں اپنی بیوی

اوماملکت یمینک فقال	یالونڈی کے پاس ہو تو اور بات ہے
افرأیت اذا کان الرجل خالیاً	اس نے پوچھا اگر کوئی تنہا ہو تو فرمایا
قال فاللہ احق ان یستحییٰ	اس وقت اللہ سے شرمانا حق

ہے۔" (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۲۶/ ۱۲)

ادب کا تقاضا تو بلا شبہ یہی ہے کہ تنہائی میں کراماً کاتبین فرشتے اور خود رب العزت کی موجودگی کا تصور و خیال غالب ہو، اور حیا اور شرم کا پاس باقی رہے مگر ساتھ ہی بالکل ننگے ہونے میں جذبات نفس میں بھی ہیجان کی کیفیت کبھی پیدا ہو جاتی ہے۔ بہرحال ادب اور حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ جب بالکل مجبوری نہ ہو ننگے ہونے کی جرأت نہ کی جائے اور اس طرح بے حیائی کو راہ نہ دی جائے، ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الالا یبیتن رجل عند امرأۃ	"کسی بیاہی عورت کے پاس کوئی غیر
ثیب الاان یکون ناکحاا و ذا	مرد رات نہ گزارے مگر یہ کہ وہ نکاح
محرم رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص ۲۶۸)	کرنے والا ہو یا محرم ہو۔"

یہ سب حفظ ما تقدم کے طریقے ہیں اور کوئی شبہ نہیں سب ہی خطرات کے مقام ہیں۔ اس لیے اجتناب بہت ضروری ہے اور عفت پر حرف آنا ــ اور معصیت میں مبتلا ہونا بڑی حد تک ممکن ہے۔

عورت تنہا سفر نہ کرے!

اسلام نے عفت و عصمت کو کہیں بھی بے سہارے نہیں چھوڑا ہر جگہ گنجائش پر اس کے تحفظ کی سعی کی ہے۔ زندگی میں اگر کبھی عورت کو سفر کی ضرورت پیش آتی ہے تو اسلام سفر میں بھی اس کی عصمت کا سامان کرتا

ہے۔ چنانچہ قانون الٰہی ہے کہ عورت سفر میں اس وقت تک نہیں جا سکتی — جب تک کوئی محرم اس کے ساتھ نہ ہو، حج جو عبادات میں داخل ہے، اور اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے، اسکی ادائیگی بھی وہ بغیر محرم کے نہیں کر سکتی۔ ظاہری احتیاط کو بھی اسلام نے اس باب میں فراموش نہیں کیا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

لا یحل لامراۃ تؤمن باللہ	"مومنہ عورت کے لیے یہ جائز نہیں
والیوم الآخر تسافر مسیرۃ	ہے کہ وہ بغیر محرم کو ساتھ لیے ایک
یوم ولیلۃ الامع ذی محرم	دن اور ایک رات کی مسافت تنہا
علیھا متفق علیہ (ریاض الصالحین)	سفر کرے۔"

محرم وہ شخص ہے جس سے کبھی بھی اس کی شادی جائز نہ ہو جیسے اپنا بھائی باپ وغیرہ یا شوہر ساتھ ہو۔ بغیر محرم کے تنہا عورت کا سفر حرام ہے۔ محرم کے علاوہ کوئی غیر محرم ساتھ ہو اس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں ہے عقل میں بھی بات آتی ہے کہ گھر چھوڑ کر عورت جب باہر جاتی ہے تو اسے خطرات سے ہو کر راستہ طے کرنا پڑتا ہے۔ راستہ میں نیک و بد ہر طرح کے آدمیوں سے ہو کر راستہ طے کیا جاتا ہے۔ خلقتاً عورتیں کمزور ہوتی ہیں، جذبات کی نازک ہوتی ہیں، ان کے عقل و شعور میں نسبتاً وہ پختگی نہیں ہوتی جو ہونی چاہیئے۔ اس لیے ایسے موقع پر کسی خاص آدمی (جیسے شوہر باپ بھائی وغیرہ) ہی ساتھ ہونا ضروری ہے جو اس کی ہر موقع پر مناسب امداد کر سکے اور کبھی رفیق سفر سے امداد و اعانت سے متاثر ہو تو کوئی غلط جذبہ اُبھارنے والا نہ ہو — ایک دفعہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

لا یخلون رجل بامراۃ الا	"کوئی مرد کسی ایسی عورت سے نہ ملے

ومعها ذو محرم ولا تسافر	جسکا محرم اس کے ساتھ نہ ہو، اور
المرأة الاذی محرم فقال	کوئی عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے
رجل یارسول اللہ ان امراتی	ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ!
خرجت حاجة وانی کنت	میری بیوی حج کو جارہی ہے اور میں
فی غزوة کذا وکذا قال	نے غزوہ کی شرکت کا ارادہ کرلیا
قال انطلق فحج مع امراتك	ہے آپ نے فرمایا تو اپنی بیوی کے
متفق علیہ۔ (ریاض الصالحین ص ۱۷۸)	ساتھ حج کے لیے جا۔"

اِس حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے اس سے عورتوں کے متعلق قانون الٰہی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ان کی عفت و عصمت اور دوسری ضروریات کا کتنا لحاظ اور پاس ہے۔ جہاد کے مقابلہ میں اس بات کو ترجیح دی گئی کہ مرد اپنی بیوی کے ساتھ سفرِ حج میں جائے، عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔ جہاد کی شرکت سے بھی ضروری اس وقت عورت کے ساتھ جانا ہے۔

سفر میں جاتے ہوئے گھر کی حفاظت!

مرد سفر میں جاتا ہے تو وہاں بھی عورتوں کو فراموش نہیں کرسکتا، اپنی اور بیوی دونوں کی عفت و عصمت اور دوسری ضرورتوں کا لحاظ پاس کرنا ضروری ہے، سفر کے لیے گھر سے نکلتا ہے تو اس کے لیے مسنون طریقہ یہ ہے کہ ایسی دعائیں پڑھے جس میں اپنے اور اپنے بال بچوں کے تحفظ اور آرام کی درخواست ہو۔ خود رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم جب سفر کے لیے نکلتے تو دعا پڑھتے جس کا ایک حصہ یہ ہے:

اللّٰھم انت الصاحب فی السفر	"اے اللہ! تو سفر میں مالک ہے اور

والخلیفه فی الاهل، اللّٰھم انی	اہل وعیال میں خلیفہ، اے اللہ میں
اعوذبك من وعثاء السفر وکاٰبة	تیری پناہ میں آتا ہوں کہ سفر کی مشقت
المنظر وسوء المنقلب فی المال	اور برا منظر پیش آئے اور اسکے کہ مال اور
الاهل (ریاض الصالحین باب مایقوله اذا رکب الخ)	عیال میں برائی دیکھوں۔"

اور امت کو بھی یہ ہدایت ہے کہ نکلتے ہوئے یہ پڑھے اور اللہ تعالےٰ سے دعا کرے کہ تمام اور باتوں کے ساتھ رب العزت تو میرے بال بچوں اور بیوی کی محافظت کرنا، الٰہ العالمین اس بات سے پناہ مانگتے ہیں کہ سفر سے واپسی پر مال اور بال بچوں میں کوئی ناگوار بات دیکھنے میں آئے ۔ گویا اس طرح وہ اپنے بال بچوں کو اللہ تعالےٰ کی خصوصی محافظت میں دیتا ہے یوں تو اللہ تعالےٰ ہمیشہ ہی محافظ ہے ۔ پھر آنحضرتؐ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جہاں سفر کی ضرورت پوری ہوجائے فوراً اپنے بال بچوں میں واپس آؤ، ارشادِ نبوی ہے :

السفرة قطعة من العذاب یمنع	"سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے ۔ تم کو
احدکم طعامه وشرابه ونومه	کھانے پینے اور سونے سے روک دیتا
فاذا قضی نھمته من سفره	ہے لہٰذا جوں ہی سفر کی ضرورت ختم ہو
فلیعجل الی اهله متفق علیه	جلدی سے بال بچوں میں پلٹ آؤ۔"

(ریاض الصالحین باب استحباب تعجیل السفر)

مجاہدین کے گھروں کی عفت کا خیال

مجاہدین اسلام کی بیویاں جو شوہروں کے جہاد میں چلے جانے کے بعد تنہا رہ جاتی ہیں، ان کے درجہ اور ان کی حرمت کو عام مسلمانوں کی عورتوں سے بہت بڑھا کر رکھا گیا ہے ۔ ان کو ماں کا درجہ دیا گیا ہے اور ان کی عفت وعصمت کا لحاظ ہر

ہر مسلمان پر ضروری قرار دیا گیا ہے ۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

حرمة نساء المجاهدين على	" مجاہدین کی بیویوں کی عزت گھر پر رہنے
القاعدين كحرمة امهاتهم ما	والوں کے لیے ان کی ماں کے برابر ہے
من رجل من القاعدين يخلف	کوئی گھر میں رہنے والا مجاہدین میں سے
رجلا من المجاهدين في اهله فيخونه	کسی کے اہل میں خیانت کا ارتکاب
فيهم الا وقف له يوم القيامة	کرے گا تو قیامت کے دن اس مجاہد
فيأخذ من حسناته ماشاء	کو لایا جائیگا اور وہ اس خائن کی جتنی
حتى يرضى	نیکیاں لے کر خوش ہوگا لے لے گا "

(ریاض الصالحین باب تحریم الخلوة بالاجنبیة ۔ ص ۶۶۵)

قوانینِ استیذانؑ

اِسلام نے جہاں تمام جزئی و کلی اُمور کے لیے قوانین وضع کیے اور ضابطے مقرر کیے وہاں یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ گھروں کے داخلہ کے لیے کوئی باضابطہ دستور نہ بناتا چنانچہ اس نے عفت و عصمت کے تحفظ اور دوسری حکمتوں کے پیشِ نظر یہ ضابطہ قرار دیا کہ کوئی غیر کے گھر میں اس کے مالک کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو — اور پھر حصولِ اجازت کا طریقہ یہ بتایا کہ اسے عمل میں لا کر اجازت طلب کرے۔

گھروں میں داخلہ

سوائے اس گھر کے جو رہن سہن کے لیے نہیں ہے یا ہے مگر وہ عام ہے آنے کی کسی کو رکاوٹ نہیں جیسے خانقاہ کا وہ حصہ جو عوام و خواص ہر ایک کے لیے ہے۔ مدرسہ جہاں کسی کو ممانعت نہیں — سرائے جو ہر شخص کے لیے برابر ہے۔ دروازہ اور دالان جو بنایا ہی عام لوگوں کے لیے گیا ہے یا وہ گھر جس میں کوئی رہتا نہیں ہے بلکہ اس میں سامان وغیرہ ہے۔ اس طرح کے گھر میں تو بلاشبہ بغیر حصولِ اجازت بھی آ سکتا ہے کہ یہ اپنے وضع ہی کے اعتبار سے عام ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا	" اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان گھروں
بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا	میں داخل ہو جس میں سامان ہے
مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا	کوئی رہتا بستا نہیں اور جو کچھ تم ظاہر

تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ (نور-۴) کرتے اور چھپاتے ہو، اللہ کو معلوم ہے

ہاں جن لوگوں کو ایسے عام گھروں سے روک دیا گیا ہے وہ البتہ نہیں جا سکتے ہیں:

گھروں میں بغیر اجازت داخلہ ممنوع

بقیہ اور دوسرے گھروں کا حکم یہ ہے کہ بغیر اجازت داخل نہ ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا	"اے ایمان والو اپنے گھروں کے سوا
بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی	کسی گھر میں داخل نہ ہو جب تک
تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی	اجازت نہ لے لو اور اس گھر والے کو
اَهْلِهَا ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ	سلام نہ کر لو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر
لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ (نور-۴)	ہے تاکہ تم یاد رکھو۔"

غیر کے گھر میں داخل ہونا چاہے تو پہلے شرعی طریقہ سے اجازت حاصل کر لی جائے یہ گھر خواہ اس کی ملکیت ہو یا وہ کرایہ پر رہتا ہو اور یا وہ عاریتہً اسمیں گزر بسر کرتا ہو۔ پھر اس گھر میں محارم ہوں یا غیر محارم — مرد رہتے ہوں یا عورتیں۔ تمام شکلوں میں جو مختارِ خانہ ہے اس سے اجازت لینی چاہیئے بغیر اس کے کوئی چارۂ کار نہیں۔ خود گھر والا اجازت دے یا اس نے جس کو اجازت دینے کا اختیار دیا ہے، وہ اجازت دے۔

طلب اجازت کا شرعی طریقہ:

حصولِ اجازت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ وہاں پہنچکر سلام کرے — اور پوچھے کیا میں اندر آؤں؟ آنے کی اجازت مل جائے تو اندر جائے اجازت نہ ملے

یعنی گھر کے مختار نے کہا کہ ابھی نہیں آسکتے تو ایسی حالت میں فوراً پلٹ آئے اصرار نہ کرے اور نہ زبردستی کرے اور اگر آواز دی: جواب نہیں ملا تو تین مرتبہ اذن کے لیے شرعی طریقہ اختیار کرے، تیسری مرتبہ بھی کوئی جواب نہ ملے تو پلٹ آئے اور ایسا گھر جس کے متعلق صراحت کے ساتھ معلوم نہیں ہے کہ اس میں کوئی ہے یا نہیں تو اسطرح کی مشکوک حالت میں بھی بغیر اجازت اندر داخلہ کا حکم نہیں ہے۔ ارشاد رب العالمین ہے:

فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا	"پھر اگر اس میں کسی کو نہ پاؤ تو اسمیں
تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ	داخل نہ ہو جب تک تم کو اجازت
وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا	نہ مل جائے اور اگر جواب دیا جائے کہ
فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَاللَّهُ	لوٹ جاؤ تو پھر جاؤ۔ اس میں
بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ○	تمہارے لئے پاکیزگی ہے اور جو
(نور-۴)	تم کرتے ہو اللہ تعالے جانتا ہے"۔

فرض کرلیا جائے کہ گھر میں کوئی نہ ہو تو سوال ہے کہ دوسرے کے یہاں تم جانے کا کیا حق رکھتے ہو جب کہ وہ گھر ایسا ہے جہاں اذنِ عام نہیں اور گھر والے نے جب کھل کر کہہ دیا کہ واپس جائیے تو پھر کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی — اس کے بعد زبردستی جانا کسی کو ایذا دینا ہے اور ایذا سخت جرم ہے — دوسرے اپنی رسوائی بھی ہے کہ خواہ مخواہ دوسرے کے یہاں جم گئے — اسی لیے علماء نے لکھا ہے: کہ جب کہہ دیا گیا کہ واپس ہو جاؤ تو اجازت کے حصول کے لیے اصرار نہ کیا جائے پردہ میں سہولت کا طالب نہ ہو اور نہ دروازہ پر کھڑے ہو کر انتظار کیا جائے۔ کیونکہ یہ ساری شکلیں کراہت سے خالی نہیں ہیں؛ نیز آداب حسنہ کے خلاف ہیں بلکہ واپس پلٹ جائے۔ دروازہ بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے۔ صاحب

کشاف نے اس آیت کے ضمن میں اس کی صراحت کی ہے۔[1]

طلبِ اذن کی حکمت

پھر طلب اذن میں بڑی حکمت اور بہت فائدے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ طلبِ اذن جس کو حدیث کی اصطلاح میں "استیذان" کہتے ہیں واجب ہے اور واجب پر عمل ضروری ہے، دوسرے یہ کہ کیا معلوم دفعتہً اندر جانا تمہارے لیے خود مضر ہو یا گھر والے کا اس سے نقصان ہو، اور ان میں سے جو بھی صورت ہو، ہر ایک سے اجتناب ضروری ہے — تیسرے یہ ہو سکتا ہے دفعۃً (یکبارگی) جانے میں نظر ایسے محل پر پڑے جہاں دیکھنا ناگوارِ خاطر ہو، خود جانے والے کے لیے بھی — اور گھر والوں کے لیے بھی — کبھی ایسا بھی ہوتا ہے: دفعتہً کسی ناپسندیدہ یا ناجائز چیز پر نظر پڑ جانے سے زندگی کو روگ لگ جاتا ہے اس لیے عقل و خرد کا تقاضا یہی ہے کہ کسی کے گھر میں اجازت حاصل کیے بغیر گھسنے کی جرأت نہ کی جائے۔

ایسی حویلی میں ایک باپ کی متعدد اولاد ہوں اور وہ سب یا کچھ ان میں سے شادی شدہ ہوں، تو ایسی حالت میں بھی اپنا خیال ہے کہ اصول کے مطابق اجازت کے حصول کی ضرورت ہے، اس لیے کہ غیر محرم عورتیں ہیں، یا کم از کم ایسی صورت اختیار کی جائے کہ گھر کی عورتیں داخل ہونے سے پہلے خبردار ہو جائیں اور وہ اپنے کو سنبھال لیں، اور یہ طریقہ ہر زنانہ گھر میں جانے کے وقت اختیار کرنا چاہیے۔

[1] کشاف ج ۳ ص ۷۰

طلبِ اذن کی صحابۂ کرام کو تعلیم

رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے استیذان کی تعلیم عملی طور پر صحابۂ کرام کو دی، اس لیے اس سے متعلق واقعات حدیث کی کتابوں میں بکثرت آئے ہیں - طلبِ اذن کے باب میں حضرت ابو موسٰی اشعری رضؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الاستیذان ثلاث فان اذن لک والا فارجع منفق علیہ (ریاض الصالحین باب الاستیذان)	"طلب اذن تین مرتبہ ہے اگر اجازت مل جائے تب تو خیر ورنہ واپس ہو جانا چاہیئے"

بنی عامر کے ایک شخص کا بیان ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ گھر کے اندر تھے - دروازہ پر پہنچ کر درخواست کی، داخل ہونے کی اجازت ہے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آواز پہنچی تو خادم سے فرمایا: باہر جو شخص آیا ہے اس کے پاس جاؤ اور اس کو اجازت طلب کرنے کا شرعی طریقہ سکھاؤ، اسے بتانا کہ تم اس طرح کہو: "السلام علیکم" کیا میں اندر آؤں؟" دروازہ پر جو شخص آیا تھا — اس نے آنحضرتؐ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کو جو آپ اندر اپنے خادم کو دے رہے تھے — سُن لیا اور اب کے کہا: "السلام علیکم" اندر حاضر ہو سکتا ہوں؟" نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جب شرعی طریقہ سے طلب اذن سنا تو آپ نے اس کو اجازت دے دی - اور وہ شخص اندر آیا[1]

حضرتؐ کلدہ بن الحنبل رضؓ کہتے ہیں کہ میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا، اور بغیر سلام کیے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو گیا — یہ دیکھ کر آنحضرتؐ صلے اللہ علیہ وسلم

[1] ریاض الصالحین باب الاستیذان و آدابہ

نے فرمایا: واپس جاؤ اور یہ کہو : " السلام علیکم ، کیا میں اندر آؤں ؟ "[1]

صحابۂ کرام کا عمل

اِن حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اجازت جب لینی ہو تو پہلے سلام کیا جائے پھر اندر حاضر ہونے کی اجازت طلب کرے ، بغیر سلام طلب اذن ناپسندیدہ طریقہ ہے ، اوپر والی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اجازت کے لیے تین مرتبہ آواز دی جائے گی - تیسری مرتبہ بھی جب جواب نہ ملے تو واپس ہو جائے ۔

حدیث میں حضرت ابوموسےٰ رضؓ کا واقعہ مذکور ہے کہ یہ حضرت عمر رضؓ کی خدمت میں آئے - تین مرتبہ شرعی طریقہ کے مطابق اجازت طلب کی — کوئی جواب نہیں ملا پلٹ آئے ۔ حضرت عمر رضؓ کسی کام میں مصروف تھے - اطمینان ہوا تو فرمایا : کہ اُن (ابوموسیٰ) کو بلا لو — آدمی ان کو بلانے باہر آیا تو دیکھا حضرت ابوموسیٰ جا چکے ہیں — جا کر حضرت عمر کو خبر دی ، پھر دوبارہ جب کسی موقع سے حضرت ابوموسیٰ رضؓ آئے تو حضرت عمر رضؓ نے دریافت فرمایا کہ اس وقت کیوں واپس ہو گئے جواب دیا کہ تین مرتبہ میں نے اجازت چاہی — اجازت کی آواز نہیں آئی - چلدیا کیونکہ رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے :

ان استاذن احدکم ثلاثا	" تم میں سے کوئی تین بار طلب اذن کرے
فلم یوذن لہ فلینصرف	اور اس کو اجازت نہ دی جائے تو اسکو
(ابن کثیر جلد ۳ ص۲۸۱)	پلٹ آنا چاہیئے "

خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے کہ آپ حضرت سعد بن عبادہ رضؓ کے

---

[1] ریاض الصالحین باب الاستئذان وآدابہ

یہاں تشریف لائے اور اجازت چاہی — تین مرتبہ سلام کے ساتھ اجازت طلب کی، کوئی جواب نہیں ملا تو تیسری مرتبہ کے بعد واپس ہو گئے۔ اتنے میں حضرت سعد دوڑے آئے اور آپ کو لے گئے۔[1]

دروازہ پر تانک جھانک کی ممانعت!

اجازت کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ دفعتہً گھر والے کو دیکھ نہ لے خود سید الکونین صلے اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے کہ آپ ایک مرتبہ اپنے حجرہ میں بیٹھے ایک چھری لیے سر کھجلا رہے تھے کہ کوئی آیا اور جھانکنے لگا۔ آپ کو اس کی خبر ہوئی تو بہت خفا ہوئے اور فرمایا — اگر مجھے علم ہوتا تو اس کی آنکھیں پھوڑ ڈالتا۔ کیا اس کو معلوم نہیں ہے کہ :

انما جعل الاستیذان من اجل البصر - (بخاری
باب الاستیذان من اجل البصر ج ۴ ص۶۰)

"دیکھ لینے ہی کی وجہ سے طلب اذن کا قانون بنایا گیا ہے"

اسی وجہ سے حکم ہے کہ اصولی طور پر اس کو دروازہ سے علیحدہ ہو کر کھڑا ہونا چاہیئے۔ دائیں بائیں جدھر مناسب ہو — کھڑا ہو جائے، دروازہ کے بالکل مقابل نہ کھڑا ہو۔

حضرت عبداللہ بن بسرؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم، جب کسی دروازہ پر آتے تو دروازہ کے مقابل نہیں کھڑے ہوتے تھے بلکہ دائیں جانب کھڑے ہوتے یا بائیں جانب، اور فرماتے : السلام علیکم، السلام علیکم، راوی

---

[1] ابن کثیر ج ۳ ص ۲۷۹

کا بیان ہے کہ عہد نبوی میں دروازوں پر پردہ لٹکانے کا رواج نہیں تھا۔ اس کا منشا یہ ہے کہ اگر پردہ ہو تو دروازہ کے سامنے کھڑا ہونا بھی ناجائز نہیں ہے' مگر اصول کے پیشِ نظر اب بھی مناسب یہی ہے کہ دروازہ کے بالکل مقابل کھڑے ہو کر اجازت طلب نہ کی جائے۔ کیونکہ بسا اوقات پردہ اٹھا کر کوئی اندر سے نکلتا ہے تو سامنے سے گھر کے آدمی پر نظر پڑ جاتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر حاضر ہوا۔ اور اجازت طلب کی، وہ شخص دروازہ کے مقابل تھا۔ آپ نے اشارہ سے فرمایا کہ ایسے (یعنی دائیں) یا ایسے (بائیں کھڑے ہو، اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ طلب اذن نگاہ ہی کی وجہ سے ہے[1]۔

پھر دروازہ پر پہنچ کر تاک جھانک نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ تاک جھانک دروازہ کی دراز سے ہو یا کھڑکی وغیرہ سے — کیونکہ اس سے مقصد ہی فوت ہو جائیگا، پھر اس لیے کہ آپ ابھی پڑھ چکے کہ نگاہ ہی سے بچنے کے لیے یہ قاعدے وضع کیے گئے — رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سختی سے ممانعت کی ہے۔ صحیحین میں یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لو ان امراء اطلع علیك بغیر اذن فقذفته بحصاة ففقأت ما کان علیك جناح۔	"اگر کوئی بغیر اجازت تم کو جھانکے اور تم اس کو کنکری اٹھا کر مارو۔ جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔"

(ابن کثیر ج ۳ ص ۲۷۹)

---

[1] ابن کثیر ج ۳ ص ۲۷۹

جس جرم کی اتنی سخت سزا رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں ہو۔ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فی نفسہٖ یہ جرم کتنا بڑا ہوگا۔

طلب اذن کے وقت اپنا مشہور نام بتائیے:

سلام کے بعد طلب اذن کے لیے جب آواز دے اور گھر سے کوئی پوچھے کون ہے؟ تو اجازت چاہنے والے کو اپنا مشہور نام بتانا چاہیئے، جواب میں یہ نہیں کہنا چاہیئے ۔ "میں ہوں" ۔ اس لیے کہ اس سے پتہ نہیں چلتا، کہ کون آیا ہے ۔ تاکہ گھر والے کو اجازت دینے میں سہولت رہے ۔ آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے مبہم جواب کو ناپسند فرمایا ہے۔

ایک دفعہ حضرت جابرؓ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے ۔ آپ نے اندر سے فرمایا، کون ہیں؟ حضرت جابرؓ نے کہا: "میں ہوں"۔ رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو سن کر ناپسند فرمایا اور کہا: یہ "انا، انا" (میں میں) کیا۔[1]

اس طریقۂ استیذان کی بعد میں صحابہ کرام نے بھی تعلیم فرمائی اور خود بھی برابر عمل کیا ۔ اور دوسروں کو بھی عمل کرنے کی تاکید کی

محرم بھی اجازت حاصل کرے:

یہ استیذان (اجازت چاہنا) اپنے لوگوں سے بھی چاہیئے ۔ یعنی اپنی ماں بہن وغیرہ ہوں تو ان سے بھی اجازت لے کر اندر داخل ہونا چاہیئے، بلکہ بڑی حد تک ضروری ہے، استیذان والی آیت کے شانِ نزول میں بیان کیا

---

[1] مشکوٰۃ باب الاستیذان عن البخاری ومسلم

گیا ہے کہ ایک انصاری عورت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور شکوہ سنج ہوئی کہ کبھی میں اس حال میں ہوں کہ میں پسند نہیں کرتی کہ کوئی مجھے دیکھے خواہ باپ ہو، خواہ بیٹا — اور طرفہ تماشا یہ ہے اسی حال میں ہوتی ہوں اور گھر والے آتے جاتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا الخ

حدیث میں متعدد واقعات اس طرح کے آتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم بھی اندر آئیں تو اجازت لے کر آئیں، اس لیے کہ معلوم نہیں گھر میں عورتیں کس حال میں ہوں، عموماً جانبین میں کوئی پسند نہیں کرتا کہ عورتوں کو اس حالت میں دیکھے کہ وہ آزادانہ بیٹھی ہوں جو عورتوں میں خاص نشست ہوتی ہے۔ اپنا تو خیال ہے کہ گھر میں صرف بیوی ہو تو بھی خبر دے کر داخل ہونا چاہیے کیونکہ طبعاً آدمی اپنی بیوی کو بھی بے ستری میں دیکھنا پسند نہیں کرتا اور نہ عورت ہی اسے گوارا کرتی ہے۔

ماں سے بھی طلب اذن

ایک شخص نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اپنی ماں سے بھی اجازت طلب کروں۔ آپ نے فرمایا: ہاں! استیذان ماں سے بھی ہے اس نے کہا کہ میں تو ان کے ساتھ گھر میں رہتا ہوں۔ مقصد کہنے کا یہ تھا کہ ماں کا مجھ سے پردہ نہیں ہے پھر طلب اذن کی کیا ضرورت ہے — رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان سے بھی اجازت لے لیا کرو۔ اس شخص نے کہا: میں ان کی خدمت کرتا ہوں یعنی اسی وجہ سے برابر آنا جانا ہوتا ہے پھر طلب اذن کی کیا ضرورت ہے — دشواری بڑھ جائے گی۔ آنحضرت نے سمجھا کر فرمایا — "اپنی ماں کی خدمت میں بھی حاضر ہونا ہے تب بھی اجازت

حاصل کر لیا کرو، کیا تم ماں کو ننگی دیکھنا پسند کرو گے"؟ اس نے کہا "نہیں!" آپؐ نے فرمایا: "تو پھر اسی وجہ سے تو کہتا ہوں کہ اجازت حاصل کر کے جاؤ"۔[1]

سلف صالحین کا طریقہ

حضرت زینب کہتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود جب کسی ضرورت سے اندر آتے تو پہلے دروازہ پر آکر رُک جاتے — کھانستے، تھوکتے اور اسکے بعد اندر آتے، دفعتہً بغیر اطلاع آنا پسند نہیں کرتے تھے، یہ زینب حضرت عبداللہ بن مسعود کی زوجہ محترمہ ہیں۔[2]

حضرت ابو عبیدہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ جب گھر آتے تو اجازت طلب کرتے، دروازہ پر آکر زور سے آواز دیتے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ آدمی جب اپنے گھر میں داخل ہونے لگے تو دروازہ پر آکر زور سے کھانسے — یا زور سے اپنا جوتا پٹکے جس سے اندر خبر ہو جائے کہ مرد آرہا ہے۔[3]

استیذان میں تین سلام جو رکھے گئے ہیں — ان کا مقصد یہی ہے کہ پہلا گھر والے سن لیں — دوسرے سلام کی آواز پر سنبھل جائیں اور تیسرے کی آواز پر اجازت دیں یا روک دیں۔

ابن العربیؒ لکھتے ہیں کہ غیر کے گھر میں اذان حاصل کرنا ضروری ہے — اور اپنا گھر ہو تو طلب اذن واجب نہیں ہے مگر گھر میں اگر ماں بہن وغیرہ بھی رہتی ہوں تو جانے کے لیے کھانسے، اس کے بعد اندر داخل ہو اور دروازہ پر پہنچ کر پیر پٹکے جس سے اندر عورتوں کو آنے کی خبر ہو جائے کیونکہ کبھی ماں بہن بھی ایسی

---

[1] باب الاستیذان عن المالک واحکام القرآن لابن العربی ج ۳ ص ۹۸ [2] ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۰ [3] ایضاً

حالت میں ہوتی ہیں کہ جس حالت میں دیکھنا ہم پسند نہیں کرتے۔[۱]

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ماں بہن کی خدمت میں حاضر ہونا ہو تو بھی اجازت لے لی جائے۔

حضرت ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے پوچھنے والوں نے بار بار پوچھا۔ کہ اپنی ماں بہن جس گھر میں رہتی ہو اس میں بھی جائے تو اجازت لے لی جائے گی آپ نے ہمیشہ فرمایا: ہاں لی جائے گی، تکرار کرنے پر سمجھایا کہ کوئی بھی اپنی ماں بہن کو بے پردہ دیکھنا پسند نہیں کرتا، پھر تم کو خواہ مخواہ اصرار کیوں ہے۔[۲]

عفت کا اسلام میں لحاظ

یہ جو کچھ عرض کیا گیا، ان میں غور کیا جائے اور دیکھا جائے کہ اسلام نے اپنے قوانین میں دوسری حکمتوں اور مصلحتوں کے ساتھ ساتھ عفت و عصمت کا بھی کتنا عمدہ تحفظ کیا ہے، اور ان تمام بنیادی باتوں میں عفت و عصمت کا کس اہمیت کے ساتھ لحاظ کیا ہے۔

موجودہ دور میں غفلت

مگر افسوس یہ ہے کہ یہ سارے طریقے اور آداب جو اسلام نے گھر میں داخلہ کے لئے مقرر کیئے ہیں جنکو قرآن پاک نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے حدیثوں میں جس کی تاکید آئی ہے۔ خود رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے جن کو برتا، صحابہ کرامؓ کو تعلیم فرمائی اور پھر صحابہ کرام نے جن پر زندگی بھر عمل کیا۔ یہ احکام آج مسلمانوں میں متروک ہیں۔ مسلمانوں کے گھرانوں میں ان پر عمل نہیں کیا جاتا۔ ضرورت ہے

---

[۱] ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۱ [۲] احکام القرآن لابن العربی ج ص ۹۸

کہ ان آداب و احکام کو عمل سے بھی زندگی بخشی جائے۔

حق یہ ہے کہ عفت و عصمت کے تحفظ کا جو سامان قوانینِ الٰہی میں ہے اور کہیں نہیں مل سکتا۔ اس سلسلہ میں اہتمام کا یہ حال ہے کہ بالغین اور مراہق کا حکم بیان کرنے کے بعد قرآن نے ان کا حکم بھی بیان کیا ہے جو غیر مراہق اور بچے ہیں، اور وہ سوچ سمجھ کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ غیر محارم کے متعلق معلوم ہوچکا کہ ان سے مکمل پردہ کیا جائے گا، صرف ضرورت کے وقت چہرہ اور کفّین کے کھولنے کا حکم ہے مگر یہ بھی اس وقت جب فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ محارم کا حکم بھی بیان ہوچکا کہ ان سے بھی تمام اعضاء وجوبی طور پر چھپائے جائیں گے۔ صرف ان موقعوں کے سوا جو عام طور پر کھولے جاتے ہیں یا کھلے رہتے ہیں جیسے چہرہ ہتھیلیاں، بازو، سر اور پنڈلی وغیرہ۔ مگر مطلب یہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ان اعضاء کو کھولے۔ غلام، عورت کے لیے غیر محرم کے حکم میں ہے۔ اس سے مکمل پردہ ضروری ہے۔ کافرہ لونڈی کا بھی حکم محرم کا سا ہے۔

خاص اوقات میں سب کے لئے استیذان:

یہاں یہ بتانا ہے کہ چھوٹے نابالغ لڑکے اور لونڈیاں جو محرم کے حکم میں ہیں خاص وقتوں میں ان کو بھی پرہیز کا حکم دیا گیا ہے، اگر ان مخصوص وقتوں میں یہ نابالغ لڑکے اور لونڈیاں آنا چاہیں تو یہ سب بھی اجازت حاصل کریں کہ یہ وقت عموماً بے پردگی کے ہیں اور آدمی کے کھل کر رہنے سہنے کے ہیں۔ اللہ تعالٰی ارشاد فرماتے ہیں:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	"اے ایمان والو! تم میں سے اجازت
لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ	لے کر آئیں لونڈی اور غلام، اور تم

مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ
لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ
مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ
وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ
الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ
الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ
لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ
جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ
عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ
الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ

(نور — ۸)

میں کے وہ جو بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں
تین وقت میں۔ فجر کی نماز سے پہلے
اور جس وقت تم دوپہر میں اپنے
کپڑے اتار رکھتے ہو اور عشاء کی نماز
کے بعد، یہ تین وقت تمہارے لیے
بدن کھلنے کے ہیں، ان وقتوں کے
بعد نہ تم پر تنگی ہے اور نہ ان پر —
(کیونکہ) تمہارے بعض بعض کے
پاس آتے جاتے ہی رہتے ہیں، اللہ
یوں ہی کھولتا ہے باتوں کو تمہارے
لیے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔"

اس آیت میں تین مخصوص وقتوں کا ذکر ہے۔ ایک، نماز فجر سے پہلے، جو آدمی کے لئے خوشگوار وقت ہے اور سو کر بیدار ہونے کا وقت ہے، رات کی بےخبری میں عموماً اس وقت ستر کھلے رہ جاتے ہیں، گہری نیند کی وجہ سے ستر پوشی کا زیادہ اہتمام نہیں ہوتا — دوسرا وقت دوپہر کا بیان کیا گیا ہے۔ جس وقت آدمی دن کا کھانا کھا کر قیلولہ کرتا ہے اور تھوڑی دیر کھل کر آرام کرتا ہے، گرمی کے زمانہ میں عام طور پر لوگ اس وقت بے خبر اپنے کمروں میں سوتے ہیں اور بعض لوگ گرمی سردی دونوں زمانوں میں دوپہر میں سوتے ہیں اس لیے کھلی بات ہے کہ نیند اور غفلت میں بے خبری کا غالب قرینہ ہے تیسرا وقت نماز عشاء کے بعد — یہ بھی آرام کا وقت ہے۔ آدمی دن بھر کی تکان

لیے بستر پر آتا ہے اور یہ سمجھ کر کہ سب آرام کر رہے ہیں بہت بے پرواہ لیٹتا اور سوتا ہے — مزید یہ کہ ان تینوں وقتوں میں کم وبیش شادی شدہ اپنی بیوی سے وابستگی کرتا ہے — بوس وکنار کی نوبت آتی ہے اس لئے حق ہے کہ بچے اور لونڈیاں بھی اطلاع دے کر اندر داخل ہوں۔ بغیر اجازت گھس جانے کی ہمت ہرگز نہ کریں۔ کیونکہ اگر موقع شرم وحیا کا ہوا تو آدمی شرم وحیا سے گڑ جاتا ہے اور دلی رنج وتکلیف محسوس کرتا ہے۔ لونڈی اور خادم چونکہ بالغ ہوتی ہے، اس لیے وہ خود بھی بعض موقعوں پر شرمندہ ہوئے بغیر نہ رہے گی — ان کے علاوہ وقتوں میں چونکہ یہ کیفیتیں عموماً نہیں ہوتیں اس لیے کوئی خاص پابندی نہیں ہے۔ پھر بچوں کا روکنا بھی مشکل ہے کہ وہ آنے جانے کے عادی ہوتے ہیں۔ یہی حال لونڈی اور خادمہ کا ہے کہ وہ کام کاج کے لیے آمد ورفت پر مجبور ہے ان کو کہاں تک روکا جائے گا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ پہلی آیتوں میں جو استیذان کا حکم آیا ہے۔ وہ اجنبی اور غیروں کے لیے ہے اور اس آیت میں استیذان کا حکم قرابت داروں کے لیے ہے، یعنی ان لوگوں کے لیے ہے جو محارم میں داخل ہیں بعض علماء لکھتے ہیں کہ پہلی آیت میں استیذان کا حکم عام تھا اور عام لوگوں کے لیے تھا۔ اور تمام وقتوں کے لیے تھا اور اس آیت میں خاص لوگوں کو طلب اذن کا حکم ہے اور خاص وقتوں میں ہے — اور صحیح ہے!

اس آیت میں ملکت سے مراد صرف لونڈی ہے کیونکہ عبد (غلام) غیر محرم میں داخل ہے، یہ مردوں میں آئیں گے مگر عورتوں کے سامنے جانے کی ان کو اجازت نہیں ہے۔ پردہ کے خاص وقتوں میں ان پر بھی پابندی عائد کر دی گئی ہے جن کے آنے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ پردہ کے خاص وقتوں میں ان پر بھی

پابندی عائد کر دی گئی ہے، جن کے آنے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں —— یہ احتیاطی تدبیر اختیار کی گئی ہے اور عقلاً بہت مناسب ہے۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کا تفسیری ترجمہ لکھتے ہیں:

"اے ایمان والو! تمہارے پاس آنے کے لیے تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیے: ایک تو نماز صبح سے پہلے اور دوسرے جب سونے لیٹنے کے لیے دوپہر کو اپنے بعضے کپڑے اتار دیا کرتے ہو۔ اور تیسرے نماز عشاء کے بعد، — یہ تین وقت تمہارے پردے کے وقت ہیں، یعنی یہ اوقات چونکہ عادۃً اور غالباً تخلیہ و استراحت کے ہیں، ان میں اکثر آدمی بے تکلفی سے رہتے ہیں، اس لیے اپنے مملوکین اور نابالغ بچوں کو سمجھا دو کہ بے اطلاع اور اجازت لیے ہوئے تمہارے پاس نہ آیا کریں کہ وجوب استیذان کی علت اس میں پائی جاتی ہے، اور ان اوقات کے سوا نہ تو بلا اجازت آنے دینے میں اور منع نہ کرنے میں تم پر کوئی الزام ہے نہ بلا اجازت چلے آنے میں ان پر کچھ الزام ہے کیونکہ وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔ کوئی کسی کے پاس، اور کوئی کسی کے پاس، مطلب اس کا موافق مذہب حنفیہ کے یہ ہے کہ غلام تو تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں، نہ کہ عورتوں کے پاس، کیونکہ غلام کا حکم غیر محرم مرد کا سا ہے، اور لونڈیاں عورتوں کے پاس بھی، اور اسی طرح نابالغ بچے سب جگہ نظر آتے ہیں۔ پس ہر وقت اجازت لینے میں دقت ہے اور چونکہ یہ وقت پردے کے نہیں ہیں اس لیے ان میں اعضاء مستورہ کو چھپائے رکھنا کچھ مشکل

نہیں۔ پس مرد تو غلام کے سامنے ناف سے زانو تک چھپائے رکھے،
اور عورت کافر لونڈی سے بجز مواقع زینت کے سب چھپائے رکھے
اور مرد کو لونڈی سے اگر وہ اس کے لیے حلال ہے، کسی بدن کا
چھپانا ضرور نہیں، اور اگر حرام ہے تو ناف سے زانو تک چھپائے
رکھے اور عورت مسلمان لونڈی سے صرف ناف سے زانو تک چھپائے
رکھے سو اس استثنار میں کوئی دشواری نہیں، لہذا بے اذن آنا جائز
ہوا، اور نابالغ بچہ کے روبرو مرد صرف زانو سے ناف تک اور عورت
باستثناء مواقع زینت کے سب چھپائے رکھے یہ بھی دشوار نہیں، اور
ہر وقت اجازت لینے میں تنگی ہے، کیونکہ اس کی آمد و رفت بھی بہت
ہے اور ان تین وقتوں کے ماسوا بھی اگر کوئی عارض مانع ہو تو بھی استیذان
واجب ہوگا۔ پس تخصیص باعتبار اس وقت کی عادت کے ہے۔
اسی طرح جیساکہ یہ حکم صاف صاف بیان کر دیا اللہ تعالےٰ تم سے
اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت
والا ہے، پس سب مصالح اور حکمتوں پر اس کی نظر ہے اور احکام میں
ان کی رعایت فرماتا ہے۔"[1]

نابالغ بعد بلوغ اجازت لیں

ان نابالغ بچوں پر بھی بعد بلوغ اسلام نے عام وقتوں میں استیذان کی
پابندی عائد کی ہے، جن پر بلوغ یا قریب البلوغ ہونے سے پہلے صرف مخصوص

---

[1] بیان القرآن ص۳۲ و ص۳۳ جلد ۸

ہی وقتوں میں تھی، ہندوستان میں جو یہ رواج ہو گیا ہے کہ بچپن سے جو آتا رہا ہے، بلوغ کے بعد بھی ان کو اندر آنے کی اجازت رہتی ہے اور عورتیں بلوغ کے بعد بھی ان سے پردہ نہیں کرتیں، بالکل غلط اور شریعت کے خلاف ہے۔ پردہ دار گھرانوں میں یہ رسم بھی غلط طور پر رائج ہے۔ حالانکہ اسلام نے شدت کے ساتھ اس کی روک تھام کی ہے اور صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ بچے جب بالغ ہو جائیں تو ان کو بھی اجازت لینی ہوگی — بلوغ سے پہلے والی آزادی باقی نہیں رہے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (نور — ۸)	"اور جب تم میں کے لڑکے بلوغ کی حد کو پہنچیں تو ان کو ایسی ہی اجازت لینی چاہیئے جیسے تمہارے اگلے لیتے رہے ہیں۔ اللہ یوں کھول کر تم کو اپنی باتیں سناتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔"

یعنی یہ اب تک ان بچوں کو تین ہی مخصوص وقتوں میں طلب اذن کا حکم تھا۔ مگر اب جب بالغ ہو چکے تو اب کسی وقت بھی بغیر اجازت اندر نہ جائیں — جسطرح دوسروں کو استیذان کا حکم ہے ان کے لیے بھی استیذان ضروری ہے کیونکہ پہلے عدم بلوغ کی وجہ سے پردہ کی باتوں کا ان کو علم نہ تھا — نہ خود اُن کے لیے اپنے اندر نہ کوئی کشش تھی اور نہ غیر کے لیے ان کے اندر کوئی کشش تھی۔ مگر اب ان کی حالت بدل چکی ہے، اب احساس پیدا ہو چکا ہے — خود یہ اپنے اندر ایک انقلاب محسوس کرتے ہیں اور دل جذبات سے معمور پاتے ہیں او دوسروں کو بھی ان کی طرف کشش ہو سکتی ہے، اس لئے قدرتاً حکم بدلنا بھی

ضروری ہے ۔ مولانا تھانویؒ اس آیت کا تفسیری ترجمہ لکھتے ہیں ۔

" اور جس وقت تم میں سے یعنی احرار میں کے وہ لڑکے جن کا اوپر حکم آیا ہے حدِ بلوغ کو پہنچیں ، یعنی بالغ یا قریب بہ بلوغ ہو جائیں تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینا چاہیئے ۔ جیسا کہ ان کے اگلے یعنی اُن سے بڑی عمر کے لوگ اجازت لیتے ہیں ، اسی طرح اللہ تعالےٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے ، اور اللہ تعالےٰ جاننے والا حکمت والا ہے " اس لیے اس کو مکرر لایا گیا کہ قانونِ استیذان کی مصلحتیں نہایت واضح اور اس کے احکام نہایت قابلِ رعایت ہیں ، تکریر سے اہتمام ظاہر ہو گیا[1]

مَاظَهَرَ کی تفسیر

اوپر بیان کیا گیا ہے کہ عورتوں کا تمام بدن ستر ہے اور اس کا چھپانا ضروری ہے ۔ سوائے چہرہ اور کفین (ہتھیلیوں) ، کے جس کی طرف قرآن پاک نے اِلَّا مَاظَهَرَ سے اشارہ کیا ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کو وہاں اِلَّا مَاظَهَرَ کے مفہوم کے سمجھنے میں غلط فہمی ہو ، اور وہ اپنے ماحول کے مطابق یہ سمجھے کہ ان کا ہمیشہ کھلا رکھنا جائز ہے ، اس لیے یہاں اگر اللہ تعالےٰ نے مَاظَهَرَ کے مفہوم کو صاف فرما دیا اور مَاظَهَرَ سے غلط فہمی کا معجزانہ انداز میں ازالہ کر دیا کہ چہرہ اور کفین جو مَاظَهَرَ میں داخل ہے بالذات تو ستر نہیں ہے مگر یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ خواہ مخواہ کھلا رکھیں بلکہ وہ بھی ضرورت کے علاوہ وقتوں میں اجنبی سے واجب الستر ہیں تاکہ فتنہ و فساد کی آگ مشتعل نہ ہو سکے ، ہاں بوڑھی عورتیں جو اپنی عمر کو انتہا کو

---

[1] بیان القرآن جلد ہشتم ص ۳۳

پہنچ چکی ہیں وہ ان اعضا (مَا ظَهَرَ) کو کھلا رکھ سکتی ہیں، گو بہتر چھپانا ہی ہے، اللہ تعالے ارشاد فرماتے ہیں :-

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَةٍ وَ اَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ (نور - ۸)

"اور تمہاری عورتوں میں سے جو گھروں میں بیٹھ رہی ہیں جنکو نکاح کی کوئی توقع نہیں، ان کو کپڑے اتارنے میں گناہ نہیں مگر اسطرح کہ اپنا سنگار دکھاتی نہ پھریں اور اس سے بھی بچیں تو ان کے لیے بہتر ہے اور اللہ سب باتیں سنتا جانتا ہے۔"

چہرہ چھپانے کا حکم :

یہاں بوڑھی سن یاس کو پہنچی ہوئی عورتیں ہیں۔ ان کو حکم ہے کہ مواقع زینت نہ کھولیں۔ اسی سے جانا جا سکتا ہے کہ جوان عورتوں کو مَا ظَهَرَ کے خواہ مخواہ کھلے رکھنے کی اجازت کیوں کر مل سکتی ہے۔ مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں:

"ایک بات جاننا چاہیئے کہ — وجہ اور کفین کو وجوب استثناء سے مستثنیٰ کیا ہے — اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ بالذات ستر نہیں، نہ یہ کہ عورتیں کھلی مہار اپنی صورت غیر مردوں کو دکھاتی پھریں، کیونکہ فتنہ کے احتمال سے بالغیر وہ بھی واجب الستر ہے، البتہ جہاں احتمال فتنہ کا نہ ہو مثلاً جو بڑھی بوڑھی عورتیں ہیں، جنکو کسی کے نکاح میں آنے کی کچھ امید نہ رہی ہو، یعنی اصلاً محل رغبت نہیں رہیں

ان کو البتہ اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے زائد کپڑے
جس سے چہرہ وغیرہ چھپا رہتا ہے، غیر محرم کے رُوبرو اتار
رکھیں، بشرطیکہ زینت کے مواقع کا اظہار نہ کریں جن کا ظاہر
کرنا، نامحرم کے روبرو بالکل ہی ناجائز ہے — بس صرف وجہ
اور کفین اور بقولے قدمین کا بھی اظہار جائز ہے۔ بخلاف
جوان عورت کے کہ بوجہ احتمال فتنہ کے اس کو چہرہ وغیرہ
کا پردہ بھی ضروری ہے مگر بعذر شرعی، اور ہر چند کہ عجائز
کو کشف وجہ کی اجازت ہے، لیکن اس سے بھی احتیاط
رکھیں تو ان کے لیے اور زیادہ بہتر ہے۔"[1]

ابن العربی لکھتے ہیں :

وانما خص القواعد بذالك	اس بوڑھیوں کو مخصوص کیا اور وں
دون غيرهن لانصراف	کو چھوڑ دیا۔ اس وجہ سے کہ نفس
النفوس منهن ولان	ان بوڑھیوں کی طرف سے پھرا رہتا
يستعففن بالتستر الكامل	ہے اور اگر یہ تستر کامل اختیار
خير لهن من فعل المباح	کریں تو بلاشبہ یہ اس فعل مباح سے
لهن من وضع الثياب	بہتر ہے کہ کپڑا اتار دیں۔"

(احکام القرآن ج ۲ ص۳۴۱)

فقہائے کرام لکھتے ہیں کہ چہرہ گو ستر میں داخل نہیں ہے مگر پھر بھی عورتوں کو لوگوں میں چہرہ کھولنے سے روکا جائے گا تاکہ کوئی فتنہ برپا نہ ہونے پائے، قدرت نے عورت کے چہرہ میں کچھ ایسی جاذبیت اور کشش رکھی ہے

---

[1] بیان القرآن جلد ہشتم ص۳۳

کہ مرد عورت کے اس حصہ کو دیکھ کر اس کی طرف کھچتے ہیں، اور مردوں کے دل میں فطری شہوت کروٹیں لینے لگتی ہے۔ علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

والمعنی تمنع من الکشف لخوف ان یری الرجال وجھھا فتقع الفتنۃ لانہ مع الکشف قد یقع النظر الیھا بشھوۃ

"عورت کو چہرہ کے کھولنے سے روکا جائے گا تاکہ مرد دیکھنے نہ پائے کیونکہ کھلنے کی صورت میں کبھی نگاہ شہوت کے ساتھ پڑتی ہے"

(ردالمحتار ج ۱ صـ۲۸۴)

باریک کپڑے کا استعمال مشکوٰۃ نبوت کی روشنی میں!

اوپر کی آیت کے "غیر متبرجات بزینۃ" کے جملہ سے یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ عورتیں اتنا باریک کپڑا استعمال نہ کریں جو ساتر نہ ہو بلکہ اس سے حسن چھنتا ہو۔ ابن العربی لکھتے ہیں:

ومن التبرج ان تلبس المرأۃ ثوبا رقیقا یصفھا

"تبرج میں سے یہ بھی ہے کہ عورت اتنا باریک کپڑا استعمال کرے جو چغلی کرتا ہو"

(احکام القرآن ج ۲ صـ۱۱۴)

اسی سلسلہ میں انہوں نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رب کاسیات عاریات مائلات ممیلات لا یدخلن الجنۃ ولا یجدون ریحھا۔

"بہت سی پہننے والی عورتیں ننگی کے حکم میں ہیں جو خود مائل ہوتی ہیں یا دوسروں کو مائل کرتی ہیں لیکن ایسی عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی

(احکام القرآن ج ۲ صـ۱۱۴)

نہ اس کی بُو پائیں گی "۔

اس حدیث کو نقل فرما کر لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں "کاسیات" کے بعد "عاریات" اسی لیے فرمایا کہ وہ اتنا باریک کپڑا زیب تن کرتی ہیں، اور پھر فرماتے ہیں کہ اتنا باریک کپڑا پہننا جس سے ستر کامل نہ ہو حرام ہے۔[۱]

پہلے ہم یہ آیت نقل کر چکے ہیں:

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ (احزاب - ۴)	"اور عورتیں اپنے گھروں میں قرار پکڑیں اور جاہلیت کی زیبائش کے ساتھ نہ پھریں۔"

اُم علقمہ رضؓ کہتی ہیں کہ حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن حضرت عائشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، حضرت حفصہ رضؓ باریک دوپٹہ ڈالے ہوئے تھیں۔ حضرت صدیقہ نے جب دیکھا تو اُن سے دوپٹہ لے لیا اور اُسے پھاڑ ڈالا، اور اس کے بدلے ایک گاڑھے کپڑے کا دوپٹہ ان کو مرحمت فرمایا۔[۲] یہ حفصہ حضرت عائشہ صدیقہ کی بھتیجی تھیں۔

ایک دوسرا واقعہ بھی حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ اسماء بنت ابی بکر، (یعنی ان کی بہن)، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے یہاں تشریف لائیں — یہ باریک کپڑا ڈالے ہوئے تھیں۔ ان سے اعراض فرماتے ہوئے ارشاد کیا:

یا اسماء ان المرأة اذا بلغت المحیض لن یصلح ان یرٰی منہا الا هذا وهذا اشار الیٰ وجهه وکفیه (مشکوٰۃ کتاب اللباس)	"اے اسماء! عورت جب بالغ ہو جاتی ہے تو اس کے چہرہ اور ہتھیلیوں کے سوا کا دیکھنا درست نہیں ہے

---

[۱] احکام القرآن لابن العربی ج ۲ ص ۱۱۴ [۲] مشکوٰۃ کتاب اللباس ص ۳۷۷

مسلم شریف میں ایک حدیث آئی ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خذ علیك ثوبك ولا تمشوا عراۃ (مشکوٰۃ باب النظر المخطوبہ) "اپنے اوپر کپڑا لازم کرلو، ننگے مت پھرو!"

یہ اور اسی طرح کی دوسری روایتیں بتاتی ہیں کہ عورت و مرد دونوں کو ایسا کپڑا استعمال کرنا چاہیئے جو بدن کو ڈھانپ سکے اور آدمی کا حسن و جمال عام طرح سے رسوا نہ ہو۔ جس کا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ پاکدامنی اور عفت بے داغ رہے گی اور حکماً یا حقیقتہً کوئی دھبہ دامن عصمت پر نہیں پڑ سکے گا۔

عورتوں کے پردے سے متعلق جو کچھ اختصار سے عرض کیا گیا، آپ غور کریں گے تو ان میں بڑی حکمتیں اور مصلحتیں پائیں گے اور اگر آپ کی نظر میں یورپ کا اخلاق اور بے پردہ لڑکیوں کے دن رات کے واقعات آئیں گے تو سمجھنے میں اور بھی سہولت رہے گی!

دُشمنانِ عِفّت وعِصمت

اِسلام کی نظر میں

اسلام کی نظر میں عصمت و عفت، اور اخلاق و اعمال دین و دنیا کی بڑی دولت ہیں اور کوئی شبہ نہیں کہ دنیا سے امن و امان اور سکون و اطمینان ناپید ہو جائے اگر "عفت و عصمت" کے قوانین ناہموار ہوں، اور اخلاق و اعمال" کی مٹی پلید ہو جائے، اگر بدکاری اور عصمت، فروشی پر پابندی عائد نہ ہو۔

دنیا کی تاریخ کا "باب اخلاق" پڑھیے اور غور کیجئے کہ انسانوں کے "اعمال و اخلاق کو سب سے زیادہ کس چیز سے نقصان پہنچا۔ بلکہ ساتھ ہی اس کا تجزیہ بھی کیجیے کہ قوم اور ملک کی بربادی کی بنیادی وجہ کیا تھی؟ اپنا خیال ہے، کہ آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ تمام خرابیاں اس لیے پیدا ہوئیں کہ عفت وعصمت کے تحفظ کا کوئی استوار قانون نہ تھا۔

اتہام باندھنا

اسلام نے اسی وجہ سے اس شعبۂ زندگی کے قوانین میں کہیں سے کوئی رعایت نہیں کی ہے، زنا اور زناکار کے متعلق اسلام کا نقطۂ نگاہ شروع کتاب میں پڑھ آئے ہیں، یہاں یہ بتانا ہے کہ اسلام نے ان لوگوں کے متعلق کیا احکام دیئے ہیں جو عفت وعصمت کو داغدار کرنے کی سعی کرتے ہیں یا کسی کی عزت و آبرو — اور عفت و اخلاق پر حرف لاتے ہیں۔

اسلام کی نظر میں وہ شخص ملعون ہے جو کسی پاکدامن عورت یا مرد کو برائی سے متہم کرتا ہے۔ رب العزت کا ارشاد ہے؛

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ	"جو لوگ ان عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں
الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا	جو ایسی باتوں سے پاکدامن ہیں، بے خبر
فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ	ہیں، ایمان والیاں ہیں، ان پر دنیا و
عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔ یَوْمَ تَشْهَدُ	آخرت میں لعنت کی جاتی ہے — اور
عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ	ان کو بڑا عذاب ہو گا جس روز اُنکے
وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ	خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ
یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ	اور ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی
الْحَقَّ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ	دیں گے جو یہ لوگ کرتے تھے، اس روز
الْحَقُّ الْمُبِیْنُ۔	اللہ تعالےٰ ان کو واجبی بدلہ پورا پورا
(نور — ۲)	دے گا اور ان کو معلوم ہو گا کہ اللہ ہی
	ٹھیک فیصلہ کرنے والا بات کھول
	دینے والا ہے۔"

اس آیت میں بار بار غور کیا جائے، غیظ و غضب اور وعید و تہدید کس قہر آمیز انداز کا ہے، دُنیا میں بھی ایسا شخص ملعون قرار دیا گیا اور آخرت میں بھی

اتہام لگانے کی سزا:

کسی پاکدامن کو زنا سے متہم کیا — اور چار عینی شرعی گواہ پیش نہ کر سکا تو اسکی سزا یہ ہو گی کہ اُسے اسّی کوڑے لگائے جائیں گے اور آئندہ کے لیے ایسا شخص مردود الشہادۃ قرار دے دیا جائے گا، ارشاد ربانی ہے:

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ	"اور جو لوگ پاکدامن عورتوں کو تہمت
لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ	لگائیں اور چار گواہ نہ لا سکیں تو ایسے

فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً لوگوں کو اسی دُرّے لگاؤ اور ان کی
وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا گواہی کبھی قبول نہ کرو اور یہ لوگ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ (نور-۱) فاسق ہیں"

اس آیت سے عفت وعصمت کی اسلام میں جو قدر و منزلت ہے اس پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک جرم کی وجہ سے اس قاذف پر قرآن پاک نے تین دفعات قائم کیں۔ یعنی اگر وہ چار گواہ نہ لا سکا تو:

(۱) اسّی کوڑے لگاؤ

(۲) اسکی گواہی آئندہ کے لیے غیر معتبر قرار دو، گویا یہ سب سے بڑا جھوٹا ہے

(۳) یہ کہ اس پر فسق کا عیب چپک گیا۔

مسلمان کی عزت اسلام کی نظر میں!

کسی پاکباز مسلمان کی آبرو ریزی کوئی معمولی جرم ہے بھی نہیں، جتنی قیمت، ایک مسلمان کے خون کی ہے، کم وبیش اسی درجہ میں اس کی عزت اور آبرو کی بھی ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کی اہمیت جتائی ہے اس میں ایک عزت آبرو بھی ہے کہ جو درجہ مکہ مکرمہ کے اندر ماہ ذی الحجہ کے یوم عرفہ کو حاصل ہے۔ ایسا ہی درجہ مسلمان کی "عزت و آبرو" کو بھی حاصل ہے۔[1]

ع جس کو زنا سے متہم کیا جائے اگر اس میں پانچ شرطیں جمع ہوں اور متہم کرنے والے میں تین شرطیں، تو حد واجب ہے۔ متہم بالزنا کی پانچ شرطیں یہ ہیں: بالغ ہو، عاقل ہو، مسلمان ہو، حر ہو، عفیف ہو۔ اور متہم کرنے والے کی شرطیں یہ ہیں: بالغ ہو، عاقل ہو، اور حر ہو۔ ۱۲

[1] ریاض الصالحین صفحہ ۱۲۵

ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

کل المسلم علے المسلم حرام عرضہ وماله ودمه	"مسلمان کا مسلمان پر عزت وآبرو اور اس کا مال وخون حرام ہے"۔

اور متہم کرنے والے کا یہ فعل اس آیت کے ضمن میں بھی آجاتا ہے :

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (نور-۲)	"جو لوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو، ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک سزا ہے"۔

اگر فرض کر لیجیے تہمت لگانے والا سچا ہے مگر جبکہ اسکو معلوم ہے کہ ہم چار گواہ شرعی پیش نہ کر سکیں گے اور یہ کہ بغیر گواہ شرعی حد قائم نہیں ہو سکتی ہے تو ایسی حالت میں بھی اس کو تہمت لگانے سے اجتناب کرنا چاہیئے، کیونکہ : ایسی شکل میں جس کو تہمت لگا رہا ہے اس کی بے وجہ رسوائی ہے اور اپنی اذیت اور سزا، اس لیے اچھا ہے، چشم پوشی کر جائے، ہاں خود بدکار کو سمجھانا چاہیئے اور عذاب الٰہی سے ڈرانا چاہیئے۔ اس طرح ثواب بھی مل جائے گا اور ممکن ہے مجرم اپنے جرم سے توبہ کر لے، لیکن اگر اس نے چار شرعی گواہ پیش کر دیئے اور شرعی طور پر اس کا جرم زنا ثابت ہو گیا تو پھر کوئی طاقت اسے قانون کی زد سے نہیں بچا سکتی اور شرعاً اس پر حد جاری ہو گی، اگر محصن شرعی ہے تو اس کی سزا رجم ہے ورنہ سو کوڑے۔

اسلام میں سزا کی نوعیت!

اس سزا پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اسلام نے جرموں کی

سزا عموماً اس کی نوعیت کے اعتبار سے مقرر کی ہے، یعنی جرم کی جیسی نوعیت ہوتی ہے اسی طرح کی سزا بھی اس کو دی جاتی ہے مثلاً چور کی سزا یہ ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے، کہ اس کام میں ہاتھ کو بڑا دخل ہے، ڈاکو کی سزا شریعت نے یہ مقرر کی ہے کہ ایک پیر اور ایک ہاتھ کاٹا جائے۔ کھلی بات ہے اس کا جرم چور سے بڑھا ہوا ہے

پھر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے سزا کی دو قسمیں مقرر کی ہیں: ایک کا نام "حد" ہے۔ دوسری کو تعزیر کہتے ہیں۔ آپ غور کریں گے۔ تو معلوم ہوگا کہ "حدود" میں ان جرموں کو رکھا ہے جن کی طرف طبیعت کو رغبت اور ان میں سزا کے اندر رغبت اور طبعی رجحان کے انداز سے شدت بڑھ گئی ہے۔ حدود میں چوری، ڈکیتی، مے خواری زنا وغیرہ ہیں۔

کوئی شبہ نہیں کہ زنا ایک ایسا فعل ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان جلد ہوتا ہے اور اس میں انسانی طبیعت کے لیے بڑی کشش اور ظاہری طور پر بڑی لطف اندوزی ہے، اس لیے اسلام نے اسے "حدود" میں شمار کیا ہے اور اس جرم کی سزا میں بڑی شدت اور سخت گیری سے کام لیا، نرمی کا کوئی نام و نشان نہیں اور طرز سزا بڑا ہی عبرت انگیز اور دردناک ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوگا۔

زنا کی سزا اور جرم کی نوعیّت

اوپر جس اصول کی طرف اشارہ کیا گیا، اس کے مطابق زنا کار مرد و عورت کی سزا یہ ہونی چاہیئے تھی کہ ان کی شرمگاہیں کاٹ دی جاتیں اور زنا کار کے اس حصہ کو خصوصیت سے اذیت پہنچائی جاتی جس سے یہ فعل صادر ہوتا ہے مگر اسلام نے ایسا نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ زنا میں وطی ہوتی ہے، اور یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ وطی اور جماع میں لذت صرف خاص اعضاء ہی کو

نہیں ملتی بلکہ اس وقت جسم کے کونے کونے میں اس لذت کی بجلی دوڑ جاتی ہے، اور وقت خاص میں بال بال آدمی کا لذت اور لطف محسوس کرتا ہے۔ اس لیے اسلام نے مناسب یہی سمجھا کہ سزا بھی اسی طرح کی تجویز کی جائے جس کی وجہ سے اذیت ظاہری طور پر بھی تمام جسم کو پہنچے۔

عضو خاص کے کاٹ دینے سے کی صورت میں سزا کا جو منشا ہے وہ پورا نہیں ہوتا: کیونکہ سزا سے تکلیف کے ساتھ یہ بھی مقصد ہے کہ مجرم کی رسوائی اور زجر و توبیخ ہو — ہر شخص دیکھے کہ یہ سزا فلاں جرم کی ہے — اور یہ معلوم ہے کہ اس حصہ کا مقام پردہ میں ہے جس پر کسی طرح نگاہ پڑ سکتی ہی نہیں مثلاً چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اس پر ہر شخص کی نگاہ پڑتی ہے مگر شرمگاہ پر کس کی نظر پڑ سکتی ہے؟

دوسری بات یہ ہوتی کہ سزا جرم سے بڑھ جاتی کیونکہ "عضو خاص" کے کاٹ دیئے جانے سے قطع نسل لازم آتی ہے — پھر یہ کہ قطع عضو کی صورت میں ہلاکت کا تیقن نہیں تو ظن غالب بہرحال ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ انہی وجوہ سے زنا کی سزا اسلام نے قطع "عضو خاص" مقرر نہیں کی۔

پھر تھوڑے تامل سے یہ بات بھی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ جسطرح چور اور ڈاکو کی سزا میں تفاوت ہے اسی طرح اس شخص کی سزا میں بھی تفاوت ہونا چاہیئے جو "محصن شرعی" ہے اور جو "محصن شرعی" نہیں چنانچہ اسلام نے اس کا بھی پورا لحاظ رکھا ہے اور دونوں کی سزا میں نمایاں فرق ملحوظ رکھا ہے۔

زنا کار کی سزا

اتنی بات جب آپ معلوم کر چکے تو آیئے بتائیں کہ اسلام نے زنا کی سزا کیا مقرر کر رکھی ہے، ارشادِ ربانی ہے۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (نور - ۱)

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد سو ان میں سے ہر ایک کو سو درے مارو اور تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ان دونوں پر ذرا رحم نہ آنا چاہیئے، اگر تم اللہ تعالےٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

اللہ اکبر! لب ولہجہ پر غور کر کے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے یہاں اپنی ساری نرمی اٹھا رکھی ہے اور اس کے غضب کی تلوار بے نیام ہے، وہ ظاہر ہے مگر حاکم کو بھی تنبیہ اور تہدید ہے اور اس کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ ترحم اور ترس کھانا یہاں بھول جاؤ۔

اس شخص پر کیسے ترس کھایا جائے، جس کے سامنے اسلام نے عفت وعصمت کی اہمیت کھول کر رکھی، ساتھ ہی زنا کے مفاسد اور اس کے دینی ودنیوی نقصانات اس پر ظاہر کئے اور جائز طریقے سے جنسی میلان کی تکمیل کی اجازت مرحمت کی اور پھر بااین ہمہ اس نے حدود اللہ کو توڑا۔

اس موقع پر عدمِ رافت کی تکمیل غالباً اس وجہ سے بھی ہے کہ عموماً ایسے موقع پر آدمی کو یہ سوچ کر رحم آجاتا ہے کہ یہ انسان کی فطری خواہش ہے جس سے

کبھی وہ مغلوب ہو جاتا ہے اور یہ بھی خیال گذرتا ہے کہ جو کچھ ہوا، دونوں کی رضامندی سے ہوا۔ آیت میں اس شیطانی وسوسہ کی بھی مدافعت مقصود ہے۔

زناکار کی سزا کی تشہیر

بے رحمی سے سو کوڑے مارے جانے کے علاوہ یہ بھی قرآنی ہدایت ہے کہ جب زناکار نے اپنی عفت کو داغ لگایا، اور اس کی شرم وحیا کو زمین وآسمان نے جذب کر لیا تو پھر اس کی سزا پردہ میں کیوں ہو، بلکہ اس سزا کے وقت ایمان والوں کا ایک ہجوم ہو کہ سزا کی خوب تشہیر ہو اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی یہ عبرت وبصیرت بن سکے۔

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ (نور-۱) اور دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیئے۔

شاید لوگوں کی موجودگی سے یہ بھی مقصود ہو کہ عوام کو اس کا علم ہو جائے کہ اس مجرم نے عذابی کیڑوں کو جذب کر لیا ہے جو ممکن ہے موقع پر ان کو معاف نہ کریں۔ اور دوبارہ جرم پر آمادہ کر دیں، اس لئے اس سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ قرآن پاک کی یہ آیت

الزَّانِي لَا يَنكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ (نور-۱) زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ کے یا مشرکہ کے اور زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے۔

سے معلوم ہوتا ہے کہ جو زناکار ہوتا ہے اس کی اول نظر زنا ہی پر جاتی ہے، اور اس فعل کی وجہ سے بطور عذاب زنا کا خیال اس کی طبیعت میں رس بس جاتا ہے، اس لئے ایسے شخص سے ہوشیار رہنا بہت ضروری ہے۔

بے حیا عورت پر پابندی

بے حیا عورت کے متعلق قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اس کی بے حیائی ظاہر ہو چکی ہو تو اس پر پابندی عائد کر دی جائے اور خیال رکھا جائے کہ وہ گھر کی چار دیواری سے نکلنے نہ پائے، کیونکہ اس کا نکلنا ہر اعتبار سے نقصان دہ ہے، یا عورت خود پھر بے حیائی کے کام کا موقع ڈھونڈ نکالے گی یا بُرے مرد اس کو خواہ مخواہ چھیڑیں گے۔ گو وہ نہ بھی چاہے، کیونکہ یہ بات بڑی حد تک درست ہے کہ جس نے ایک مرتبہ زنا کا ارتکاب کیا اس سے دوبارہ اس جرم کا ارتکاب لوگ بعید نہیں سمجھتے، ہاں شادی کے ذریعہ، اگر شادی نہیں ہوئی ہے اصلاح کی امید کی جاتی ہے۔ جس آیت سے پابندی عائد کرنے کا حکم سمجھ میں آتا ہے، یہ ہے:

وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ	اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں
مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا	بے حیائی کا کام کریں، تو تم لوگ ان پر
عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ فَإِنْ	اپنے میں سے چار آدمی گواہ کر لو، سو اگر
شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي	وہ گواہی دیدیں تو تم ان کو گھروں کے
الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّاهُنَّ	اندر مقید رکھو یہاں تک کہ موت ان
الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ	کا خاتمہ کر دے یا اللہ تعالیٰ اُن کے لئے
سَبِيلًا (النساء - ۳)	کوئی اور راہ تجویز کر دیں۔

گو علماء کی ایک بڑی جماعت کا خیال ہے کہ زانیہ عورت کی شروع میں یہی سزا تھی اب باقی نہ رہی اور اس طرح یہ آیت منسوخ ہے، مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہ ہو، بلکہ زنا کی سزا تو وہی ہو جو اوپر کی آیت میں سو کوڑے بیان کیگئی اور اس آیت کا منشاء یہ ہو کہ اجراءِ حد کے بعد عورت پر پابندی لگادی جائے۔

کہ گھر سے نہ نکلنے پائے، تاکہ اس کی عصمت کو خطرہ لاحق نہ ہو، چنانچہ صاحب کشاف کے قول سے میرے اس خیال کی تائید ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں

ویجوزان تکون غیر منسوختہ بان یترک ذکر الحد لکونہ معلوما بالکتاب والسنۃ و یوصی بامساکھن فی البیوت بعد ان یحدون صیانۃ لھن عن مثل ما جری علیھن ... بسبب الخروج من البیوت والتعرض للرجال۔ (کشاف ج ۱ ص ۲۵۶)

یہ بھی جائز ہے کہ یہ آیت منسوخ نہ ہو اور "حد" کا ذکر یہاں اس لئے چھوڑ دیا گیا ہو کہ یہ کتاب وسنت سے معلوم ہے اور یہاں اس کی تاکید کی جا رہی ہو کہ زنا کار عورتوں پر حد کے اجراء کے بعد گھروں کے اندر رہنے کی پابندی لگا دی جائے کہ وہ اب سزا سے محفوظ رہیں، جو گھر سے نکلنے اور مردوں کی چھیڑ چھاڑ کا نتیجہ ہے۔

بہر حال اتنی بات ضرور ہونی چاہیئے کہ زنا کار مرد اور عورت کے ساتھ سلوک اس طرح ہو کہ وہ محسوس کرے کہ جو کچھ میں نے کیا، اتنا برا کہ سماج اور سوسائٹی بھی اسے برداشت نہیں کر سکتی ہے، اور اس طرح وہ اپنے کئے پر پچھتائے، کسی لفظ سے اس کے اس برے فعل پر تائید کا پہلو نہ ہونے پائے، تاکہ دوسرے پر بھی معاملہ اثر انداز ہو۔

عہد نبوی میں "حد زنا کی عملی مثال موجود ہے، کتب احادیث میں واقعات پڑھے جا سکتے ہیں۔ اوپر جو سزا بیان کی گئی ہے وہ اس شخص کی ہے جو آزاد، عاقل، بالغ اور غیر محصن ہو، یعنی غیر شادی شدہ ہو اور اس شخص نے بخوشی زنا[1] کا ارتکاب کیا ہو

---

[1] زنا کی تعریف فقہا نے یہ کی ہے کہ "عاقل بالغ کے ذکر کا حشفہ ایسی عورت کی شرمگاہ میں غائب ہو جائے جو نہ اس کی منکوحہ ہو نہ شرعی لونڈی۔ اور یہ وطی شبہ اور دباؤ کی وجہ سے نہ ہوئی ہو۔

تو اس کی سزا سو کوڑے ہے جو تمام بدن کے متفرق حصوں پر لگائے جائینگے، صرف چہرہ اور ان اعضاء کو جن پر ضرب لگنے سے انسان مرجاتا ہے محفوظ رکھینگے۔

انسان کا قانون رجم

اور یہ شخص مکلف اگر آزاد ہونے کے ساتھ محصن بھی ہو یعنی نکاح صحیح کر کے اپنی بیوی سے جماع کر چکا ہو تو اس کی حد 'رجم' ہے۔ یعنی ایسے زنا کار مرد اور عورت کو سنگسار کیا جائے گا۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ قبیلہ اسلم کا ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے بیان کیا کہ میں نے زنا کیا ہے اور اس کی چار بار اپنے اوپر شہادت دی، یہ سن کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے رجم وسنگسار کا حکم فرمایا جو محصن تھا[۱]

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے آپکو پکار کر کہا یارسول اللہ! مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا۔ یہ سن کر پہلے آپ نے منہ پھیر لیا، لیکن اس نے یہ بات چار مرتبہ کہی۔ اس کی چار گواہی کے بعد آپ نے اسے بلایا اور پوچھا تو پاگل ہے؟ اس نے کہا، نہیں۔ آپ نے پوچھا "ہل احصنت" (کیا تو شادی شدہ ہے؟) اس نے کہا "نعم" (ہاں)، اب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کو لے جاؤ اور رجم کرو[۲]

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے رجم کا واقعہ کتب حدیث میں بہت مشہور ہے کہ

---

[۱] بخاری باب رجم المحصن

[۲] بخاری باب لا یرجم المجنون والمجنونہ

انھوں نے خود آکر خدمت نبوی میں جرم کا اعتراف کیا۔ آپ نے پہلے ٹالنے کی کوشش کی مگر چار بار انھوں نے اس کا اقرار کیا، اس طرح جب یقین ہو گیا تو آپ نے ان کے "رجم" کا حکم جاری فرمایا اور وہ سنگسار کیئے گئے۔[1]

رجم کی حقانیت

یہ بالکل درست ہے کہ قرآن میں رجم کا حکم صراحتاً مذکور نہیں ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا انکار کر دیا جائے جبکہ صحیح حدیثوں میں بکثرت اس طرح کی مثالیں موجود ہیں۔ اور خود ارشادِ نبوی میں بھی صراحتاً رجم کا حکم مذکور ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بہت پہلے اپنے زمانہ میں اس خدشہ کا اظہار فرما کر اس کی تردید فرمائی تھی۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

لقد خشیت ان یطول الناس	مجھے خوف ہے کہ ایک عرصۂ دراز کے
زمان حتی یقول قائل لانجد	بعد کہنے والے یہ کہنے پر نہ اتر آئیں کہ
الراجم فی کتاب اللہ فیضلوا	ہم کتاب اللہ میں "رجم" کا حکم نہیں
بترك فریضۃ انزلھا اللہ،	پاتے ہیں۔ اگر ایسی بات ہوئی تو وہ اس
الا وان الرجم حق علی من زنی	ایک فریضہ کے ترک کی وجہ سے گمراہ ہو
وقد احصن اذا قامت البینۃ	جائیں گے، سن رکھو شادی شدہ زانی
او کان الحمل او الاعتراف	پر رجم حق ہے جب ثبوت شرعی، یا دلیل
(بخاری باب الاعتراف بالزنا)	شرعی یا اعتراف پایا جائے۔

حضرت فاروق اعظم کا یہ خدشہ درست ثابت ہوا اور بعد کے زمانہ میں کچھ لوگوں

---

[1] بخاری باب ہل یقول الامام للمقر الخ

نے دہی کہا جس کی حضرت عمر نے پیشین گوئی کی، مگر الحمد للہ ان کی یہ بات ابھی تک محدود رہی اور امت اس گناہ سے محفوظ رہ گئی، جمہور امت کے یہاں "رجم" کا حکم بالکل بجا ہے اور امت میں یہی حکم رائج ہے۔

عقل سے بھی رجم کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ محصن اور غیر محصن کی سزا میں فرور فرق چاہیئے اور اس کی یہی صورت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ غیر محصن کے راہ راست پر آجانے کی کافی امید ہے کہ شادی سے جنسی میلان کا راستہ کھل جائے گا۔ اور اس میں بری عادت باقی نہ رہے گی۔ مگر شادی شدہ سے جب یہ جرم سرزد ہوتا ہے تو خطرہ ہے کہ اس کا وجود مرض متعدی کی حیثیت اختیار نہ کرلے، اس لئے اچھا ہے کہ اس کے وجود سے سوسائٹی پاک ہوجائے۔

رجم کا طریقہ

بہرحال محصن مرد اور عورت سے اگر زنا پایا جائے اور ثابت ہوجائے تو ان کو سنگسار کیا جائے گا، اس کی صورت یہ ہوگی ایک کھلی ہوئی جگہ پر مجرم کو لے جایا جائے گا، جہاں قاضی اور گواہ موجود ہوں گے۔ اگر اعتراف جرم سے یہ فیصلہ ہوا ہے تو حاکم بسم اللہ کریگا اور گواہی سے جرم ثابت ہوا ہے تو گواہ ابتداء کریں گے، یعنی پہلے یہ پتھر اٹھا کر اس پر ماریں گے پھر عام پبلک۔ اور اس طرح پتھر مارتے مارتے اس کو ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا کر دیا جائے گا۔ عورت کو رجم کرنا ہوگا تو اس کے لئے گڑھا کھودا جائیگا اور نصف بدن اس میں گاڑ دیا جائیگا، تاکہ بے ستری کا خوف نہ رہے۔

غلام اور لونڈی کے احکام میں نے قصداً چھوڑ دیئے ہیں۔ بس یوں سمجھئے، ان کے لئے "رجم" نہیں ہے اور کوڑوں میں آزاد سے آدھے ان کو لگائے جائیں گے، یعنی حدِ قذف میں چالیس کوڑے اور حدِ زنا میں پچاس کوڑے مارے جائینگے

زبردستی زنا اور اس کا حکم

اگر کسی عورت سے زبردستی زنا کیا گیا ہے تو اس پر حد نہیں ہے۔ بخاریؒ نے اپنی جامع میں ایک باب ہی باندھا ہے "اس عورت پر حد نہیں ہے جس سے زبردستی زنا کیا گیا ہو" اور ۳۱ باب کے تحت پہلے یہ آیت نقل کرتے ہیں:

وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (نور — ۴)

اور جو شخص ان کو مجبور کریگا تو اللہ تعالےٰ ان کے مجبور کئے جانے کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔

پھر یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک غلام نے ایک لونڈی سے زبردستی زنا کیا، یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کے یہاں پیش ہوا تو آپ نے ثبوت کے بعد غلام پر حد جاری مگر لونڈی کو بری کر دیا، کیونکہ اس سے زبردستی کی گئی تھی[1]

عہد نبوی کا ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک خاتون نماز کے لئے نکلیں، راستہ میں ایک مرد سے ان کی ملاقات ہوگئی، مرد نے اس خاتون کو پکڑ لیا اور زبردستی ان کے ساتھ زنا کیا، یہ خاتون چیخی چلائی تو لوگ دوڑے اور زانی کو گرفتار کر لیا، پھر یہ زانی دربارِ نبوی میں پیش ہوا، چنانچہ اس شخص نے جرم کا اقرار کر لیا، عورت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اذھبی فقد غفر اللہ لک —" (تو جا اللہ تعالےٰ نے تجھ کو بخش دیا) اور زانی کے لئے رجم کا فیصلہ فرمایا۔[2]

---

[1] بخاری باب اذا استکرہت المرأۃ علی الزنا فلاحد علیہا

[2] جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۸۷

پاگل کا حکم

پاگل کا حکم بھی یہی ہے یعنی اس پر بھی حد نہیں ہے۔

ان القلم مرفوع عن ثلثة عن المجنون حتی یبرأ وعن النائم حتی یستقیظ وعن الصبی حتی یعقل۔ (جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۸۷)	تین سے قلم اٹھا لیا گیا ہے، پاگل سے جب تک جنون کے مرض سے اچھا نہ ہو جائے، سونے والے سے جب تک بیدار نہ ہو اور بچہ سے جب تک وہ عاقل نہ ہو۔

کسی مرد نے دباؤ کی وجہ سے زنا کیا ہو، اس کے متعلق اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں اس پر حد ہے مگر یہ کہ دباؤ ڈالنے والا خود سلطان ہو تو حد نہیں ہے، اور صاحبین اور امام شافعی کا قول ہے کسی کے بھی زبردستی کرنے سے اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہو بہرحال اس پر حد نہیں ہے[1]

اس بحث کو ختم کرتے ہوئے عرض کرنا ہے کہ اسلام کے ان قوانین سے عصمت و عفت کی جو اہمیت سمجھ میں آتی ہے اس پر بار بار غور کیا جائے، اور انصاف کیا جائے اگر اسلام کا یہی قانون پوری دنیا میں نافذ کر دیا جائے، تو کیا یقین نہیں ہے کہ دنیا سے بدکاری (جو وبا کی طرح پھیل پڑی ہے) ختم ہو جائے گی؟ دنیا چاہتی ہے کہ اخلاق و اعمال کی بلندی اور عفت و عصمت کا تحفظ عمل میں آئے تو اسے اسلام کے ان قوانین پر غور کرنا چاہیئے۔

---

[1] احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۳۱۹۔

قومِ لُوط کا عمل

شروع کتاب میں لکھ آیا ہوں کہ لواطت حرام ہے، اپنی بیوی کے ساتھ ہو یا کسی دوسری عورت یا مرد کے ساتھ۔ یہ ایسی برائی ہے جس پر تقریباً تمام اہلِ علم سلیم الطبع کا اتفاق ہے۔ غالباً کچھ شیعی علماء ایسے ہیں، جو اپنی بیوی سے لواطت کو جائز کہتے ہیں اور وہ اپنی دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں

نِسَآءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ (بقرہ ۲۸)

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں پس تم اپنے کھیت میں آؤ جسطرف سے چاہو

وطی فی الدبر

مگر تعجب ہے کہ وہ اس آیت کو اپنی دلیل میں کیسے پیش کرتے ہیں، یہ آیت تو ان کی تردید کرتی ہے۔ کیونکہ "حرث" کا لفظ کھلی دلیل اس بات کی ہے کہ موضع کاشت عورت کے آگے کا مقام ہے نہ کہ پیچھے کا، کیا کوئی مثال ہے کہ پیچھے کے حصہ (دبر) سے کسی عورت کے کوئی بچہ پیدا ہوا ہو، یا کوئی ڈاکٹر اپنے فن کے اعتبار سے اس کی کاشت کو ثابت کر سکتا ہے، جب یقینی طور پر ایسی بات نہیں، تو پھر کوئی ذی عقل، اور سمجھدار اس آیت سے کیونکر ثابت کر سکتا ہے۔ پھر یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ وطی فی الدبر کو جائز قرار دیا جائے تو مقاصدِ نکاح کا کیا حشر ہوگا۔

کوئی بد طینت مرد فرض کر لیجئے اپنی جنسی خواہش عورت کے پچھلے حصہ (دبر) سے پوری کر بھی لے تو سوال یہ ہے کہ عورت کیا کریگی؟ قرآن میں اس کی تفسیر خود موجود ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ۔ (بقرہ — ۲۸) — سو تم ان کے پاس آؤ جس جگہ میں اللہ تعالیٰ نے تم کو اجازت دی ہے۔

کتبِ حدیث میں بیسیوں حدیثیں صراحتاً بتاتی ہیں کہ عورت کے ساتھ بھی وطی فی الدبر حرام ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من اتی النساء فی اعجازھن فقد کفر، رواہ الطبرانی و رواتہ ثقات — عورتوں سے جس نے وطی فی الدبر کی اس نے کفر کیا۔

مفتاح الخطابۃ ص۲۱۷

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی :-

من اتی حائضا اوامرأۃ فی دبرھا اوکاھنا فقد کفر بما انزل علی محمد رواہ الترمذی — جو شخص حائضہ سے یا اس کے دبر سے جنسی میلان پورا کرے یا کاہن کے پاس آئے اس نے دین محمد سے انکار کیا۔

کا مطلب بھی یہی ہے کہ عورت کے ساتھ لواطت کسی حال میں جائز نہیں۔ صحابۂ کرام میں کوئی بھی اس کی حلت کا قائل نہیں ہے، ائمہ اربعہ بھی لواطت کو (عورت کے ساتھ بھی) حرام کہتے ہیں۔

جس حدیث میں یہ ہے کہ عورت کے پیچھے سے آسکتے ہیں اس کا مطلب خود صحابہ نے یہ بیان کیا ہے کہ پیچھے کی طرف سے استمتاع کرے، علامہ نووی لکھتے ہیں :-

واتفق العلماء الذین یعتد بھم علے تحریم وطی المرأۃ فی دبرھا حائضا کانت او طاھرا لاحادیث کثیرۃ ومشھورۃ۔[1] — بہت سی احادیث مشہورہ کے پیش نظر قابل اعتماد علماء کا اتفاق ہے کہ عورت سے وطی فی الدبر کرنا خواہ خواہ حائضہ ہو، خواہ پاک حرام ہے۔

[1] شرح مسلم ج ۱ ص۴۶۳

بہرحال یہ مسئلہ ثابت شدہ ہے عقلی طور پر بھی اور نقلی لحاظ سے بھی۔

استلذاذ بالمثل

مرد کا مرد سے اپنے جنسی میلان کا پورا کرنا، یہ اپنے پیچھے ایک لمبی تاریخ رکھتا ہے۔ قرآنِ پاک کی شہادت یہ ہے کہ اس فعلِ بد کی ابتداء قومِ لوط نے کی۔ اس قوم سے پہلے کوئی اس کا مرتکب نہ تھا، قومِ لوط کے اس فعلِ بد کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشادِ الٰہی ہے

وَلُوطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ	اور ہم نے لوط کو بھیجا جبکہ انھوں نے
الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا	اپنی قوم سے فرمایا تم ایسا فحش کام کرتے
مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ اِنَّكُمْ	ہو، جسکو تم سے پہلے دنیا جہاں والوں
لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ	میں سے کسی نے نہیں کیا - کیا تم
دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ	مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو
مُّسْرِفُوْنَ ○ (الاعراف - ۱۰)	عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم حد سے گذر گئے ہو۔

اس معنیٰ کی اور بھی متعدد آیتیں قرآن میں مذکور ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ "استلذاذ بالمثل" مردوں میں قومِ لوط سے شروع ہوا۔ یہی قوم اس کی موجد ہے، حضرت لوط علیہ السلام کے لب ولہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم نے اس فعل کو اس طرح شروع کیا کہ ان کی قوم کے سامنے اس طرح کی کوئی مثال نہ تھی۔

قرآن ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قومِ لوط کی خباثت اس سلسلہ میں بہت بڑھی ہوئی تھی، اس برائی پر ان کو ذرہ برابر ندامت محسوس نہ ہوتی تھی بلکہ قوم علی الاعلان اس برائی کا ارتکاب کرتی تھی۔ ان کی شیطنت کا یہ حال تھا کہ جہاں کسی خوبصورت کو دیکھا لوگ ٹوٹ پڑے۔ مہمان کی بھی اس سلسلہ میں پرواہ نہ تھی، زبردستی کرنا چاہتے تھے۔

قوم لوط اور اس کا انجام

سورۃ ہود ساتویں رکوع میں رب العزت نے اس وقت کا نقشہ کھینچا ہے جب عذاب کے فرشتے نوجوان انسان کی صورت میں مہمان بن کر لوط علیہ السلام کے یہاں پہنچے ہیں اور قومِ لوط ان مہمانوں کی بے حرمتی کے لئے آمادہ ہوگئی ہے، یعنی چاہا گیا ہے کہ ان سے اپنی جنسی پیاس بجھائیں۔

لوط علیہ السلام کی پریشانی کا عجیب عالم ہے، قوم کو سمجھا رہے ہیں کہ عورتوں سے اپنی جنسی تسکین چاہو، اس غیر فطری فعل پر تم کیوں مصر ہو، پھر درد کے ساتھ فرمائے ہیں اور اللہ کا واسطہ دے رہے ہیں کہ یہ میرے مہمان ہیں، تم نے کوئی بات کی تو میری رسوائی ہوگی۔ مگر ملعون قوم ہے کہ ایک نہیں سنتی۔

بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ کا عذاب آیا اور بُری طرح سے قوم لوط تہ و بالا ہوئی زمین کو الٹ کر اس قوم پر دے مارا اور پھر پتھر کی بارش بھی ہوئی، عذاب کا نقشہ قرآن میں کھینچتے ہوئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَھَا سَافِلَھَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْھَا حِجَارَۃً مِّنْ سِجِّیْلٍ مَّنْضُوْدٍ مُّسَوَّمَۃً عِنْدَ رَبِّکَ (ھود ـ ۷)

سو جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اس زمین کا اوپر کا تختہ تو نیچے کر دیا، اور اس سرزمین پر کنکر کے پتھر برسانا شروع کئے جو لگاتار گر رہے تھے، جن پر ان کے رب کے پاس خاص نشان بھی تھا۔

قوم لوط کے بعد

قوم لوط کے بعد بھی اس فعل کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ لوگوں نے لکھا ہے کہ لواطت

کا وجود قبل مسیح بھی تھا۔ یونان اور رومہ کے متعلق بیان ہے کہ یہاں یہ ذوق انتہائی عروج پر تھا۔ اس تلذذ بالمثل یا امرد پرستی کے سلسلہ میں لوگوں نے سقراط، ارسطو، سکندر اعظم اور جولیس سیزر وغیرہ کا نام بھی لیا ہے۔

فرانس کے متعلق لکھا ہے تیرہویں صدی عیسوی میں "امرد پرستی" اور "تلذذ بالمثل" کا بڑا زور تھا اور حکومت کو اس سلسلہ میں ۱۲۱۲ء میں یہ قانون پاس کرنا پڑا کہ اس فعل کی سزا قتل ہے۔ اسی طرح چودہویں اور اٹھارہویں صدی کے متعلق بھی بیان ہے کہ فرانس میں بڑی کثرت تھی، جرمنی کا بھی یہی حال تھا

آپ یہ سنکر حیرت زدہ رہ جائینگے کہ نازی دور سے پہلے ایک صاحب ڈاکٹر ماگنوس ہرشفیلڈ تھے جو دنیا کی مجلس اصلاح صنفی کے صدر رہ چکے ہیں، انھوں نے عملِ قومِ لوط کے حق میں چھ سال پروپیگنڈا کیا، آخرکار جمہوریت کا الہ اس حرام کو حلال کر دینے پر راضی ہوگیا اور جرمن پارلیمنٹ نے کثرتِ رائے سے طے کر دیا کہ اب یہ فعل جرم نہیں ہے، بشرطیکہ طرفین کی رضامندی سے اس کا ارتکاب کیا جائے اور معمول کے نابالغ ہونیکی صورت میں اس کا ولی ایجاب وقبول کی رسم ادا کرے[1]

مشرقی ممالک میں ایران کا نام بدنام ہے، فارسی کی شاعری سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں کراچی کا نام بھی لیا گیا ہے کہ ۱۹۴۵ء میں تین اڈے ایسے پائے گئے جہاں ہیجڑے لڑکے عصمت فروشی کیا کرتے تھے۔ افغانستان کے متعلق بھی بعض مصنفوں کا بیان ہے[2]

مغربی ممالک میں جیسا کہ کنسے رپورٹ کے تذکرے سے معلوم ہو چکا ہے اب تک اس کا چرچا ہے اور کافی ہے۔ ہندو پاکستان کو بھی اس سلسلہ میں پاک نہیں کہا جا سکتا

---

[1] پردہ ص ۴۵ [2] تفصیل کے لئے دیکھئے اسلام اور جنسیات "استلذاذ بالمثل"

مگر یہاں عوام میں نہیں ہے بلکہ تعلیم یافتہ اور مہذب طبقہ میں ہے، اسکول، کالج، یونیورسٹی اور مدارس بھی اس لعنت میں گرفتار ہیں۔

استلذاذ بالمثل اسلام کی نظر میں!

اسلام نے دوسری برائیوں کے ساتھ اس برائی سے بھی سختی کے ساتھ روکا، اور اس فعل بد کی سزا نہایت سخت سے سخت تجویز کی، ذرا سی بھی رورعایت ملحوظ نہیں رکھی۔ اوّل تو قرآنِ پاک میں قومِ لوط کا واقعہ تفصیل سے متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا۔ اس برائی کے سلسلہ میں حضرت لوط علیہ السلام نے جس جس طرح اپنی قوم کو سمجھایا اُسے نقل کیا گیا، اس طرف اشارہ کیا کہ جس قوم کو تلذذ بالمثل اور امرد پرستی کی عادت ہو جاتی ہے اس کی اخلاقی حالت کس قدر پست اور ذلت آمیز حد تک پہنچ جاتی ہے، پھر قوم کی عبرت انگیز سزا کا نقشہ پیش کیا، تاکہ قرآن کے پڑھنے والے اس برائی کے انجام سے اچھی طرح واقف ہو جائیں، اور اس طرح اپنے آپ کو اس غیر فطری فعل سے محفوظ رکھیں۔

قرآن وحدیث میں اس اُمت کے لئے اس غیر فطری فعل کی سزا بھی بیان کی گئی، اور اس سے روکنے اور امت کو بچانے کے لئے بڑا مواد فراہم کر دیا گیا ہے، شروع میں قرآن میں اس غیر فطری فعل کے کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا۔

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا۔ (نساء۔ ۳) — تم میں سے جو دو مرد بدکاری کریں ان کو ایذا دو۔

پھر رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے دلنشین پیرایہ میں اس غیر فطری فعل کی برائی ذہن نشین کرنے کی سعی فرمائی، طرح طرح سے روکا، اس کی سخت سے سخت سزائیں بیان کیں۔ ایک دفعہ آپ نے اپنے خطرہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

ان اخوف ما اخاف علی امتی — مجھے اپنی امت میں سب سے زیادہ خطرہ

عمل قوم لوطا۔ (جمع الفوائد) قوم لوط کے عمل کا ہے۔

گویا یہ پیش بندی تھی کہ قوم کا رُخ اِدھر نہ ہونے پائے، اور امت محسوس کرے کہ یہ ایسی برائی ہے جس کا اندیشہ ظاہر کر کے پیغمبر اسلام روک چکا ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنا جنسی میلان مرد سے پورا کرتا ہے یعنی لواطت کرتا ہے، رب العزت اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔[1]

لوطی نقل و عقل کی روشنی میں!

خالقِ کائنات کو لوطی سے اتنی شدید نفرت ہو گی اور اس پر اتنا غضب ہو گا، واقعہ ہے کہ قوم لوط کا عمل دنیا میں سب سے بدترین عمل ہے، بالکل غیر فطری ہے، جو حیوانوں اور جانوروں میں بھی نہیں پایا جاتا، اس عمل کا ارتکاب کر کے انسان انسانیت کی مٹی پلید کرتا ہے اور یہی نہیں عورتوں کی تباہی و بربادی بھی اس میں مضمر ہے، خود اس کرنے والے مجرم کی بھی ہلاکت ہے، اپنے کو طرح طرح کی بیماریوں کا شکار بناتا ہے، کیونکہ اس کے اعضائے رئیسہ مضمحل ہو جاتے ہیں، چہرہ کی رونق جاتی رہتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عورتوں کے کسی کام کا نہیں رہتا۔ یہ محروم القسمت انسان اولاد جیسی نعمت اور 'عفت' جیسی عظیم الشان دولت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتا ہے۔

لوگوں کا بیان ہے کہ جو اس غیر فطری برائی میں مبتلا ہوا۔ دنیا میں بھی عذابی کیڑے ہمیشہ کے لئے اس سے چپک گئے، یعنی پھر اس لت اور عادت کا دور ہونا قریب قریب ناممکن ہے۔ فاعل و مفعول یہ دونوں کا یہی حال ہوتا ہے، موت ہی اس بُری عادت کو چھڑا سکتی ہے۔ اس سے پہلے کوئی اُمید نہیں، بوڑھے ہونے کے بعد بھی اس بُرے فعل میں

---

[1] ترمذی ج ۱ ص ۱۳۸

مبتلا رہتے ہیں، یعنی فاعل بڑھاپے تک کرنے کی سعی کرتے ہیں اور مفعول بہ کروانیکی۔

لوطی کی سزا

غالباً یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی سزا قتل بیان فرمائی

من وجد تموہ یعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول بہ (ترمذی)

تو لوط کے عمل میں جس کو بھی مبتلا دیکھو قتل کر ڈالو (کرنے والے کو بھی) فاعل اور مفعول (جس کے ساتھ کیا جائے) کو بھی

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یہ حدیث شرط بخاری پر صحیح الاسناد ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے [1]

اس حدیث کی بنیاد پر جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جو شخص لواطت کا مرتکب ہو اس کو قتل کر دیا جائے، خواہ محصن ہو یا غیر محصن۔ یہ ایسا جرم ہے جس میں معافی کی کوئی صورت ہی نہیں، کیونکہ اس غیر فطری فعل کو زنا سے بھی بدتر سمجھا گیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رض، حضرت علی رض، حضرت خالد بن الولید رض، حضرت عبداللہ بن زبیر رض، حضرت عبداللہ بن عباس رض، خالد بن زید رض، عبداللہ بن معمر رض، پھر زہری رح، ربیعہ بن عبدالرحمٰن رح، امام مالک رح، اسحاق بن راہویہ رح اور امام احمد بن حنبل رح، ان تمام بزرگوں کا یہی قول ہے اور امام شافعی رح کا بھی ایک قول یہی ہے [2]

ایک جماعت کہتی ہے کہ جو زانی کی سزا شریعت میں مقرر ہے وہی لوطی کی بھی ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اس کے قائلوں میں عطا بن رباح رح، حسن بصری، سعید بن مسیب رح، ابراہیم نخعی، قتادہ، اوزاعی رح، امام ابو یوسف، اور امام شافعی (اپنے ظاہر قول میں) ہیں، ایک روایت امام احمد سے بھی ہے [3]

---

[1] الجواب الکافی صد ۲۳۰ [2] الجواب الکافی صد ۲۲۹ [3] ایضاً

اس کے خلاف دوسری جماعت کہتی ہے کہ زنا اور لواطت میں بڑا فرق ہے، زنا پر حد مقرر ہے اور لواطت پر کوئی حد مقرر نہیں۔ اس لئے لوطی کی بعینہ وہی سزا نہ ہوگی جو زنا کار کی ہے۔ ہاں حاکم کو البتہ اختیار ہے کہ اس سے بھی زیادہ سخت اور دردناک سزا دے، لوطی کو ہاتھی کے پاؤں میں باندھ کر کچلوا دیا جائے۔ پہاڑ کے اوپر سے گرا کر مار ڈالا جائے اور یا آگ میں جلا کر مار دیا جائے۔ حضرت ابوحنیفہ اور حاکم کا یہی مذہب ہے[1]۔

پس معلوم ہوا کہ اجماع صحابہ اسی پر ہے کہ قتل کر دیا جائے اور یہی جمہور کا مذہب ہے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ زنا والی حد جاری کی جائے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ جس طریقہ سے بھی لوطی کو مارا جائے جائز ہے۔ بہر حال اتنی بات مشترک ہے کہ لوطی کے موت کے گھاٹ اتارنے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، قتل کی نوعیت میں البتہ اختلاف ہے۔

سزا ـــــ عقل کی روشنی میں

لوطی کی سزا کے متعلق صحابۂ کرام رضؓ اور ائمہ دین کے فیصلے پڑھکر تعجب نہ ہونا چاہیئے قوم لوط کا جو حشر ہوا اس کو سامنے رکھنے کے بعد کسی سختی کو سختی نہیں کہا جا سکتا، لوطی کی خباثت و شیطنت کو مدنظر رکھا جائے تو کہنا ہوگا کہ درست ہے اگر آسمان اس پر ٹوٹ پڑے، پہاڑ گر جائے، زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں دھنسا دیا جائے۔

مفعول بہ (جس نے فعل بد کروایا) یہ تو اس درجہ میں ہے کہ اس کا قتل ہو جانا ہی بہتر ہے کیونکہ جب اس کی رضا سے اس سے لواطت کی گئی تو اس پر ایسی موت طاری ہو گئی جس میں زندگی کی کوئی رمق نہیں، زمین پر متعفن زندہ لاش ہے، بے گناہ قتل ہوتا تو اچھا تھا کہ لوگوں میں محبت و شفقت سے یاد کیا جاتا۔ اور

---

[1] الجواب الکافی صد ۲۲۹

مظلوم شہید کا درجہ حاصل کرتا، مگر اس (وطی فی الدبر) کے بعد اس کے حق میں کوئی رحم و کرم نہیں، نہ شریعت کی نظر میں اور نہ انسانی سوسائٹی میں۔ سوچئے تو کہ قاتل کو اگر مقتول کا وارث چاہے بچا سکتا ہے، مگر لواطت کرنے والے اور کئے جانے والے کے لئے بچنے کی کوئی گنجائش ہے؟ یقیناً نہیں!

عہدِ صحابہؓ کا ایک واقعہ:

حضرت خالد بن الولیدؓ کو اطلاع دی گئی کہ ایک ایسا شخص ہے جو لواطت کراتا پھرتا ہے۔ حضرت خالد نے یہ واقعہ خلیفہ المومنین صدیق اکبرؓ کو لکھ بھیجا اور مشورہ طلب کیا چونکہ یہ نئی طرح کا واقعہ تھا حضرت صدیق اکبرؓ نے مجلسِ مشاورت بلائی اور یہ مسئلہ پیش کیا۔ اس سلسلہ میں حضرت علیؓ نے رائے دیتے ہوئے فرمایا کہ اس عمل کا تعلق قومِ لوط کے عمل سے ہے سزا بھی اسی نوعیت کی مناسب ہے میری رائے ہے اس شخص کو جلا ڈالا جائے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو یہ رائے پسند آئی اور آپ نے یہی سزا حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجی، چنانچہ حضرت خالد کو جب یہ فرمان ملا، تو آپ نے اسے گرفتار کیا اور آگ میں جلوا ڈالا[1]

یہ وہ ملعون فعل ہے جس کے ارتکاب کرنے والے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار لعنت فرمائی ہے[2]۔

بچنے کی تدبیر

اسلام چاہتا ہے کہ اس غیر فطری فعل سے انسان اپنے کو محفوظ رکھے، اس کی

---

[1] الجواب الکافی ص ۲۳۹ [2] ایضاً

صورت یہی ہے کہ خوبصورت لڑکوں سے اجتناب کیا جائے، اور جو اس کے دواعی ہو سکتے ہیں ان سے الگ تھلگ رہنے کی سعی کیجائے۔

حافظ ابن حجرؒ نقل کرتے ہیں :۔

"مالداروں کے لڑکوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے پرہیز کرنا چاہیئے، کیونکہ یہ اپنی شکل وصورت اور لباس و پوشاک سے سراپا فتنہ ہیں، ایسا فتنہ کہ بسا اوقات عورتوں سے بڑھ کر ثابت ہوتے ہیں۔"

پھر انھوں نے حضرت سفیان ثوریؒ کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک دن حضرت سفیانؒ غسلخانے میں داخل ہوئے، اتفاق سے اسی وقت ایک لڑکے نے بھی غسلخانہ میں داخل ہونا چاہا، آپ نے دیکھا تو فرمایا، اسے یہاں سے نکالو اور جلد نکالو۔ اور وجہ یہ بیان فرمائی

فانی اری مع امرأة شیطانا و	عورت کے ساتھ مجھے ایک ہی شیطان
ومع کل صبی بضعة عشر	دیکھائی دیتا ہے مگر 'امرد' کے ساتھ کچھ
شیطانا۔ (مفتاح الخطابة ص۲۱۷)	اوپر دس شیطان۔

امرد سے پرہیز

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہے، کہ امام موصوف کی خدمت میں ایک شخص کسی ضرورت سے حاضر ہوا، اس شخص کے ساتھ ایک لڑکا بھی تھا، اسے دیکھ کر آپ نے پوچھا، یہ کون ہوتا ہے؟ اس شخص نے بتایا بھانجا ہوتا ہے، یہ سن کر آپ نے فرمایا، دیکھو اب دوبارہ اسے ہمارے یہاں نہ لانا۔ اور تم بھی اس کو ساتھ لے کر بازار میں چکر نہ لگانا، تاکہ تمہارے متعلق کسی کو برا گمان کرنے کا موقع نہ ملے[1]

---

[1] مفتاح الخطابة ص۲۱۷

یہ ان بزرگوں کی رائے ہے جو اپنے علم و عمل اور زہد و تقویٰ میں مسلم ہیں۔ پھر کیا یہ رائے بے وجہ ہے۔ ان بزرگوں نے جو ہدایت فرمائی وہ بالکل درست ہے اور قابل عمل بھی۔ ہمارے زمانہ کے ان حضرات کے لئے ان واقعات میں عبرت و بصیرت ہے، جو تنہائی میں "امرد لڑکوں" سے پاؤں دبواتے ہیں اور بے تکلف بنکر ان کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان کی نیتوں میں فساد ہے، بلکہ آگاہ یہ کرنا ہے کہ فتنہ کے دواعی سے اپنی حفاظت ایک ضروری فریضہ ہے۔

امرد کا چہرہ دیکھنا

فقہاء شہوت کے اندیشہ "امرد" کے چہرہ کو دیکھنا حرام کہتے ہیں۔

فانہ یحرم النظر الیٰ وجھہا و وجہ الامرد اذا شك فی الشہوۃ	جنسی میلان کا خطرہ ہو تو اس وقت عورت اور امرد کے چہرہ پر نگاہ ڈالنا حرام ہوتا ہے

(درمختار بر حاشیہ ردالمحتار)

"امرد" اس لڑکے کو کہتے ہیں جس کی داڑھی ابھی نہ نکلی ہو، مونچھ آرہی ہو۔ بعض علماء تو کہتے ہیں کہ امرد اگر حسین ہو تو عورت کے حکم میں ہے۔ یعنی سر سے پاؤں تک اس کا جسم ستر ہے، اس کی طرف نہیں دیکھنا چاہیئے، مگر ابوالقاسمؒ کی رائے ہے کہ شہوت کے ساتھ دیکھنا تو جائز نہیں مگر اس کا اندیشہ نہ ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ ماحصل یہ ہے کہ تلذذ مقصود ہو تو حرام ہے ورنہ نہیں۔

قال ابن القطان اجمعوا علیٰ انہ یحرم النظر الی غیر الملتحی بقصد التلذذ و تمتیع البصر بمحاسنہ واجمعوا علیٰ جوازہ بغیر قصد اللذۃ والناظر	ابن القطان فرماتے ہیں، امرد جسکی داڑھی نہیں نکلی ہے، تلذذ اور اسکی خوبصورتی سے متمتع ہونے کے ارادہ سے ایسے لڑکوں کو دیکھنا بالاجماع حرام

مع ذلك امن الفتنة {ردالمحتار ج ۱ ص ۲۸۵} ہے اور تلذذ مقصد نہ ہو اور دیکھنے

والا فتنہ سے مامون ہو تو بالاجماع جائز ہے

شہوت کس کو کہتے ہیں، اس کی تفسیر میں مختلف قول ہیں، مگر زمانہ کے لحاظ سے

علامہ شامی کی یہ تفسیر زیادہ صحیح ہے کہ

انها ميل القلب مطلقا (ردالمحتار ج ۱ ص ۲۸۵) شہوت نام ہے دل کے میلان کا

دو مردوں کا ایک ساتھ لیٹنا سونا

اس سلسلہ میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ اسی فتنہ کی وجہ سے آنحضرت صلے

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک چادر میں دو مرد نہ سوئیں۔ ارشادِ نبوی ہے:

۱ لا يفضى الرجل الى الرجل فى ثوب واحد (مشکوٰۃ باب النظر الى المخطوبة عن مسلم) ایک مرد دوسرے مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ آئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

ایک کپڑے میں لیٹنے سونے سے اس لئے روکا گیا ہے کہ اس سے جنسی میلان میں

ہیجانی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جس سے کبھی کبھی لواطت کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔

اس حدیث کو دلیل بنا کر امام رازیؒ فرماتے ہیں:

ولا يجوز للرجل مضاجعة الرجل وان كان كل واحد منهما فى جانب من الفراش دو مردوں کا ایک ساتھ سونا لیٹنا جائز نہیں ہے گو دونوں بستر کے کنارے کنارے ہی کیوں نہ ہوں۔

یہ حکم نفسیات کے بالکل مطابق ہے۔ دو شخصوں کا یکجا سونا کسی حال میں ضرر سے

خالی نہیں۔ اور غالباً اور وجوہ کے ساتھ یہ وجہ بھی تھی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مروا اولادکم بالصلوٰۃ دھم	تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں
ابناء سبع سنین واضربوھم	تو ان کو نماز کا حکم کرو اور دس کی عمر
علیھا وھم ابناء عشر وفرقوا	کو پہنچ جائیں تو نماز کے لئے پیٹو بھی
بینھم فی المضاجع ۔	اور ان کو الگ الگ بستر پر سلاؤ ۔

عمر کے اس حصے میں بچوں کا بستر علیحدہ کر دینے سے نفسیاتی طور پر بھی بڑا فائدہ ہوگا۔ اور صحت کے اعتبار سے بھی بچے فائدہ میں رہیں گے۔ عمر کے اس حصہ سے انسان میں جنسی میلان کی سوجھ بوجھ شروع ہونے لگتی ہے۔

ہمارے اس دور میں خصوصیت سے اس پر عمل کرنا چاہیئے کہ اس دور میں ایسی چیزوں کی کثرت ہے جو جنسی میلان کو مشتعل کرتی رہتی ہیں، اور کم و بیش ہر شخص پر اس کا اثر بھی پڑتا رہتا ہے۔

پھر یہ بھی واضح رہنا چاہیئے کہ جس طرح یہ حرام ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے ان حصوں کو دیکھے جن کو "ستر" سے تعبیر کرتے ہیں، اسی طرح یہ بھی حرام ہے کہ بغیر ضرورت دو مردوں کے جسم اس طرح مل جائیں کہ بیچ میں کوئی چیز حائل باقی نہ رہے، ہاں اس حکم سے مصافحہ وغیرہ طرح کی چیزیں مستثنیٰ ہیں [1]

حافظ ابن حجرؒ اس کی بھی صراحت فرماتے ہیں۔

ویحرم لیس عورۃ غیرہ بای	"غیر مرد کے ستر کو ہاتھ لگانا حرام

---

[1] فتح الباری پ ۲۱ ص ۱۴۸

موضع بدنہ کان بالاتفاق	ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ بدن
(فتح الباری پ۲۱ ص۱۲۸)	کے جس حصہ سے بھی "ستر" چھوتے سب حرام ہے۔"

ہمارے اس دور میں ان لوگوں کے لئے عبرت و بصیرت کا سبق ہے، جو لڑکوں کے سامنے گھٹنے کھولنا اور تیل کی مالش کرانا عیب نہیں سمجھتے۔

ارشادِ نبوی ہے۔

لا ینظر الرجل الی عورۃ الرجل	'ایک مرد دوسرے مرد کی ستر نہ دیکھے'
	(مشکوٰۃ عن مسلم)

و اٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ

والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ

اجمعین

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۤ اَسْئَلُکَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی

محمد ظفر الدین

پورہ نوڈیہادی

تالیفات مولانا محمد حنیف یزدانی

ناظم مکتبہ نذیریہ، منیر شہید روڈ

بالمقابل جاوید مارکیٹ اچھرہ لاہور

زیارت قبور کا شرعی طریقہ

روزنامہ 'نوائے وقت' ۲۸ مارچ ۷۶ء، ہفت روزہ 'چٹان' ۲۶ اپریل ۷۶ء اس کتاب مستطاب پر تبصرہ کر چکے ہیں۔ آجکل زیارت قبور کے سلسلہ میں جس طرح شرک و بدعت عام لوگوں میں راہ پا چکے ہیں ان کے لئے بالخصوص اور اپنے عقیدہ کو مزید پختہ کرنے والوں کے لئے بالعموم اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ زیارت قبور کے متعلقہ جملہ مسائل، قبر کا طواف، مسح، بوسہ، سجدہ، اس سے چمٹنا، لپٹنا، قبر پر گنبد، عمارت قبہ مجاور کا بیٹھنا، چادر چڑھانا، نذر و نیاز، قبر کی زیارت کے لئے دور دراز سے سفر کر کے جانا، عرس، میلہ، اجتماع، قبر پر جانا بالخصوص حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم